رجسٹرڈ آصفیہ نشان ۳۲ اللہ اکبر رجسٹرڈ انگلشیہ ایم

حیدرآباد دکن کا مشہور علمی ماہوار رسالہ

تاج

جلد (۳) نمبر (۱)

(ماہ خورداد ۱۳۳۴ف)

رفیق مدیر	مدیر
رگھناتھ راؤ درد	غلام محمد انصاری وفا

تاج پریس میں چھپکر

دفتر رسالہ تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن

سے شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک (صہ) غیر ممالک سے اس نمبر کی قیمت (ص)

(۱) یہ رسالہ ۴۶ صفحے پر ہر ماہِ الٰہی میں ایک بار شایع ہوتا ہے۔

(۲) اسمیں مشرق و اہلِ مشرق خاصکر ہند اور اہلِ ہند کے متعلق مباحث ذیل پر مضامین شایع ہوتے ہیں

(۱) تاریخ و جغرافیہ

(۲) آثار و عتائق

(۳) آداب و السنہ

(۴) اقوام و قبائل اور انکے مقامی روایات، ضرب الامثال وغیرہ کی تحقیقات

(۳) اشاعت کے لئے صرف وہی مضامین انتخاب ہوا کرتے ہیں جو مباحث مذکور پر کمال تحقیق و تدقیق کے بعد لکھے گئے ہیں۔

(۴) جن مضامین میں مذہبی اور سیاسی مباحث پائے جاتے ہیں وہ نظر انداز کر دیے جاتے ہیں

(۵) رسالہ کی قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے۔

(۶) بنظرِ احتیاط پرچہ ذریعۂ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ بھیجا جاتا ہے پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر ماہ الٰہی کے آخری ہفتے میں ناظم صاحب ٹپہ اور نیز دفتر ہذا کو دینا چاہئے تاکہ رفع شکایت کا انتظام کیا جائے۔

(۷) جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر غلام محمد انصاری وفا مدیر تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن کے نام ہوا کرے۔ اور جواب طلب امور کے لئے کارڈ جوابی یا نیم آنہ کا ٹکٹ بھیجنا چاہیئے

اقتباس تقریظات

مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی: یہ حریت قومی و وطن پرستی کا سبق جو شکسپیر نے اہل انگلینڈ کو دیا ہے اسی لائق ہے کہ ہر ملک و دیار کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اردو میں اس کا ترجمہ سید تفضل حسین صاحب نے بہت خوبی سے کیا ہے اور اول سے آخر تک نجماً نجماً مجھے سنا دیا ہے۔ میرے نزدیک داد اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

جناب آغا سید حسن صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ: شکسپیر کی تصنیف وہ بھی جولیس سیزر جیسے ڈرامے کا جو خود شکسپیر کا مایہ ناز ہے اردو میں ترجمہ کرنا کچھ کھیل نہیں حقیقی ترجمہ (جس کا کہ اثر مثل اصل کے ہو) کرنے کے لیے زبان اردو پر مترجم کو اس سے کہیں زیادہ قدرت ہونا چاہیئے جتنی کہ خود شکسپیر کو زبان انگریزی پر تھی۔ مولوی تفضل حسین صاحب کی ہمت پر آفرین ہے کہ انھوں نے اپنے ابتدائے شوق میں ایسے ترجمہ کا بیڑا اٹھایا اور کر دکھایا۔

جناب مولوی محمد مرتضیٰ صاحب سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس حیدرآباد: شکسپیر کی جو عظمت انگلستان کے علم ادب میں ہے اس کے اظہار کی حاجت نہیں۔ یہ مسلم ہے کہ شکسپیر کے ڈراما نے انگلستان کے انگلستان بنانے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ باشندگان ہند اگر چاہتے ہیں کہ وہ علم ادب کے حقیقی مواد سے اپنی زبان کو مالا مال بنائیں تو ضرورت ہے کہ اس پاکیزہ سلسلہ ادب کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ یہ امر نہایت خوشی اور طالبان ادب کے لیے نہایت امتنان کا باعث ہے کہ اس اہم کام کے لیے جناب مخدوم و مکرم سید تفضل حسین صاحب نے توجہ فرمائی ہے۔ جناب ممدوح نے پہلے ہنری دی ففتھ کا ترجمہ اردو میں فرمایا تھا جو فی الحقیقت ارباب ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اب دوسرا جولیس سیزر کا ڈراما ہے جو اردو کا جامہ پہن کر ہمارے سامنے آیا ہے حقیقت میں اس کتاب اور ترجمہ کی نسبت کچھ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ ترجمہ اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ وہ ترجمہ نہ معلوم ہو بلکہ گویا اردو کی مستقل تصنیف ہے۔ مترجم صاحب نے جس جانکاہی اور ذاتی دلچسپی کے ساتھ یہ دشوار گزار کام انجام دیا ہے اگر اس کی قدر نہ کی جائے تو

یہ بڑا طلسم ہوگا اور گویا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پھر کسی کا قدم اسطرف اُٹھنے ہی نہ پائے۔........

مولانا مولوی وحید الدین صاحب سلیم پروفیسر عثمانیہ کالج ۔ میں نے سید تفضل حسین صاحب کے ترجمہ جولیس سیزر کو جگہ جگہ سے دیکھا۔ انھوں نے اردو ادبیات کی توسیع کے لیے یہ کام نہایت اہم کیا ہے اگر شکسپیر کے تمام ناٹک اسی خوبی اور خوش اسلوبی سے اردو کے سانچے میں ڈھال دیئے جائیں تو ہمارا ادب شکسپیر جیسے ممتاز فطرت نگار شاعر کے خیالات سے مالا مال ہو جائیگا۔ میں مترجم صاحب کو ان کی موجودہ شاندار کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں......

عالیجناب مرزا محمد ہادی صاحب رسوا رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ و پروفیسر عثمانیہ کالج ۔ ڈراما ابھی تک اردو میں نہیں آیا۔ الّا ایک پلے جس کو اردو زبان کا پہلا پلے کہنا چاہیئے۔ یعنی اندر سبھا اگرچہ اس کا استعمال ایسے ہاتھوں اور ایسی زبانوں پر پہنچ گیا جس نے اسکو بالکل متبذل اور عامیانہ کر دیا چیز اچھی تھی۔ مگر ملک کی ناواقفی سے اسکا درجہ گھٹ گیا۔ میں نے بھی ایک زمانہ میں کوشش کی تھی اور مرقع لیلیٰ مجنوں تحریر کیا تھا۔ مگر وہ ملک کے مذاق سے بہت بلند ہو گیا اگرچہ کلکتہ میں اور دوسرے مقامات میں کبھی کچھ کاٹ چھانٹ کے اسکو اسٹیج پر لائے اور کاٹ چھانٹ اسلیئے بھی ہوئی کہ میں نے مذہبی خیال سے اس کی باضابطہ اجازت نہیں دی۔ سید تفضل حسین صاحب نے اس زمانہ میں اس کوشش کو زندہ کیا جولیس سیزر شکسپیر کے ڈراما کو اردو نثر میں لکھا اور اچھا لکھا۔ زبان موقع محل سے استعمال کی گئی ہے شکسپیر کے خیالات کو من و عن اردو میں لکھ دیا ہے اگر اسٹیج پر لایا جائے اور ایکٹر بھی لیاقت سے کام لیں تو ضرور موثر ہوگا۔ میں سید صاحب کو اس کوشش کی داد دیتا ہوں۔ اور پبلک سے بھی حوصلہ افزائی کی اُمید ہے۔

از مراسلہ محکمہ نظامت تعلیمات سرکار عالی نشان ۹۴ مورخہ ۳ فروردی سنہ ۱۳۴۳ ف

مولوی سید تفضل حسین صاحب نے جو سررشتہ کے ایک لائق اور ذی علم ملازم ہیں شکسپیر کے مشہور ڈراما جولیس سیزر کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کی بلیغ کوشش کی ہے کہ دنیا کی زبردست فطرت کے نقاش کا نہ صرف لفظی ترجمہ ہو بلکہ اس مشہور تاریخی ڈراما کی روح بھی اردو کے قالب میں آجائے۔ یہ ترجمہ بہت اچھا ہے۔ اور اردو ادبیات میں قابل داد اضافہ ہے۔

از ریویو مندرجہ رسالہ "اردو" بابتہ اپریل ۱۹۲۴ء

جولیس سیزر :- یہ شکسپیر کے ایک مشہور ڈرامے کا ترجمہ ہے جسے مولوی سید تفضل حسین صاحب نے اردو میں کیا ہے۔ شکسپیر کے بعض ڈراموں کے ترجمے اور صاحبوں نے بھی کئے ہیں لیکن جس خوبی اور فصاحت کے ساتھ یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ بلا شبہ قابلِ قدر ہے۔ اگرچہ بعض الفاظ اور جملوں کے ترجمے میں ہمیں اختلاف ہے تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ کی خوبی سے انکار نہیں ہو سکتا.......... مترجم قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے شکسپیر کے ڈرامے کا ترجمہ ایسا اچھا کر دیا ہے کہ اردو داں اصحاب جو انگریزی سے واقف نہیں مصنف کے خیالات اور مفہوم سے اسی طرح لطف حاصل کر سکتے ہیں جس طرح انگریزی داں اصل کتاب کے پڑھنے سے۔ اور یہ ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے۔

کتاب کے شروع میں مولوی سیّد ہاشمی صاحب نے بہت اچھا مقدمہ لکھا ہے جس میں اس زمانے کے تاریخی اور سیاسی حالات کا خاکہ کھینچا ہے۔ اس سے ناظرین کو اصل ڈرامے کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملے گی۔ اس کے بعد قابل مترجم نے اس ڈرامے پر ایک تبصرہ لکھا ہے جس میں اشخاص ڈراما کی سیرت اور ان کے جذبات اور خیالات اور اس وقت کی سازشوں کے حالات درج ہیں۔ یہ بھی انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس سے کتاب کا افادہ اور وقعت بڑھ جاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک مفید ضمیمہ ہے۔ جس میں روما اور اس وقت کی سیاسی جماعتوں اور اشخاص ڈراما کے تاریخی حالات درج ہیں۔ کتاب اچھی چھپی ہے۔

از ریویو مندرجہ "لسان الملک" بابتہ ماہ نومبر ۱۹۲۳ء

جولیس سیزر:- یہ انگلستان کے پیغمبر سخن شکسپیر کے مشہور و معروف ناٹک کا نثر ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم مولوی سید تفضل حسین صاحب ہیں۔ قابل مترجم کا نام پبلک کے لئے نیا نہیں ہے۔ الناظر کے صفحات اور تسخیر فرانس (ترجمہ ہنری دی ففتھ) آپکے ادبی مساعی کے شاہد ہیں۔ جولیس سیزر کا ترجمہ جس قابلیت سے کیا گیا ہے وہ ہر اعتبار سے قابلِ داد ہے

Extract from the lettar of
Director of Public Ines-
truction Bhopal.

I have read your translation with considerable interest and have compared several pages with the original. The translation is beautiful idiomatic and readable. It conveys the full and exact sense of the original. It is of paramount necessity that the Urdu literature should be rendered rich with such masterly productions as you have produced. I congratulate you on your success.

مولانا مولوی سید عابد حسین صاحب عابد المخاطب بہ لسان الملت

کھیل ایک ایسی مرغوب فطرت چیز ہے کہ اس تماشا گاہ عالم میں سب کھیلتے ہیں۔ ہر کھیل کی نوعیت میں فرق ہے۔ کوئی مفید کوئی غیر مفید۔ کسی کا نام لہو و لعب رکھا گیا۔ کسی کو علم و حکمت سے تعبیر کیا گیا۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت او ست۔ کسی نے اس کو اختیار کیا کسی نے اس کو۔

شکسپیر نے جس جس کھیل کی تعلیم اپنے اہلِ وطن انگلینڈ والوں کو دی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کھیل معناً صرف اِصطلاحِ معروف کی حدتک محدود ہیں۔ بلکہ دیکھنے والے ہی حقیقت کا تماشا انسانی جذبات کی تصویر اور پسِ پردہ کسی معشوق کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

میرے عزیز محترم بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ انیس ملک و ملت سید تفضل حسین صاحب ناظر نے اردو زبان میں اس خوبی سے شکسپیر کی انگریزی زبان کا ترجمہ کیا کہ گویا وہ مترجم نہیں ہیں بلکہ مصنف ہیں۔ ورنہ جن جذبات کو کسی ایک زبان میں قلمبند کیا گیا ہو۔ دوسری زبان میں ادا کرنا اور دوسرے آئینے میں صاف تصویر دکھانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

میری دعا ہے کہ دیکھنے والے اس ترجمے کو دیکھیں۔ فائدہ اُٹھائیں۔ قدر کریں اور مترجم کا حوصلہ بڑھائیں۔ فقط ۲۵ آذر ۱۳۳۳ف

مولانا مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر ادبیات اردو عثمانیہ کالج حیدرآباد

سید تفضل حسین صاحب مترجم جولیس سیزر نے شکسپیر کے ایک اور مشہور ڈراما کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے الناظر (لکھنؤ) میں چھپ چکا ہے مگر اس میں نظر ثانی کی ضرورت تھی۔ اب مترجم صاحب نے اس کو نظر ثانی سے مزین کر دیا ہے۔ ترجمہ صاف اور شگفتہ اور معنی خیز ہے۔ اگر صیغۂ تعلیمات مترجم صاحب کو مالی امداد پہنچاتا رہا تو ہم کو امید ہے کہ اس سرآمد سخنورانِ عالم یعنی شکسپیر کے تمام اہم ڈراما نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اردو لباس پہن لیں گے اور ہماری زبان و ادب کو اس سے بڑی مدد ملے گی۔ فقط ۱۰ اردی بہشت ۱۳۳۳ف

مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی

سید تفضل حسین صاحب کی تسخیر فرانس قابل قدر کتاب ہے۔ سرکار عالی دام ملکہ اردو کی ترقی کے لئے لاکھوں روپئے صرف کر رہی ہے۔ شکسپیر کے ڈرامے جو انھوں نے ترجمہ کئے ہیں وہ سب قابل انعام ہیں۔ ان کا دل بڑھانا کتنی بڑی بات ہے۔ خدا میری سفارش میں اثر دے کہ تسخیر فرانس کا صلہ مصنف کو خاطر خواہ مل جائے۔

کم سے کم یہ ہے کہ جلدیں خرید لی جائیں۔ بہمن ۱۳۳۳ف

مولانا مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو

مولوی سید تفضل حسین صاحب نے شکسپیر کے مشہور تاریخی ناٹک ہنری دی ففتھ کا ترجمہ اس نام سے کیا ہے اور ان نام نہاد ترجموں سے اگر قطع نظر کی جائے جو خونِ ناحق، اسیرِ ہوس، حبشی غلام وغیرہ کے ناموں سے ہمارے ناٹک کو بدنام اور شکسپیر کے خیالات کو مسخ کرتے ہیں تو یہ چیز اپنی نوعیت کی پہلی ادبی خدمت کہی جاسکتی ہے اور اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ اسی قسم کی کوششوں میں ہمارے ڈرامے کی آئندہ ترقی مضمر ہے۔

ترجمے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلِ مترجم نے اصل عبارت کی پابندی نہیں کی ہے۔ جہاں لفظی ترجمے سے اصلی زور باقی نہ رہتا ہو وہاں یہ طریقہ مناسب ہے۔ ناٹک کے ترجموں میں بڑی چیز یہ ہے کہ الفاظ بے روح نہ ہو جائیں بلکہ اصلی مفہوم کو پورے زور کے ساتھ ادا کریں۔ اسی سلئے موجودہ آزادانہ ترجمے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ...... ترجمہ قابل قدر ہے اور نقش اول ہونیکی حیثیت سے بہت اچھا ہے۔ خورداد ۱۳۳۳ف

جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن سررشتۂ تالیف وتراجم جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد

شکسپیر کی مشہور تمثیل 'ہنری پنجم' کا یہ اردو ترجمہ نظرِ ثانی کے بعد اب دوبارہ چھپا ہے۔ ملک میں اسے جو قبولِ عام حاصل ہوا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ پہلے یہ ترجمہ رسالہ الناظر میں پھر علیحدہ کتاب کی صورت میں چھپا اور اب چند ہی سال میں طبعِ ثانی کی نوبت آگئی۔ حقیقت میں لایق مترجم نے تمثیل یا ڈرامے کی دشوار ادبی صنف کو اردو میں ترجمہ کرنے کا جو سلیقہ پیدا کیا ہے وہ ستائش ومبارکباد کا مستحق ہے۔ ان کے ترجمے کی عبارت نہایت بامحاورہ اور متین وشگفتہ ہوتی ہے اور ایک فاضل نقاد کی رائے میں اگر مولوی تفضل حسین صاحب شکسپیر کے سب یا اکثر تمثیلات کا اردو میں ترجمہ کردیں تو ایک یادگار ادبی کارنامہ اور ہماری زبان پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔ فقط

از "ہندوستان کا ڈراما" قدیم وجدید مندرجہ رسالہ اُردو بابتہ جنوری ۱۹۲۴ء

...... **اسی قسم کی قابلِ تحسین کاوش سید تفضل حسین صاحب ناثر کی ہے جنھوں نے شکسپیر کے رزمیہ ڈراما 'ہنری پنجم' کا ترجمہ اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔**

گذارش

جولیس سیزر کو شایع ہو کر چھ ماہ گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں ہندوستان کے مختلف تعلیمی محکموں سے مراسلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر نظما تعلیمات نے مدارس کے کتب خانوں میں رکھنے اور طلاب کو انعام دینے کیلئے خریدنے کا حکم جاری فرمایا۔ سررشتہ تعلیمات مدارس نے ٹریننگ سکول لیونگ سرٹیفکٹ کورس کے لئے تجویز کیا۔ امید ہے کہ تسخیر فرانس کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا جو نظر ثانی کے بعد آخر اپریل میں دوبارہ چھپ کر شایع ہوا ہے۔ ہر ڈرامے کی قیمت دو روپیہ فی نسخہ ہے۔ راست مترجم کے پاس فرمائش آنی چاہیئے۔ فقط والسلام مئی ۱۹۲۴ء

خاکسار سید تفضل حسین ناظر مدارس درجۂ اول ضلع کریم نگر (حیدرآباد دکن)

محاکمہ

نذیر احمد، شبلی، محمد حسین آزاد، اور الطاف حسین حالی

کی

انشا پردازی پر

از

مولانا سید جلال صاحب

مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن

النّاظر

کا

انعامی مقابلۂ ادبِ اردو

جس زمانے میں ایڈیٹر صاحب رسالہ **النّاظر** لکھنؤ نے اپنے رسالے میں انعامی مقابلۂ ادبِ اردو کا اعلان کیا تھا اسمیں یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ مضامین ۳۱ دسمبر تک اُنکے پاس پہنچ جائیں اسکی اطلاع مولانا سید جلال صاحب کو اتفاقاً دیر میں ملی۔ صاحب موصوف نے ایڈیٹر صاحب الناظر سے مدت مقررہ میں توسیع کی خواہش ظاہر کی لیکن اسکی منظوری اور نامنظوری کا انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ صاحب معز کے ارادہ سے جب ہمیں آگاہی ہوئی تو ہم نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اگر وہ اس مضمون کو تحریر کر دیں تو ہم اسکو اپنے رسالہ میں شائع کر سکتے ہیں۔

ہماری خواہش پر مولانا نے مضمون لکھنا شروع کیا لیکن اسکے بعد ہی وہ بیمار ہو گئے اور جب بیماری سے افاقہ ہوا تو اُسی ضعف و نقاہت میں کچھہ نہ کچھہ لکھتے رہے اور کئی ہفتہ میں یہ مضمون تیار ہوا اور ہمیں اسکے شایع کرنے کا موقع ملا۔

اس اثنا میں رسالہ النّاظر بابت مئی ۱۹۲۵ء میں انعامی مضمون شایع ہوا اور ایڈیٹر صاحب نے اسپر ریویو لکھنے کی خواہش کی۔ چونکہ اسی بحث پر ہمارے رسالہ میں ایک مستقل مضمون شایع ہو رہا ہے اسلئے ہم ریویو لکھنے سے ایک حد تک مستغنی ہو گئے۔ ہمیں غالباً امید ہے کہ اس مضمون کے دیکھنے کے بعد ہمارے ریویو کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

ایڈیٹر تاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبانِ اُردو

کا

سب سے بڑا انشا پرداز کون تھا اور سب سے زیادہ اردو کی خدمت کس نے انجام دی

مضمون معنون کے بلحاظ معنے دو حصے یا دو پہلو قرار پاتے ہیں۔

(۱) اُردو کا سب سے بڑا انشا پرداز۔ اور

(۲) اُردو کی سب سے زیادہ خدمت انجام دینے والا۔

جس طرح عالم علم اللسان کا یہ پری پیکر معشوق (مضمون معنون) بلحاظ اپنی ہیئت باطنی اور صورت ظاہری کے اپنا جلوہ دکھانے میں دو پہلو رکھتا ہے اسی طرح اُس کے قوائے جسمانی کے جوڑ بند کو زبردست اور سڈول کہنے والے، اس کو حسین و جمیل بنانے والے، اس کو زیور حسن سے سنوارنے والے، اور اُسکے حسن کو علم اللسان کے اسٹیج پر چمکانے والے اور جلوہ دینے والے گو بہت سے ہوئے اور ہیں، اور ہوتے جائیں گے، مگر ہم اسوقت بحکم "المامور معذور" کے ان میں سے صرف چار محترم افراد:-

(۱) شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد۔ ایل ایل ڈی

(۲) شمس العلماء علامۃ العصر شبلی نعمانی

(۳) شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔

(۴) شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی

کو انتخاب کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہی ایسے قابل اور لائق نفوس ہوئے ہیں جو زبان اُردو کے بڑے خدمت گزار اور اسکے حسن پر چار چاند لگانے والے سمجھے گئے ہیں، اور حق یہ ہے کہ

وہ اسکے مستحق بھی ہیں۔

اب ہم اولاً مضمون مدرسہ کے دوسرے حصے یعنی۔

"اُردو کی سب سے زیادہ خدمت انجام دینے والا"

سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

اولاً یہ امر غور اور بحث طلب ہے کہ زیادہ خدمت انجام دینے سے کیا مراد ہو سکتی ہے۔ بظاہر اس کا مطلب اور منشاء اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ خدمتگزار کی خدمت (جو تحریر یا تصنیف سے متعلق ہو سکتی ہے) بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہو عام اس سے کہ وہ تحریر یا تصنیف نظم کے پیرایہ میں ہو یا نثر کے لباس میں گو کہ وہ تحریر کسی علم وفن کی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ اُسکو زبان اُردو کا جامہ پہنایا گیا ہو۔ اسکے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اگر ان محترم نفوس کی کوئی تحریر یا تصنیف دوسری زبان (مثلاً فارسی وعربی) میں ہو تو ہم کو اس سے کوئی بحث اور سروکار نہ ہوگا اور نہ ہم اسکا ذکر کرینگے اسلئے کہ وہ ہمارے موضوع سے جدا چیز ہے۔

اب ہم ذیل میں ہر ایک مصنف کی تصنیفات کی جدا جدا فہرست درج کرتے ہیں جس سے تصنیفات کی تعداد اور اُنکی غرض وغایت واضح ہو سکیگی۔ ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ہر ایک مصنف کی بعض بعض تصنیف کے حصّوں کی نقل انہیں کے الفاظ اور عبارت میں کریں تاکہ ناظرین کو ہر ایک کی نظم و نثر کا رنگ ڈھنگ اور اس کی صفائی اور شستگی اور متانت کا اندازہ کرنے میں سہولت ہو۔

فہرست تصنیفات شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم

نمبر سلسلہ	نام کتاب	غرض وغایت	تعداد صفحات
۱	مرآۃ العروس	تدبیر منزل کا رکن اعظم تعلیم نسواں	۲۴۰
۲	بنات النعش	بشرح صدر بافادہ ضروری معلومات جدیدہ	۱۵۸
۳	توبۃ النصوح	خدا پرستی یعنے درستی عقائد ذکور و اناث خاندان وغیرہ	۲۲۶
۴	ایامیٰ	بیواؤں کے نکاح ثانی نہ کرنے کے قبائح	۱۹۲

۵	ابن الوقت	انگریزی معاشرت اختیار کرنے کے مضار۔	۲۴۰
۶	فسانہ مبتلا یا محصنات	دو بیویاں ایک وقت میں کرنے کے آفات و مصائب۔	۲۱۲
۷	رویائے صادقہ	مذہبی شبہات و شکوک دور کرنے کا بہترین نسخہ	۲۱۶
۸	مبادی الحکمۃ	علم منطق میں۔	۱۳۲
۹	ما یغنیک فی الصرف	عربی علم صرف کے قواعد اردو میں	۱۰۰
۱۰	صرف صغیر	فارسی قواعد اردو میں	۴۰
۱۱	منتخب الحکایات	چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں مفید نتائج ابتدائی تعلیم میں کارآمد۔	۸۰
۱۲	چند پند	نام سے غرض ظاہر ہے۔	۴۲
۱۳	مصائب غدر	ایک انگریز کے روزنامچہ غدر کا ترجمہ	۱۵۸
۱۴	رسم الخط	یعنی قواعد و اصول تحریر الفاظ و عبارات	۳۲
۱۵	نصاب خسرو	مفردات لغت عربی۔ فارسی۔ ہندی بیتے خسرو علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب خالق باری کی اصلاح	۳۲
۱۶	موعظہ حسنہ	مجموعہ خطوط جو وقتاً فوقتاً مصنف نے اپنے فرزند بشیر الدین احمد کے نام لکھے ہیں جس میں تعلیم و تربیت کے متعلق سیکڑوں مفید مشورہ اور ہدایات ہیں۔	۲۱۰
۱۷	نظم بے نظیر	متفرق مضامین پر	۲۰۲
۱۸	مجموعہ لکچرز	متعدد اوقات میں متفرق مضامین کے خطبے	۵۵۸
۱۹	سموات [1]	علم ہیئت میں	

[1] اگر ہماری یاد غلط نہو تو اس بات کے ظاہر کرنے کی جرأت کیجاتی ہے کہ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم نے اپنی کسی ایک تصنیف میں اس کتاب کی نسبت افسوس کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب علم ہیئت کی ہے ہندوستان میں یہ اسلئے نہیں چھاپی جا سکی کہ یہاں کے ہنود کے مطابع اس کے آسمانی نقشہ جات بوجہ فقدان آلات طبع جدید چھاپنے سے قاصر ہیں۔ ۱۲

۲۰	اجتہاد	نام سے غرض ظاہر ہے	۱۳۲
۲۱	الحقوق والفرائض	علم فقہ - کسیقدر علم کلام - اخلاق و آداب حصہ اول (۲۲۴) حصہ دوم (۴۹۲) حصہ سوم (۲۸۲)	جملہ صفحات ۹۹۸
۲۲	ترجمۂ قرآن	تعداد ازا	۶۰۰
۲۳	مطالب القرآن		۱۴۰
۲۴	ادعیۃ القرآن	قرآنی دعائیں	×
۲۵	ہفت سورہ	مع ترجمہ	×
۲۶	دہ سورہ	بشرح صدر	×

جملہ صفحات (۴۷۲۲)

فہرست صدر سے ظاہر ہوگا کہ مصنف مرحوم کی چھوٹی بڑی چھبیس ۲۶ کتابیں ہیں جن کے صفحات کی مجموعی تعداد چار ہزار سات سو بائیس ہے۔ آخر کی تین کتابوں کے صفحات کی تعداد اس خیال سے کہ یہ ترجمہ قرآن مجید میں داخل ہیں مستدرک (زائد) سمجھ کر خارج کر دی گئی۔

عالی دماغ اور روشن خیال مصنف نے فسانہ مبتلا مطبوعہ ۱۹۱۷ء کا جو دیباچہ ۲۲ اگست ۱۸۸۵ء میں لکھا ہے اس میں بتایا ہے کہ "خانہ داری میں مراۃ العروس، معلومات ضروری میں بنات النعش، خدا پرستی میں توبۃ النصوح نے ایسا رواج پایا کہ انگریزی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ بھاکا۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ کشمیری سات زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس وقت تک بدفعات چالیس ہزار جلدیں چھپ چکیں۔"

پس مصنف کا اس بات پر ناز کرنا کہ اسکی ان کتابوں کا سات زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اب سے بہت پیشتر زمانے تک انکی چالیس ہزار جلدیں چھپ کر شائع ہوئیں بلاشبہ ایک بجا ناز اور زیبندہ فخر ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر کتاب کے مقبول اور مطبوع خلائق ہونے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مراۃ العروس۔ بنات النعش اور توبۃ النصوح کا دیسی چھ زبانوں میں ترجمہ ہونا تو یقیناً تعجب خیز امر ہے اسلئے کہ ملک میں علم کی جیسی کمی و بے قدری ہے وہ ظاہر ہے

دیسی زبانوں میں ان دو تین کتابوں کا ترجمہ اس لیئے بھی قابل تعجب نہیں سمجھنا چاہیئے کہ فاتحہ عام کی رسم سے اس زمانہ اور اس ملک میں تعلیم نسوان کی طرف عام رجحان پیدا ہو گیا ہے ایسی صورت میں ان کا دیسی زبانوں میں ترجمہ ہونا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اسکے ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم کی اکثر نہیں تو بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کے ایک مرتبہ سے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہیں آئی ہوگی چہ جائیکہ دوسری زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا جائے یا کیا گیا ہو بلکہ اُن کی ایک کتاب سموات تو پریس کے دباؤ کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکی اور لباس تسوید میں پردہ پوش اور روپوش رہی۔

لیکن انگریزی زبان میں ترجمہ ہونا کچھ بھی نادر اور امر غریب نہیں ہے اسلیئے کہ قوم انگریز کو حصول علم کا شوق ہی نہیں ہے بلکہ عشق ہے۔ غذائے علمی کے وہ اسقدر بھوکے ہیں کہ اُس کو بھسمک روگ سے تعبیر کریں تو ایک امر واقعی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح حالت مرض میں جبکہ مرض زور پکڑ جاتا ہے تو اُس مرض میں اور دوسرے مرض بھی پیدا ہونے لگتے ہیں اسیطرح انگریزوں کو علمی بھسمک روگ کے ساتھ ایک اور دوسرا مرض بھی پیدا ہو گیا اور وہ مرض جُوع الاَرضْ (ملک گیری) ہے۔ ہم سب مسلمانوں کو خدا سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہم میں بھی یہ امراض پیدا کرے پس انگریزوں کے اس شوق اور شغف علمی پر خیال کیا جائے تو کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس کتاب کا اپنی زبان میں ترجمہ نکریں حالانکہ انگریزی زبان میں یہ اور ایسی بلکہ اس سے ہزار درجہ بہتر و برتر کتابیں ہونگی لیکن اُنکی تلاش اور حصول علم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہونے پاتی۔

اب ہم مصنف کی چند کتابوں سے عبارتوں کے نمونہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

کتاب نمبر ۱ بنات النعش کی ایک مختصر سی عبارت کی نقل۔

فصل حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا۔

"حسن آرا چلنے لگی تو اُس نے محمودہ کو الگ لیجا کر کہا۔ محمودہ بیگم بھلا اتنا پڑھنا کہ میں کہانی کی کتاب آپ پڑھ لیا کروں کتنے دنوں میں آ جائیگا۔ محمودہ۔ جی لگا کر پڑھو تو چار مہینے میں بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم میں۔ حسن آرا۔ اچھا تو مجھکو کل سے شروع کرا دو۔ محمودہ۔ استانی جی سے کہو۔ حسن آرا۔ کہا تھا۔ محمودہ۔ پھر۔ حسن آرا۔ استانی جی نے کہا ابھی جلدی کیا ہے۔ محمودہ۔ استانی جی کو ابھی تمہارے شوق کی طرف سے اطمینان نہوا ہوگا۔ حسن آرا"

ــــه عربی میں اس مرض کو جوع البقر یا جوع الکلب یا شہوت کلبی بھی کہتے ہیں اس مرض کا مریض دن بھر کھاتا رہتا ہے اور پھر بھی سیر نہیں ہوتا اور نہ ماکول غذا اسکی جز و بدن بنتی ہے ۱۲

کچھ ایسی ہی بات ہے۔ محمودہ۔ تو چھ مذ سے کہو۔ حسن آراء۔ نہیں میں تو کہتی ہوں آج
مجھکو کہانیوں کی کتاب پڑہنی آجائے۔ محمودہ۔ پھر میں استانی جی خفا نہوں تو کہدونگی
حسن آرا۔ اس میں کچھ قباحت ہے کہ تم چپکے سے مجھکو پڑہا دیا کرو۔ محمودہ قباحت کی
کیا بات ہے۔ حسن آرا۔ استانی جی خفا نہوں۔ محمودہ۔ ہرگز نہیں۔ اور ایسا ہی خیال
ہے تو خود استانی جی سے کیوں نہیں شروع کرتیں۔ حسن آرا۔ مجھ سے چھوٹی
چھوٹی لڑکیاں فرفر کتابیں پڑہتی ہیں۔ مجھکو اتنی بڑی ہو کر الف۔ ب پڑہتے
شرم آتی ہے۔ محمودہ۔ بہت خوب۔ میں آپ کو کوٹھے پہ لیجا کر اس طرح چپکے سے پڑہا دیا
کروں گی کہ کسی کو خبر بھی نہو۔ حسن آرا۔ ضرور۔ محمودہ۔ ضرور۔ حسن آرا۔ اچھی استانی جی
سے بھی نہ کہنا۔ محمودہ۔ نہیں۔ غرض یہ باتیں ہو ہو کر حسن آرا چلنے لگی تو استانی جی نے
دو عورتوں کو ساتھ دیا گھر تو پاس تھا ہی بات کی بات میں جا پہنچی سلطانہ بیگم
حسنا۔ میں نے تو جانا آج تم وہیں رہیں۔ حسن آرا۔ نیند آتی تو رہ جانے کو کیا تھا۔
سلطانہ بیگم۔ کیا تم کو اب تک نیند نہیں آئی بچپن سے آنیک ہمیشہ دن ڈوبا اور تم
سوئیں۔ حسن آرا۔ یہ مجھکو آج معلوم ہوا کہ بے شغلی کی وجہ سے میری نیند ترہتی
جاتی ہے۔ دیکھئے آج ہی نہ سوئی اور نہ کچھ کسل معلوم ہوا۔ سلطانہ۔ آج ایسے کس کام
میں تھیں۔ حسن آرا۔ کام تو کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر وہاں کی باتوں میں ایسا جی لگتا ہے
کہ دن رات سنا کیجئے۔ سلطانہ۔ ہم کو بھی تو کچھ سناؤ۔ حسن آرا۔ اب تو سمات زیادہ
ہو گئی ہے اور مجھکو سویرے اٹھنا ہے جلدی نہ سو رہوں گی تو تڑکے آنکھ کا کھلنا
مشکل ہوگا۔ سلطانہ۔ اب تم سویرے اُٹھ چکیں۔ حسن آرا۔ انشاء اللہ تعالیٰ سویرے
اٹھونگی آپ دیکھئے گا۔ انا۔ تم کہا کرتی ہو کہ میں اُٹھتی ہوں تو تارے ہوتے ہیں بس
ضرور ضرور مجھکو اُسی وقت اُٹھا بٹھانا۔ دیکھنا خبردار بھولنا مت۔ انا۔ جگا تو میں دونگی
اُٹھنا نہ اٹھنا تمھارے اختیار میں ہے۔ حسن آرا۔ اگر میں نہ اٹھوں تو ٹھنڈے پانی کے
چھینٹے مار دینا۔ انا۔ یہ تو مجھ سے نہو سکیگا کہ غفلت کی نیند میں تم کو حیران کروں
حسن آرا۔ میں کہتی ہوں نہ جگا دینا پھر تم کو میری حیرانی کا خیال ناحق ہے۔ انا۔ بیٹی

"تم کہتی ہو لیکن میری ایسی کم شامت ہے کہ صبح سویرے تم کو چھیڑ کر اپنا بُرا بھلا کرا لوں"

"حسن آرا۔ نہیں بی نہیں خدا کی قسم میں ہرگز بُرا نہ مانونگی ضرور جگا دینا۔ سلطانہ۔ آخر"

"تم کو ایسے سویرے اُٹھنے کی ضرورت کیا ہے۔ یہی نہ کہ معمول سے ذرا پہلے اُٹھ جانا"

"حسن آرا۔ واہ میں نے شرط کر لی ہے۔ اگر میں نہ بھی اٹھوں تو سوتی کو بڑے تڑکے"

"اندھیرے منہ مکتب میں پہنچا دینا۔ انا! دیکھو پھر کہے دیتی ہوں ضرور ضرور اُٹھا دینا"

"ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں"۔

مذکورۂ بالا عبارت دیکھنے سے ہر وہ شخص جو اردو زبان سے مذاق یا اس کا چسکا رکھتا ہے بخوبی اندازہ کر سکے گا کہ مصنف کو اردو زبان پر کس درجہ قدرت حاصل ہے اور وہ کیسی صفائی اور بے تکلفی سے عبارت لکھتا چلا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دو آدمی بے تکلف بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

نبات النعش کی عبارت کا جو نمونہ اوپر درج کیا گیا وہ زبان تفاہی ہے یعنے وہ زبان جسکو عوام دن رات بولا کرتے ہیں۔ لیکن اس سے علمی یا کتابی زبان کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی علمی اور کتابی زبان کے بھی دو ایک نمونے دکھلائے جائیں تاکہ ناظرین کو اس کا بھی اندازہ ہو جائے۔

کتاب نمبر ۹ یعنے "ما یغنیک فی الصرف" کے دیباچہ کے ایک حصہ کی نقل ذیل میں درج ہے:۔

"خدا اپنے فضل و کرم سے پورا کرے تو ارادہ یہ ہے کہ شائقین زبان عربی کیواسطے"

"صرف و نحو کے چھوٹے چھوٹے دو رسالے ایسے بنا دیجئے کہ انکو پڑھ کر عبارت عربی کو"

"صحت کے ساتھ پڑھ لینے پر بخوبی قادر ہو جائیں۔ یہ پہلا رسالہ ہے جس میں صرف کا بیان"

"ہے۔ بے شک اس کا پڑھنے والا صرف کا علامہ محقق تو نہیں ہو جائیگا مگر امید ہے کہ"

"جتنی باتیں ضروری و ربکار آمد ہیں وہ سب کو جانے۔ سب کو سمجھے اور سب کا برتاؤ کر سکے[1]"

"صرف و نحو عربی کا سامان جو کتب مروجہ میں ہے اسکو کافی اور وافی کہنا ایک طرح کی بے انصافی"

"ہے وہ کافی سے کہیں زیادہ اور وافی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مختصرات۔ مطولات منسوخ"

---

[1] الفاظ "برتاؤ کر سکے" ذرا کھٹکتے ہیں اگر بجائے ان کے الفاظ مطلب کو بر موقع برت سکے" یا سب کا بر موقع استعمال کر سکے" ہوتے تو ٹھیک معلوم ہوتا۔

"حواشی۔ تنبیہات، شروح، تعلیقات ملا کر بجائے خود ایک کتاب خانہ ہے جس کو"
"بالاستیعاب دیکھنے کے لیئے تمام عمر طبعی نہیں تو تمام عمر تحصیل بدقت وفا کرے"
"تو کرے۔ مصنفین کی طبع آزمائیوں نے صرف و نحو کو عضیات بنا دیا ہے کوئی اپنا ہی"
"تقدیر کا رستم ہو تو ان سے باہر نکلے۔ سچ ہے لڑکوں کا کھیل مینڈکوں کی موت"
"ہے۔ میں جو ہندیان عربی خوان کو دیکھتا ہوں تو اس ستارہ شناس کو یاد کرتا ہوں"
"جس کو منظور تھا کہ اجرام فلکی میں جو صنائع بدائع قدرت ہیں انکو دیکھے۔ مگر وہ دوربین"
"کے کیل پرزوں کی ساخت میں ایسا محو ہوا کہ آسمان کی طرف نظر بھر کر بھی نہ"
"دیکھ سکا۔ میں نے اس رسالہ کے جمع کرنے میں نہ تو کوئی نیا قاعدہ باندھا نہ کوئی"
"نیا مسئلہ ایجاد کیا۔ پھر کیا تو کیا کیا اتنا کیا کہ ع

"متاع نیک ہر دکاں کہ باشد"

"ادھر ادھر سے جوڑ بٹور کر مطالب کو اپنے طور پر مرتب کر دیا"

رسالہ رسم الخط نمبر (۱۴) کے دیباچہ کی نقل:۔

"میری تصنیف و تالیف کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب میرے اپنے بچے"
"تعلیم کے قابل ہوئے آخر آپ پڑھا تھا۔ پڑھایا تھا۔ سررشتہ تعلیم کی نوکری کے ذریعہ"
"پڑھنے پڑھانے کی نگرانی کی تھی۔ طریقہ تعلیم کے خلل اور کتابوں کے نقص مجھکو"
"ذرا ذرا معلوم تھے۔ آنکھوں دیکھے تو مکھی نگلی نہیں جاتی۔ میں نے آپ اپنے طور کی"
"کتابیں بنائیں اور آپ ہی پڑھائیں۔ تصنیف و تالیف کا اصلی محرک تو یہ تھا۔ بخت و"
"اتفاق سے کتابیں سرکار میں پیش ہو کر پسند اور لوگوں میں پھیل کر مقبول ہوئیں"
"خدا جانے میں اس بارہ میں کیا کچھ کرتا۔ اور کیسے کیسے منصوبے ذہن میں تھے۔ مگر"
"دیکھا تو لوگوں کو مطلق علم کا شوق نہیں اور یہ جو کچھ چرچا دیکھتے ہو نری دھوکے کی ٹٹی"
"ہے۔ آج سرکار نوکریوں سے امتحان کی قید اٹھا دے پھر دیکھئے کہ کالجوں اور سکولوں کی"
"کیسی بری گت ہوتی ہے۔ اپنا تجربہ تو یہ ہے کہ معاش کا انحصار نہ ہو تو لوگ علم کے"
"نام سے ٹھکرا بھی نہ توڑیں۔ میں نے علمی کتابیں بھی لکھ کر دیکھیں۔ مگر لوگوں کی بے رغبتی"

"وجہ سے کسی کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ الا ماشاء اللہ۔ میں نے اپنا قاعدہ"
"بنا رکھا ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں اُس کے رواج دینے کی مطلق کوشش نہیں کرتا ہوں"
"ایسا سمجھتا ہوں کہ میں کتاب کیا تصنیف کرتا ہوں گویا کنکوے بناتا ہوں۔ اگر اُن میں"
"پرواز کا مادہ ہے تو خود بخود اڑینگے ورنہ میں کہاں ان کے پیچھے دُم چھلے کی طرح"
"بندھا بندھا پھروں۔ اس بے اعتنائی پر بلکہ بے اعتنائی بھی نہیں حمیت اور خودداری"
"خدا کے فضل سے میری ساری کتابیں ایسی مقبول ہیں وَالحمدُ للہِ علیٰ ذٰلک"
"کہ دوسری دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوتی اور جگہ جگہ بار بار چھپتی چلی جاتی ہیں۔ گو علمی"
"کتابیں کہ جب سے تصنیف ہوئیں اینڈ پڑی ہیں۔ یہ رسالہ رسم الخط بھی ان ہی علمی"
"کتابوں میں ہے جنکو کسی فقیر کی بد دعا ہے کہ ہندوستانی ان سے فائدہ نہ اٹھائیں"۔

ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم صرف اُردو زبان کے ناثر ہی نہیں ہیں بلکہ اُردو کے اچھے خاصے ناظم بھی ہیں گو انہوں نے اپنے لئے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا اور شاید انہوں نے شاعر بننا یا شاعر کہلانا اپنی فضیلت علم کے منافی سمجھا ہو۔ لیکن اُن کے خطبات (لیکچرز) سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں نظم اردو کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے۔ علیگڑھ ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں انہوں نے جو پر اثر لیکچرز دئے ہیں ان میں اُنکی برمحل اور معنی خیز پیاری نظمیں بھی ہیں۔ ہم اس مقام پر اُس نظم کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں جو مرحوم نے اجلاس ہفتم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۸۹۲ء میں پڑھا تھا:۔

"مسلمانو اگر تم میں ہے کچھ فکر رسا باقی — تو بولو اٹھو کہ ہے اسلام کے قصے میں کیا باقی"
"شجاعت تھی تو وہ ہم سے گئی گزری ہوئی بالکل — نہ اب وہ ملک گیری ہے نہ وہ حرب و غزا باقی"
"نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے نہ چستی ہے نہ چالاکی — نہ زحمت اٹھانیکی نہ زور دست و پا باقی"
"خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیونکر تھی — کہ تاریخی کتابوں میں ہے جس کا تذکرہ باقی"
"یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاست ہائے اسلامی — جنھیں روئے زمیں پر دیکھتے ہو جا بجا باقی"
"مگر اس سطوت کبریٰ کی جیسے یادگاریں ہیں — مسافر جا چکا لیکن ہے اس کا نقش پا باقی"
"عروس ہزار زشت منظر ہوگئی ایسی — کہ جسمیں دلربائی کا رہا کوئی ادا باقی"

"وہ بوٹا سا قد رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا — خمیدہ ہو نے ہوتے رہ گئی پشت دوتا باقی"

"تغیر آ گیا نقش و نگار حسن میں یکسر — نہ وہ رنگ حنا قائم نہ چشم سرمہ سا باقی"

"ملا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی — نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی"[1]

"ٹرے مرتبہ تری ادنی بات پر انجام جو کچھ ہو — مزاجوں میں تہذیب داشت کا مطلق پتا باقی"

"زمین و آسمان کو اپنا دشمن کر لیا لڑ کر — رہا ہے یک تعصب نامناسب ناروا باقی"

"وہ بیمار قریب مرگ ہے اسلام واویلا — مسیحا کو نہیں ہے جسکی امید شفا باقی"

"مسیحا کون سے سیرۃ پکارے سب یہی کہتا ہو — صد و سی سال اسکو اور رکھیو اے خدا باقی"

"بھلا ہے یا برا یہ جانے اور اسکا خدا جانے — مگر ہے کون اسکی شان کا رتبے سوا باقی"

"عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا — قیامت کو بھی ہے ہونے وہ گئے کوئی فیصلہ باقی"

"یہی اک فرد اکمل ہے کہ جسکو دیکھکر جانا — ہماری ناؤ کا بارا ہے اتبک نا خدا باقی"[2]

"نہ ہووے کارگر گر لاکھ تدبیریں تو کیا پروا — ابھی سب سے بڑی بھاری ہے تدبیر دعا باقی"

"تصور میں پکڑ کر اپنے نانا جان کا دامن — خدا سے عرض کرنا قاضی الحاجات یا باقی"

"تباہی چھا رہی ہے تیرے پیغمبر کی امت پر — بجز تیرے کرم کے اب نہیں کچھ آسرا باقی"

"مسلمانوں کو ہمت قرن اولی کی عطا فرما — وقار عزت اسلام تا روز جزا باقی"

"ذرا ٹھیرا ے طبیعت کس بلا کی تیری آمد ہے — کوئی حد بھی ہے ان باتوں کی تا آخر کجا باقی"

"یہ جو کچھ سن چکے ہو ابتک تمہید مطلب تھی — ابھی ہے تیر میں کہنے کو اصل مدعا باقی"

فہرست تصنیفات فاضل اجل علامہ شبلی نعمانی مرحوم[3]

نمبر	نام کتاب	مضمون	تعداد صفحات
۱	سیرۃ النبی جلد اول تقطیع کلاں	سیرت ع*	۴۵۱
	ایضاً جلد دوم	"	۴۳۸
	ایضاً جلد سوم	"	۴۱۸

[1] یہاں سے اصل قطعہ کے سولہ شعر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔
[2] یہاں سے اصل قطعہ کے آٹھ شعر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔
[3] مصنف کی یہ آخری تصنیف ہے لیکن تبرکاً اسکو سب سے اول نمبر پر درج کیا گیا۔

ع* حاشیہ صفحہ (۱۱) پر ملاحظہ فرمایا جائے

نمبر	نام	کیفیت	صفحات
۲	الفاروق	سوانح عمری خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رض	۴۲۰
۳	سیرۃ النعمان	امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری	۱۸۰
۴	المامون	سوانح عمری خلیفہ عباسی مامون رشید	۲۷۰
۵	الغزالی	امام غزالی رح کی سوانح عمری	۲۷۶
۶	سوانح جلال الدین رومی	یعنی مولانا روم رح کی سوانح	۲۰۰
۷	مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم	تاریخ اسلامی مدارس وغیرہ کا بیان	۸۳
۸	شعر العجم تراجم شعرائے عجم	اور ان کے کلام پر ریویو حصۂ اول	۳۵۸
		حصۂ دوم	۳۰۲
		حصۂ سوم	۳۳۰
		حصۂ چہارم	۳۴۰
		حصۂ پنجم	۲۲۸
۹	عالمگیر پر ایک نظر	حالات شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب	۱۳۶
۱۰	بیان خسرو	خسرو رح کے مختصر حالات [ل]	۸۱
۱۱	زیب النسا	حالات زیب النساء بنت اورنگ زیب	۸۷
۱۲	جہانگیر اور تزک جہانگیری	شہنشاہ جہانگیر کے حالات	۲۸
۱۳	مدارس اسلامی	نام سے ظاہر ہے	۳۰
۱۴	الجزیہ	تحقیق جزیہ پر ایک مضمون	۱۳

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر (۱۰) علامہ شبلی مرحوم کے فارسی کلام منظوم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام طور پر اپنا تخلص شبلی لکھا کرتے ہیں لیکن انکی ایک نظم "برگ گل" کی ایک غزل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وہ اپنا تخلص تسنیم بھی کرتے تھے غزل

نگاہے بر من مسکیں خدا را ؎ کہ گاہے شاہ بنوازد گدا را

فغاں کز ہجر تاب و صبر و آرام ؎ غمت نگزاشت در دل ہیچ جا را

نہ یاد آری گہے از خستۂ خویش ؎ فرامش ساختی حرف وفا را

سخن را رہ نباشد در دہانت ؎ زتنگی ہمچو در غنچہ صبا را

کجا در بارگاہش راہ بخشند ؎ چو تسنیم غریب بے نوا را

صفحہ ۱۲ نظم مذکور۔ مگر انکی ایک نظم "بوئے گل" سے ظاہر ہوتا ہے وہ کبھی اپنا تخلص صرف نعمانی بھی لکھتے ہیں اور کبھی شبلی نعمانی بھی:۔ سلام شوق دنلفا زبندہ نعمانی۔۔ بہ ما کنان وارد دگاں اگاں برسان صفحہ (۵)۔ ہم رفیض شبلی نعمانی است، انیکہ در ہر شیوہ یکتا بودہ ام صفحہ ۱۱

[ل] چونکہ یہ رسالہ شعر العجم میں داخل ہے اسلئے اسکے صفحات اضافہ تعداد تصنیف میں قابل حذف ہیں مگر بوجہ اسکے کہ علیحدہ چھپ چکا ہے تعداد تصانیف میں شمار کیا گیا۔ ۱۲

نمبر	نام کتاب	کیفیت	صفحات
۱۵	کتب خانہ اسکندریہ	عیسائیوں کے اعتراض کا الزامی اور مسکت جواب کہ کتبخانہ اسکندریہ کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ عیسائیوں نے جلایا۔	۸۰
۱۶	مقالات شبلی	متفرق مضامین کا مجموعہ	۲۲۲
۱۷	مجموعہ کلام شبلی		۱۲۰
۱۸	مکاتیب شبلی	جلد اول — مکتوبات و خطوط	۳۴۰
۱۹		جلد دوم	۲۹۴
۲۰	مثنوی صبح امید		۲۹
۲۱	علم الکلام	علم کلام کی تاریخ	۳۱۱
۲۲	الکلام	بہ شرح صدر	۲۰۴
۲۳	کلیات شبلی فارسی	یہ سب شبلی مرحوم کا فارسی منظوم کلام ہے تعداد تصانیف میں ان کا شمار تو ہوسکتا ہے لیکن مضمون زیر بحث میں ان کا کوئی اعتنا نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے کہ یہ مضمون اردو زبان سے متعلق ہے اور چونکہ یہ کتابیں فارسی ادب کی ہیں تو اردو ادب سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔	۱۲۴
۲۴	مجموعہ نظم شبلی		۷۲
۲۵	برگ گل		۲۶
۲۶	دستہ گل		۲۵
۲۷	بوئے گل		۲۴
۲۸	سفرنامہ روم و شام و مصر	شبلی مرحوم کی سیاحت کے حالات خود انہیں کے قلم سے	۲۱۶
۲۹	موازنہ انیس و دبیر	انیس و دبیر کی شاعری پر محققانہ تنقید و تبصرہ تقطیع کلاں۔	۲۸۵
۳۰	رسائل شبلی	اس میں حسب ذیل ۱۱ رسالہ ہیں۔ (۱) اسلامی حکومتیں اور شفاخانے (۲) اسلامی کتب خانہ (۳) حقوق الذمیین (۴) الجزیہ (۵) کگنیکس اور مسلمان (۶) خطبہ ندوہ (۷) النظر فی السفر الی الموتمر (۸) کتب خانہ اسکندریہ (۹) تراجم (۱۰) اسلامی مدارس اور دار العلوم (۱۱) قدیم تعلیم	۴۱۵

فہرست صدر کی تصنیفات نمبر ۷ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵۔ جو "رسائل شبلی" میں داخل ہیں خارج سمجھنی چاہئیں ورنہ مکرر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

فہرست صدر کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ علامہ مرحوم کی تصانیف اور ان کے صفحات کی تعداد بہ نسبت اُن محترم افراد کی تصانیف کے جنکے اُردو ادب پر یہ محاکمہ کیا جا رہا ہے بہت زیادہ ہے۔ چونکہ ہم ان کی نثر پر اپنے مضمون کے دوسرے حصہ میں کسیقدر تفصیل سے نظر ڈالیں گے اسلئے اس مقام پر اُن کتابوں کی نثر کے نمونہ درج کرنا اِس خیال سے غیر ضروری سمجھتے ہیں کہ تکریر نہو جائے۔

فہرست تصانیف شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد

نمبر	نام کتاب	مضمون	تعداد صفحات
۱	آب حیات	تذکرہ شعراء اُردو	۵۶۸
۲	دیوان ذوق	دیوان ذوق کی ترتیب اسطرح پر کی ہے کہ شرح کا لطف آتا ہے	۴۰۴
۳	دربار اکبری	شہنشاہ اکبر اور اسکے دربار کے نورتن اور اسکے عہد کے نامور ذی علم وغیرہم کے حالات	۸۶۰
۴	سیر ایران	سفر ایران کے حالات	۱۹۲
۵	نیرنگ خیال	حصہ اول، حصہ دوم } مختلف مضامین نثر اور نظم	۲۲۶
۶	سخندان فارس	زبان فارسی کی تحقیق علم لسان کے اصول پر اور اسکی عہد بعہد کی ترقیاں۔	۴۲۴
۷	نگارستان فارس		۲۳۶
۸	جانورستان	جانوروں کا بیان اور اُن کے رکھ رکھاؤ کے طور طریقے	۸۰
۹	کائنات عرب	عرب کے حالات	

۱۰	تاریخی پھول		
۱۱	نصیحت کا کرن پھول		۱۱۰
۱۲	بیاض آزاد	نظم اردو	۱۶۳
۱۳	نظم آزاد	ایضاً	۱۳۶
۱۴	تذکرۂ علماء	علما کے حالات	۷۲
۱۵	مجموعہ مکتوبات آزاد	مکاتیب و مراسلات	۲۲۶
۱۶	لغت آزاد	مختصر طور پر لغات اردو کا بیان	۱۶۸
۱۷	ڈرامہ اکبر	فارسی ڈرامہ	۱۵۰
۱۸	جامع القواعد	صرف و نحو فارسی بزبان اردو	۲۹۶
۱۹	سلسلہ تعلیم اردو	اس سلسلہ کے متعدد نمبر ہیں. اردو کی ابتدائی تعلیم پر معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ محمد حسین آزاد ہی کا لکھا ہوا ہے اور ان کی زبان کا اندازہ بھی یہی کہتا ہے کہ یہ انہیں کی تالیف و تصنیف ہے۔ اس سلسلہ کے تقریباً تین چار سو صفحات ہونگے۔	۴۰۰
۲۰	آموزگار فارسی	صرف زبان فارسی جدید سے متعلق ہے اسلئے ہماری پیش نظر غرض سے خارج ہے۔	۱۱۰
۲۱	قند پارسی	بہ شرح صدر	۲۲۰
۲۲	سپاک و نماک		۸۸
	جملہ		۵۱۲۹

اب ہم ذیل میں مصنف کی مذکورۂ بالا کتب میں سے بعض بعض کی عبارتوں کی نقلیں کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اُنکو زبان اردو پر کسقدر قدرت ہے اور عبارت کیسی صاف و سلیس ہے اور اوسکے چھوٹے چھوٹے فقرے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا مرصع کاری کیگئی ہے۔

نمونہ عبارت آبِ حیات نمبر ۱ مختلف مقامات سے ۔ دیباچہ صفحہ ۱

"آزاد ہندی نہاد کے بزرگ فارسی کو اپنی تیغ زبان کا جوہر جانتے تھے مگر تخمیناً سو برس"
"سے کل خاندان کی زبان اردو ہے ۔ بزرگوں سے لیکر آجتک زبانوں کی تحقیقات میں"
"کمال سرگرمی اور جستجو رہی ۔ اب چند سال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی زبان ترقی کے"
"قدم آگے بڑھا رہی ہے ۔ یہانتک کہ علمی زبانوں کے عمل میں دخل پیدا کر لیا ۔ اور عنقریب"
" بارگاہ علم میں کسی مرتبہ خاص کی کرسی پر جلوس کیا چاہتی ہے ۔ ایک دن اسی خیال میں تھا"
"اور دیکھ رہا تھا کہ کس طرح اس نے ظہور پکڑا ۔ کس طرح قدم بقدم آگے بڑھی ۔ کس طرح"
" عہد بعہد اس درجہ تک پہنچی ۔ تعجب ہوا کہ ایک بچہ شاہجہانی بازار میں پھرتا ہے شعرا"
"اُسے اٹھالیں ۔ اور ملک سخن میں پال کر پرورش کریں ۔ انجام کو یہانتک نوبت آئی"
"کہ وہی ملک کی تصنیف و تالیف پر قابض ہو جائے الخ"

زبان اُردو کی تاریخ صفحہ (۶)

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور"
"اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے ۔ لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے"
"پردہ پر ہندوستان کے ساتھ آئی ہو ۔ اسکی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں ہے اور"
"برج کا سبزہ زار اس کا وطن ہے ۔ تم خیال کروگے کہ شاید اس میراث قدیمی کی نہ"
"سنسکرت کے پاس ہوگی اور وہ بیج ہوگا کہ یہیں پھوٹا ہوگا اور یہیں پھلا پھولا ہوگا"
"لیکن نہیں ابھی سراغ آگے چلتا ہے ۔ سب جانتے ہیں کہ ہندوستان اگرچہ بے ہمتی"
"اور آرام طلبی کے سبب سے بدنام رہا مگر باوجود اسکے مہذب قوموں کی آنکھوں میں ہمیشہ"
"سے کھبا رہا ہے ۔ چنانچہ اسکی سرسبزی اور زرخیزی اور اعتدال ہوا نے بلائے جان ہوکر"
"ہمیشہ اسے غیر قوموں کی گھڑ دوڑ کا میدان بنا رکھا ہے ۔ پس دانائے فرنگ کہ ہر بات کا"
"پتا پتال تک نکال لینے والے ہیں انہوں نے زبانوں اور قدیمی نشانوں سے ثابت کیا"
"ہے کہ یہاں کے اصلی باشندے اور لوگ تھے الخ"

نظم اُردو کی تاریخ صفحہ (۶۸)

"فلاسفہ یونان کہتے ہیں شعر خیالی باتیں ہیں جنکو واقعیت اور اصلیت سے تعلق نہیں"
"قدرتی موجودات یا اسکے واقعات کو دیکھ کر جو خیالات شاعر کے دل میں پیدا ہوتے"
"ہیں۔ وہ اپنے مطلب کے موقع پر موزوں کر دیتا ہے۔ اس خیال کو سچ کی پابندی نہیں"
"ہوتی۔ جب صبح کا نور ظہور دیکھتا ہے تو کبھی کہتا ہے۔ دیگ مشرق سے دودھ ابلنے لگا"
"کبھی کہتا ہے دریائے سیماب موج مارنے لگا۔ کوئی مشرق سے کافور اڑاتا آتا ہے"
"صبح تباشیر بکھیرتی آتی ہے۔ یا مثلاً سورج نکلا۔ اور کرن اس میں بھی نہیں پیدا ہوئے"
"وہ کہتا ہے۔ سنہری گنبد ہوا میں اچھالی ہے۔ صبح طلائی تھال سر پر دھرے آتی ہے۔"
"کبھی مرغان سحر کا غل۔ اور عالم نور کا جلوہ آفتاب کی چمک دمک۔ اور شعاعوں کا"
"خیال کر کے صبح کی دھوم دھام دکھاتا ہے۔ اور کہتا ہے بادشاہ مشرق سبز خنگ فلک"
"سوار۔ تاج مرصع سر پر رکھے۔ کرن کا نیزہ لئے مشرق سے نمودار ہوا۔ شام کو شفق کی"
"بہار دیکھتا ہے تو کہتا ہے۔ مغرب کے چھپر کھٹ میں آفتاب نے آرام کیا۔ اور"
"شنگرفی چادر تان کر سو رہا۔ کبھی کہتا ہے جام فلک خون سے چھلک رہا ہے۔"
"نہیں مغرب کے ایوان میں آگ لگ گئی" الخ

شمس ولی کا حال صفحہ (۸۸)

"یہ نظم اردو کی نسل کا آدم جب ملک عدم سے چلا تو اسکے سر پر اولیت کا تاج رکھا گیا"
"جس میں وقت کے محاورہ نے اپنے جواہرات خرچ کئے۔ اور مضامین کی رائج الوقت"
"دستکاری سے میناکاری کی۔ جب کشور وجود میں پہونچا تو ایوان مشاعرہ کے"
"صدر میں اس کا تخت سجایا گیا۔ شہرت عام نے جو اسکے نقائے نام کا ایوان بنایا ہے"
"اسکی بلندی اور مضبوطی کو ذرا دیکھو اور جو کتابے لکھے انہیں پڑھو۔ دنیا تین سو برس"
"دور نکل آئی ہے۔ مگر وہ آجتک سامنے نظر آتے ہیں اور صاف پڑھے جاتے ہیں اس زمانہ تک"
"اردو میں متفرق شعر ہوتے تھے ولی اللہ کی برکت نے ملک سے وہ زور بخشا کہ آج ہند کی"
"شاعری نظم فارسی سے ایک قدم پیچھے نہیں تمام بحریں فارسی کی اردو میں لائے شعر کو غزل"

"اور غزل کو قافیہ و ردیف سے سجایا۔ ردیف وار دیوان بنایا۔ ساتھ اس کے رباعی"
"قطعہ۔ مخمس اور مثنوی کارستہ بھی نکالا۔ انہیں ہندوستان کی نظم میں وہی رتبہ"
"ہے۔ جو انگریزی کی نظم میں چاسر[1] شاعر کو اور فارسی میں رودکی کو اور عربی میں مہلہل کو"
"وہ کسی کے شاگرد نہ تھے اور ثبوت ہے فصیح عرب کے قول کا کہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن آہ"

"دیوان ذوق مرتبہ محمد حسین آزاد سے ایک دو مختصر عبارتوں کا نمونہ صفحہ (۱)

"یہ علم سینے کی روحیں ہیں کہ الفاظ کی دنیا میں اتری تھیں۔ ذوق شوق کے وفد"
"تھے کہ دلوں کو آگاہ کر گئے۔ استاد مرحوم یہ حسرت ساتھ لے گئے۔ والد میرے"
"شہید آرزو ہونے میں بڑھا ہوگیا۔ اب خطرہ ہے کہ امانت رہے۔ اور آزاد کو مسافر خانے"
"سے کوچ کا حکم آجائے ان کے کلام کی ترتیب آسان کام نہیں۔ صدہا شعر ہیں کہ لوگوں کے"
"پاس کچھ لکھے تھے۔ دیوان مروجہ میں کچھ چھپے۔ اور انکی زبان سے کبھی کچھ سنے"
"کبھی کچھ سنے پھٹے پرانے مسودہ لڑکپن سے بڑھاپے تک کی یادگار رہیں والد مرحوم کی"
"ہاتھ کی بہت تحریریں ہیں۔ بہت کچھ میری قسمت کے نوشتے ہیں۔ کہ حاضر و غائب"
"لکھتا اور جمع کرتا تھا۔ کٹے پھٹے اشعار کا پڑھنا مٹے حرفوں کا اجالنا۔ انکے"
"خیالات کو سمیٹنا حالتوں کا تصور باندھنا۔ بھولے بھولے الفاظ و مطالب کو"
"سوچ سوچ کر نکالنا میرا کام نہ تھا۔ خدا کی مدد اور پاک روحوں کی برکت شامل حال تھی"

دیوان مذکور سے صفحہ (۲۱) کی چند سطریں۔

"فرماتے تھے کہ میں نے ساڑھے سات دیوان اساتذۂ سلف کے دیکھے اور ان کا خلاصہ"
"کیا۔ خان آرزو کی تصنیفات۔ ٹیک چند بہار کی تحقیقات اور اس قسم کی کتابیں گویا زبانی"
"تھیں۔ گو مجھے اس کا تعجب نہیں مگر شعرائے عجم کے ہزاروں شعر انہیں از بر تھے تو مجھے"
"تعجب نہیں کہ فقط اسی وقت جس قدر تم سے وہ شعر سند میں دیتے تھے مجھے اس کا بھی"
"خیال نہیں۔ کیونکہ جس فن کو وہ لئے بیٹھے تھے۔ یہ سب اس کے لوازمات ہیں۔ ہاں تعجب"
"یہ ہے کہ تاریخ کا ذکر آئے تو وہ ایک صاحب نظر مورخ تھے۔ تفسیر کا ذکر آئے تو ایسا معلوم"

[1] چاسر ۱۳۲۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۴۰۰ء میں مرگیا اُسوقت یہاں ... خاندان کا دور ہوگا۔

”ہوتا تھا گویا تفسیر کبیر دیکھ کر لکھے ہیں خصوصاً تصوف میں ایک عالم خاص تھا کہ جب“
”تقریر کرتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ شبلی ہیں۔ یا بایزید بسطامی بول رہے ہیں۔“
”وحدت وجود اور وحدت شہود میں علم اشراق کا پرتو دیکر کبھی ابوسعید ابوالخیر بنتے کبھی“
”محی الدین عربی۔ پھر جو کہتے تھے۔ ایسی کانٹے کی تول کہتے تھے کہ دل پر نقش ہو جاتا تھا“
”اور جو کچھ اُن سے سن لیا ہے۔ آجتک دل پر نقش ہے۔ رمل و نجوم کا ذکر آئے تو وہ نجومی“
”تھے۔ خواب کی تعبیر میں انھیں خدا نے ایک ملکہ راسخہ دیا تھا۔ اور لطف یہ کہ احکام“
”اکثر مطابق واقع ہوتے تھے۔ اگرچہ مجھے اسقدر وسعت نظر بہم پہونچانے کا بڑا تعجب ہے“
”مگر اس سے بڑا تعجب یہ ہے کہ اُن کے حافظہ میں اس قدر مضامین محفوظ کیونکر رہے۔ علم طب کو“
”خوب حاصل کیا مگر کام نہ کیا۔ خوف آتا کہ ایسا نہو بے پروائی سے کسی کا خون ہو جائے الخ“

نیرنگ خیال نمبر ۵ مندرجہ فہرست مصنفات آزاد جس میں متعدد علمی مضامین اور ایک مختصر سی نظم ہے اُس سے بھی ایک مختصر سا حصّہ (چند بندوں کا) نقل کیا جاتا ہے جس سے آزاد کی شاعری کا رنگ اور کلام کی خوبی اور فصاحت کا اندازہ ہوسکیگا صفحہ (۲۰۸)

شام کی آمد اور رات کی کیفیت

”اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو — عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو“
”ہیں روز و شب زمانہ کے ہمہم قدم ترے — پیمانہ محنتوں کے یہ ہیں بیش و کم ترے“
”کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے — اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے“
”ہوتا زمانہ بسکہ ہے وابستہ شام سے — اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے“

”دامان کوہسار میں اب جا کے سو رہو“
”دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو“

”اے دوست تیرا حکم تھا جاری جہان میں — اور روشنی تھی عام زمین آسمان میں“
”جو کچھ کہ تھے سفید و سیاہ آشکار تھے — جاری سب اپنی اپنی جگہ کاروبار تھے“
”دولاب چرخ پر مگر اپنا مدار ہے — چلتا اسی پہ دورِ خزان و بہار ہے“

"دن ہے خدا نے ہم کو دیا کام کیلئے　　اور رات کو بنایا ہے آرام کیلئے"

"رخصت ہو تو کہ آتی شب مشک ریز ہے"
"پھر صبح اٹھ کے چلنا گریزا گریز ہے۔"

"آ اے شب سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو　　عالم میں شاہزادی مشکیں نسب ہے تو"
"آمد کی تیری شان تو زیب رقم کروں　　پر اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں"
"ہونا وہ بعد شام شفق میں عیاں ترا　　اڑنا وہ آبنوس کا تخت رواں ترا"
"تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں　　لہرانا پرنیان و حریر سیاہ میں"
"چمکیگا لشکر اب جو ترا آسمان پر　　فرمان نشان میں یہ اڑیگا جہان پر"

"تا صبح ہووے کارگہ روزگار بند"
"آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند"

"اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے　　ہر گوہر اس میں ملک حبش کا خراج ہے"
"لکھتا ہوں سب حساب پڑھا جاتا کچھ نہیں　　ایسا سیاہ ہے کہ نظر آتا کچھ نہیں"

"اس رنگ پر دکھا رہی کیا آب و تاب ہے"
"تیرا چمکتا چہرہ سیہ آفتاب ہے"

"عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی　　ہاتھوں سے مشک اڑاتی ہے عنبر بکھیرتی"
"دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم　　کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم"
"روی زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں　　اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں"
"بجلی ہنسے تو رخ ترا دیتا بہار ہے　　شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے"

"سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر"
"پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر"

"چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے　　اسوقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے"
"خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی　　اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی"
"سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر　　ماہی بزیر آب ہے طائر درخت پر"

"ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے — دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے"

"گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی — چوکا ہے جس کے راہزن نابکار بھی"

"القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے — عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے"

"بچہ کہ ماں کی گود میں ہے بلکہ پیٹ میں — سب آ گئے ہیں نیند کی اس عام لپیٹ میں"

"جس کو پکارو وہ سوئے خواب عدم گیا"

"دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا"

"وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر — بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر"

"کھوئے ہوئے ہے شفق کا نشان زرق برق — رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے"

"اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے — سکہ ہے اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے"

"محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا"

"چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا"

"مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پیستے ہیں — اور پانوں تک سروں کے پسینے بہاتے ہیں"

"بارِ گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں — جب پیار سے شام کے گھر میں آئے ہیں"

"اے شب تمام دن کی مصیبت ہے ہار کے"

"تیرے عمل میں پانوں ہیں سب نے پسار کے"

"آزاد آفریں ترے طرز زبان کو — پر کروٹ اب ہے رات نے دی آسمان کو"

"سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پیے ہوئے"

"کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے"

"وقت سحر قریب ہے اللہ کا نام لے" الخ

نمبر (۲۲) سپاک و نماک۔ یہ کتاب بڑی دلچسپ ہے۔ لیکن یہ ایسے وقت اور ایسی حالت میں لکھی گئی ہے جبکہ مصنف پہ پریشان خاطری کی حالت طاری ہو چکی تھی لیکن

کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسی حالت میں بھی مصنف کی دماغی قابلیت دیکھنے اور داد دینے کے قابل ہے۔

اس کتاب اور مصنف کی اُس دماغی کیفیت کا کسیقدر تفصیلی حال مُصنف کے لائق اور سپاس گزار اور سچے معتقد شاگرد سید ممتاز علی مالک مطبع رفاہ عام لاہور مورخہ غرہ محرم ۱۳۱۵ھ کے دیباچہ سے ظاہر ہوگا جو انہوں نے کتاب کے شروع میں لکھا ہے۔ ہم اس دیباچہ کی پوری نقل اس مقام پر درج کرنا دلچسپی اور موزونیت سے خالی نہیں سمجھتے۔ اور اسکے بعد اصل کتاب سپاک اور نماک سے ایک دو مختصر فصلیں لکھینگے۔

دیباچہ (صفحہ ۱ تا ۳)

"سر روحانیاں داری وے خود را ندیدستی"
"بخواب خود درا تا قبلۂ روحانیاں بینی"

"اگرچہ اب اردو کے آسمان کا سورج گہنا گیا۔ مگر اسکی کمزور اور دھندلی شعاعیں بھی تاریے کی کرن ہوکر چمکتی ہیں۔ آزاد کا دماغ گو پریشان ہوگیا۔ مگر وہ پریشانی بھی اس اوراق پریشان کی ادا رکھتی ہے جو بگڑنے میں بھی بناکی۔ استاذی شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اس آشفتہ خاطری کی حالت میں بھی چار رسالے لکھے ہیں۔ اول سپاک، دوم نماک، سوم شعارتہ۔ چہارم شنناک، ان رسائل میں سے صرف دو رسالے ہمارے ہاتھ آئے ہیں یہ رسالے کیا ہیں فلسفہ الہیات کے غوامض و دقائق کا ملغوبہ ہیں دماغ کی جو حالت ہے یہ توکب توقع ہوسکتی ہے کہ یہ رسائل عوام کیلئے مفید و کارآمد ہوں۔ مگر ہاں عجائب و غرائب قلبی پر غور کرنے والوں کیلئے یہ نوشتہ بے انتہا دلچسپ اور پر عبرت چیز ہیں ہرچند کہ ان نوشتوں کے بعض مقامات میں کلام کو ربط دینا اور مضامین میں ترتیب ذہنی کا معلوم کرنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن زیادہ غور کے قابل یہ بات ہے کہ اس غلط مضامین کی وجہ قوائے دماغی کی عام بے اعتدالی نہیں ہے بلکہ جوش طبیعت اور وفور مضامین ہے کہ دریا کی طرح اُمڈا آتا ہے اور ترتیب کو اُلٹ پلٹ کرڈالتا ہے"

"ایک خیال کو قلم یا زبان ادا نہیں کر سکتی کہ دوسرا خیال آگے بڑھنا چاہتا ہے پس اگر"
"کچھ جنون ہے تو صرف یہ ہے کہ خیالات کی ایک دھکا پیل ہے۔"

"میں نے چاہا تھا کہ چاروں رسالے چھپ جائیں مگر پھر سوچا کہ اس زمانہ میں"
"بڑے بڑے داناؤں کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں تو جس شخص کو لوگ دیوانہ کہتے ہیں"
"اس کی بات کی طرف بھلا کون التفات کریگا۔ بایں ہمہ اُن کے اس کمترین شاگردان"
"سے نہ رہا گیا۔ اور دو رسالے جو مجھی اور برادرم آغا محمد ابراہیم صاحب مترجم چیف کورٹ"
"پنجاب خلف الصدق جناب مولانا آزاد کی مہربانی سے ہاتھ آئے تھے جس طرح بن پڑا"
"چھاپ ہی دیئے۔ اگر حقیقت شناسوں نے انھیں ادب کے ہاتھوں پر لیا اور"
"قدر کی نگاہ سے دیکھا تو باقی کے دو رسالوں کی بھی فکر کیجائیگی۔"

"ان رسالوں کی تحریر میں بے انتہا احتیاط کیگئی ہے یہاں تک کہ الفاظ کی"
"رسم خط خفی و جلی کا فرق۔ الفاظ کا فاصلہ۔ بین السطور۔ بعض حواشی کی"
"عبارت کا سیدھا یا ترچھا انداز تحریر۔ فہرست مضامین۔ عنوان فصول۔ یہ سب باتیں"
"نقل کا اصل ہیں اور محض اس لیئے قائم رکھی گئی ہیں کہ یہ سب باتیں مصنف کی حالت دماغی"
"روشنی ڈالنے میں مدد دیتی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بوجہ عجلت سپاک و نماک کا ضمیمہ جو ان رسائل کے ساتھ"
"ملحق تھا ان کے ساتھ نہیں چھاپ سکا۔ اگر ان رسالوں کی بے قدری نہوئی تو انشاءاللہ"
"وہ بھی طبع ہو کر نذر ناظرین ہوگا۔ آزاد ؎"

"دل ہے یہ اد تو بڑھا میرا دیوان چاہیئے"
جس پر مضمون ہے اگر سیر پرستاں چاہیئے"

"خاکسار سید ممتاز علی۔ مالک مطبع رفاہ عام لاہور"

"مورخہ یکم محرم الحرام ۱۳۲۱ ہجری"

از رسالہ سپاک:-

" پہلا اتصال ستیادتا" صفحہ (۷ تا ۱۰)

" ہم جانتے ہیں اور جو کچھ جانتے ہیں بتائیں گے۔"

" فلسفہ وہ علم ہے کہ جس سے ہم حقائق موجودات کو اُس اصلیت پر معلوم کریں"
" جو کہ اُدھر ہے اور جو ادھر ہے اس کو اس کا پرتو دیکھیں پس یہی ہے فلسفہ۔"

" ہیولی۔ ایک قدرت خدا ہے کہ جس کو دیکھتے نہیں مگر وہ ہے۔ اور وہی ہے"
" کہ ہر جسم کو مادہ جسمانیۃ کا دیتا ہے۔ ہم سب اسی سے بنتے ہیں۔ وہ ہر جگہ ہے اور ہر"
" شے کو اُسی کے حسب حال مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ مادہ مہیا ہو جاتا ہے"
" کہ آئے جسمیتہ میں تو ہیولائے اولیٰ ہوتا ہے۔ جب ادھر آ جاتا ہے تو جسم ہوتا ہے"
" یہ ہیولی کی ترقی ادھر۔ اور ادھر سے اُدھر کو جائیں تو برعکس وہ ہو جائیگا ہیولیت"
" میں فرمایا یزدان پاک نے کہ ہم ہیں قدرۃ۔"

" صورۃ وہ کیفیت ہے کہ لاحق ہوتی ہے ہیولائے اولی کو۔ جب تک نہیں لاحق"
" ہوئی تو وہ صورتا ہے۔ وہ ہے ہماری قدرۃ۔ جب لاحق ہوئی تو صورت ہو گئی"
" پھر بھی قدرت سے باہر نہیں۔ اور لحوق ہمارے حکم میں ہے۔ جب چاہتے ہیں"
" بدلتے ہیں۔ اور اسکو عرض کہتے ہیں لحوق سے پہلے۔ یہ اور ہیولی دونوں جوہر"
ہوتے ہیں۔"

" ہم جو کچھ کہتے ہیں وہی لکھا جاتا ہے اور جب چاہتے ہیں ملتوی کر دیتے ہیں"

" ہم ہیولی اور صورۃ سے مرکب کر کے جسم کہتے ہیں۔ جب تک ظہور نہیں دیا جسمیتہ ہے"
" جب ظہور دیا تو جسمیتہ سے جسم میں آگیا یہ جسم محدود ہے۔ یہ اگر قدرتی ہے تو جسم طبعی"
" ہے تمہاری ضرورۃ اس ہی سے جو چاہے تراش لے۔ یا ہیولائے وضعی کر کے جو"
" چاہے بنالے اُسے جعل کہتے ہیں۔ ہیولائے وضعی علۃ مادی تمہاری شے مجعول کا"
" ہوتا ہے۔ دیکھو یہاں سے کئی علتیں تمہاری شے مجعول کے لئے واجب ہوئیں۔"

" دوسری علۃ۔ علۃ جاعل۔ تم ہو جاعل اپنی شے مجعول کے کہ اپنی ضرورت کے"

"پھر جب قدرۃ میں لانے ہو۔ تیسری صورت ہے۔ اسے بھی علۃ کہتے ہیں۔"
"وضع پذیر ہوتی ہے۔ اسے علۃ نہیں سمجھو یہ اثر جاعل کا ہے۔ یونان کو جب ہم نے"
"فلسفہ دیا تو اسے علۃ نہیں کہا تھا۔ تیسری معلول قدرۃ کہا تھا۔ دیکھیں گے عرب میں"
"علۃ ہو جائیگی۔ یہ ہماری قدرۃ کا ظہور ہوگا جب کہ آج سے ۱۱۱۰ برس گزر جائینگے"
"دیکھ ابراہیم زرتشت تو نہ ہوگا۔ تیری امۃ کے لوگ تجھے مانینگے اور باوجود اس کے"
"فلسفہ کو بھول جائینگے۔ ہم ان سے پہلے ایمان اٹھالیں گے۔ انہیں خبر نہ ہوگی کہینگے"
"ہم بمقتضائے عقل کام کرتے ہیں۔ اس میں اپنی ہوس و ہوا کو زور مند کریں گے"
"کہ جو چاہتے تھے وہی ہوگا۔ ایزد اجمرد اپر سلطنۃ کا انجام تباہی ہو کے نابود ہوگا"
"وہ فلسفہ کہ ہاتھا تھا اور نہ مانتے تھے بھسم ہوگئے۔ یہی تھا ہمارا فلسفہ ہم نے کردیا"
"علوم کی کتابیں سب بھسم ہوگئیں۔ یہی ایک کتاب تیرے ہاتھ کی رہیگی۔ پروفیسر"
"آزاد کا جیتا کہیں سے پائیگا۔ وہ اسے دیکھ کر روئیگا اور کہیگا۔ ہائے میرے باپ کے"
"سو وے بھی یونہی پائینگے۔ ہم کہیں گے بے جا اس کتاب کو دے شاہ کو۔ وہ ہوگا قاجار"
"نام ہوگا نادر وہ دیکھ کر حیرت کرے گا۔ اور کہے گا۔ اللہ زرتشت کی کتاب اور میرے پاس"
"ہم کہیں گے اسے پڑھے کون؟ وہ کہیگا یا اللہ تو ہی دے۔ ہم کہیں گے۔ دیں گے"
"ہم پروفیسر آزاد کو اسی کی زبان میں۔ وہ دیگا اوسے کو۔ ہمارا نا آوے پری کا۔ یہ"
"کتاب کسے پہونچیگی۔ جبکہ وہ ہوگا تو پھر بس۔ ہم اسے ختم کریں گے اگر چاہے تو تین"
"دن میں۔ وہ جب لکھیگا بیٹھیگے۔ ہوا چل رہی ہے ہم اسے اور کام دے دے کر کچھ دن"
"بڑھائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارا نا لو ہر میں آجائیں گے۔"

"اب ہم فلسفہ علم میں لاتے ہیں"

"جسم جبکہ جسمیۃ میں آتا ہے تو اس میں ایک خودی پیدا ہوتی ہے۔ اسے ہم نے نفس"
"کہا ہے۔ نفس شئے کی شیئیۃ ہے۔ جہاں یہ ہے نفس ہے۔ نفس شئے کو ہمارے"
"علم سے باہر لاتا ہے۔ تم شئے ہو۔ تم بھی خودی میں ہو۔ جو خودی میں آئے ہم سے غیر ہو"

"ہم میں پھر ہونا چاہیے تو چاہیے کہ ہماری طرف اور ہماری طرف اور ہماری طرف ہو نتب"
"وہ ہم میں ہوگا۔ نیست نیست ہو جائینگے ہم اُس میں۔ وہ ہم سے علم لیگا۔ ہم دیں گے"
"وہ جو کچھ پوچھیگا پائیگا اپنے میں۔ وہ اس وقت ہوگا کلیتہ میں کلیتہ عالم ہے۔ وہاں جو"
"فرد جزئی کی ہے کلیتہ طبیعتہ سے اُسے باہر لاتی ہے۔ اور جس فرد کو سوچے اپنے میں"
"شہود پاتی ہے"

از کتاب نماکت۔ صفحہ (۴۷)

فہرست مطالب کتاب نماک حسب ذیل ہے۔

(۱) حضوری۔ صفحہ ۴۷۔ (۲) عہدنامہ ارجاسپ صفحہ ۵۱۔ (۳) نخست صفحہ ۵۳۔ (۴) پہلا انصال عقل صفحہ ۵۹۔ (۵) انصال دوسرا عقل انسانی صفحہ ۶۲ (۶) انصال تیسرا النفس (۷) انصال چوتھا طبیعات (۸) انصال پانچواں ارمے اما صفحہ ۸۲۔

"عہدنامہ ہے ارجاسپ ابن جاماسپ کی طرف سے" صفحہ ۵۱۔

"حضرت الہیتہ ہیں کہ حرمنہ اور ریرکنہ ہیں واجب الوجود"
حضرت الہیتہ تو
"اُسکے۔ اور خود ہے۔ واجب الوجود۔ اسی واسطے ہے خدا"

"میں کہ ہوں اجاسپ ابن جاماسپ۔ ہوں وزیر شہنشاہ گشتاسپ کا اور بیٹا ہوں"
"وزیر کا۔ اور پوتا ہوں اُس وزیر کا کہ بیٹا تھا وزیر کا۔ اسی طرح نو پشت تک میں ہوں"
"اب تک اپنے منصب پر۔ اور ہر کام میں ہوں خود اختیار۔ باوجود اسکے دیکھتا ہوں کہ"
"جو حکم میرا خاور سے نختر تک بوے گلاب ہو کر چلتا تھا۔ اب بوے گل کی طرح مجھ میں ہے"
"حیرۃ۔ کہ یہ کیا ہوا؟ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ میں عالموں سے وہ کہتے ہیں ہم کیا کریں سلط"
"بادشاہ کا حکم پہونچتا ہے کہ نہونے پائے۔ ہم چپ ہو جاتے ہیں۔ عمل نہیں بر آمد ہوتا"
"میں نے غور کیا۔ پادشاہ کے دل میں میری طرف سے گمان ہے۔ وہ رو میں تنی اسفندیار کی"
"اے یزدان پاک جو مجھ میں ہے تو جانتا ہے۔ میں نے اُنکی جنبش رگ کے برابر بھی شاہزادہ"
"کی طرف میں حرکتہ نہیں کی۔ وہ شیراز میں۔ میں نختراا[1] میں۔ مگر میں کیا کروں ان کے دل سے"

---

[1] نختراا۔ ایک رونق انگیز شہر تھا طہران کے پاس سنہ ۱۲

”خطور نہیں نکلتا۔ اب مجھ سے فرمایا کہ تو شیراز جا اور اُسے لے آ۔ میں نے انکار کیا“
”فرمایا تو اسکی طرفداری میں ہے۔ میں نے سر زمین پر رکھدیا۔ (یہ اُس عہد میں“
”بارگاہِ شہنشاہِ میں منتہائے سوگند تھی۔ کسی امیر کے لیئے جس پر جرم کا الزام عائد ہو) فرمایا“
”نفاق کا سر اپنے بوجھ سے اُٹھ نہیں سکتا۔ ناچار میں آپ ہی اٹھا۔ اور ہاتھ جوڑ سر جھکا کر“
”کھڑا ہوا۔ جیسے ہندیں پوجا کر کے رخصت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر بھی رحم نہوا“
”ناگوار رخصت چاہی۔ فرمایا شیراز! میں چپ۔ فرمایا گھر جاؤ۔ میں گھر میں آیا“
”یہاں فرمایش صدور میں آئی کہ اب شیراز کو یہیں سے دیکھو۔ میں چپ ہوں۔ کیا“
”کروں ہاں اور کہوں؟ تو کس سے کہواؤں؟ دشمن میرا کوئی نہیں مگر مجال نہیں کہ بولے کوئی“
”اگر سیستانیوں کو بلاؤں تو پھر وہی“

”اے یزدان پاک! میں تیری طرف آیا۔ اے ہیرمند اے آتش روشن“
”میں آپکی طرف سر تسلیم جھکاتا ہوں مجھے کسی سے غرض نہیں آپ کی طرف ہوں! آپ“
”ہی کی طرف ہوں! اب مجھے دنیا سے کچھ سروکار نہو۔ اور شہنشاہ کو بھی میری طرف“
”سے جو اشتباہ ہیں دھوے جائیں اے ہیرمند! اے آتش روشن! آپ گواہ ہوں“
”میں وعدہ کرتا ہوں اور وعدہ کو عہد کا مرتبہ دیتا ہوں۔ اور عہد کو عہد الہی کر کے آپکے“
”فروزاں کرتا ہوں۔ میں اس پر ثابت قدم رہوں! ثابت قدم رہوں! ثابت قدم رہوں“
”یہی ہے میری آرزو! یہی ہے میری آبرو! یہی ہے میری التجا! یہی ہے میری دعا!
”ہیرمند سے آواز ہوئی ہم ہیں تیری طرف تو ہو ہماری طرف ہم ہونگے تیری“
”ثابت قدمی کا زور۔ وزیر خوش ہوا اور کہا۔ میں ہوں۔ آپکی طرف! اُدھر سے آواز“
”ہوئی۔ تو ہے ہماری طرف تو ہم ہیں تیری طرف۔ ارجاسپ نے سر سے کلاہ اُتاری“
”وہ کلاہ خاندانی ارجاسپ کی تھی اور دونوں ہاتھوں پر لیکر..... چپ۔ حکم ہوا“
”رکھ لو۔ اسے سر پر۔ اُس نے ادب سے سر جھکایا اور سر پر رکھ لی۔ ہم نے کہا۔ کلاہ“
”ہم نے رکھدی تیرے سر پر اب اسے خطر نہیں۔ وہ رویا اور کہا۔ اے یزدان پاک“
”مجھے ہر دم خطر ہے۔ آپ اسے لے لیں! اور مجھے دیں ایک پرانی نکھٹو ٹوپی۔ وہی“

"سر پر پہنونگا۔ اور ہیر مند فروزش گر کے آگے ادب سے زانو زدن کرکے تپا سگری"
"کیا کرونگا۔ یہ ہوگا۔ میرے واسطے زوبان یزوان پاک کے صعود قربتہ کا۔"
"ہم نے کہا ہوجا تو ایسا ہی۔ ہم ہونگے تیرے رسوخ کیلئے دل مستقل وہ خرسند"
"ہوا خری کا۔ اور ہمارے ایماسے بیٹے کو کلاہ دی۔ وہ اس کے گھرانے میں ہی اور"
"بیٹا ہوا بزرگ خاندان۔ ارجاسپ نے ادب سے سر جھکایا۔ اور تیام خاندان کا سپاس"
"ادا کیا۔ ہم نے منظور کیا۔ اس نے عرض کیا۔ اے یزدان پاک! یہ عہد نامہ اس فرخنامہ کے"
"اول میں ادب سے نذر چڑھاتا ہوں مقبول ہو۔ ہم نے کہا۔ قبول!"
"یہ دن ہے چہارشنبہ ماہ کتابرا"
"سال ۲۹۵ فرزیدوانی"

فہرست تصنیفات خواجہ الطاف حسین حالی

نمبر	نام کتاب	مضمون	تعداد صفحات
۱	حیات سعدی	تذکرہ یا لائف	۲۵۶
۲	یادگار غالب	ایضاً	۳۹۱
۳	حیات جاویہ	سوانح عمری سرسید احمد خاں بہادر	۸۰۸
۴	مسدس مد وجزر اسلام	پند و موعظت۔ یعنے قوم کو تعلیم پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کا مضمون نظم میں۔	۷۵
۵	شکوۂ ہند	نظم بہ شرح صدر	۱۵
۶	عرض حال	قصیدہ نعتیہ۔ اس میں بھی رسول کریم کی روح مقدس سے مسلمانوں کو نیک توفیق حاصل ہونے اور اسلام کی حفاظت کیلئے دعا کیگئی ہے۔	۴
۷	دیوان حالی	غزلیات۔ قصائد و قطعات اور رباعیات وغیرہ۔	۲۳۲

۸	مجموعۂ نظم حالی		۱۴۱
۹	مقدمۂ دیوان	شعر و شاعری پر بسیط اور نادر مضامین اور بے نظیر نکات	۲۲۸
۱۰	ضمیمہ اُردو کلیات		۱۶۸
۱۱	جواہرات حالی		۹۳
۱۲	تحفۃ الاخوان		۲۴
۱۳	مناجات بیوہ		۳۲
۱۴	چپ کی داد		۱۶
۱۵	درد دل		۱۶
۱۶	حب وطن		۱۶
۱۷	مثنوی حقوق اولاد		۱۶
		کل تعداد صفحات	۲۵۳۱

اگرچہ خواجہ حالی کی تصنیفات قلیل الحجم ہیں جن کے مجموعی صفحات کی تعداد صرف دو ہزار پانسو اکتیس (۲۵۳۱) ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اس مضمون کے دوسرے حصہ میں تفصیل اور توضیح سے لکھیں گے اُنکی تصانیف کا قلیل الحجم ہونا اُن کے اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز ہونے کا مانع اور اس میں حاج نہیں ہے۔

ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام نظم و نثر کے بھی چند نمونہ اس مقام پر نقل کیئے جائیں۔

حصۂ اول نثر از مسدس مدوجزر اسلام۔ پہلا دیباچہ صفحہ (۱ و ۲)

"بچپن کا زمانہ جو کہ حقیقت میں دنیا کی بادشاہت کا زمانہ تھا ایک ایسے دلچسپ"
"اور پر فضا میدان میں گذرا جو کلفت کے گرد و غبار سے بالکل پاک تھا۔ نہ وہاں"
"ریت کے ٹیلے تھے نہ خاردار جھاڑیاں تھیں۔ نہ آندھیوں کے طوفان تھے"
"نہ باد سموم کی لپٹ تھی۔ جب اس میدان سے کھیلتے کودتے آگے بڑھے تو"
"ایک اور صحرا اس سے بھی زیادہ دلفریب نظر آیا جسکے دیکھتے ہی ہزاروں ولولہ"

" اور لاکھوں امنگیں خود بخود دل میں پیدا ہوگئیں "

" البتہ شاعری کی بدولت چندروز جھوٹا عاشق بننا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ "
" میں برسوں دشت جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔ کبھی نالۂ نیم شبی سے "
" ربع مسکوں کو ہلا ڈالا۔ کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا۔ آہ و فغاں کے شور سے کرّوبیوں کے "
" کان بہرے ہوگئے۔ شکایتوں کی بوچھار سے زمانہ چیخ اٹھا۔ طعنوں کی بھرمار سے آسمان "
" چھلنی ہوگیا۔ جب رشک کا تلاطم ہوا تو ساری خدائی کو رقیب سمجھا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے سے "
" بدگمان ہوگئے۔ جب شوق کا دریا امڈا تو کشش دل سے جذب مقناطیسی اور کہربائی کا "
" کام لیا۔ بارہا تیغ ابرو سے شہید ہوئے اور بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے۔ گویا زندگی ایک "
" پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار دیا۔ اور جب چاہا پہن لیا۔ میدان قیامت میں اکثر "
" گزر ہوا۔ بہشت و دوزخ کی اکثر سیر کی۔ بادہ نوشی پر آئے تو خم کے خم لنڈھا دیئے "
" اور پھر بھی سیر نہ ہوئے۔ کبھی خانہ خمار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی کبھی مے فروش کے "
" در پر گدائی کی۔ کفر سے مانوس رہے ایمان سے بیزار رہے۔ پیر مغاں کے ہاتھ پر "
" بیعت کی۔ برہمنوں کے چیلے بنے۔ بت پوجے۔ زنار باندھا قشقہ لگایا۔ زاہدان پر "
" پھبتیاں کہیں۔ واعظوں کا خاکہ اڑایا۔ دیر او ربتخانہ کی تعظیم کی۔ کعبہ اور مسجد کی "
" توہین کی۔ خدا سے شوخیاں کیں۔ نبیوں سے گستاخیاں کیں۔ اعجاز مسیحی کو "
" ایک کھیل جانا۔ حسن یوسفی کو تماشا سمجھا۔ غزل کہی تو پاک شہدوں کی۔ بولیاں بولیں "
" قصیدہ لکھا تو بھاٹ اور بادخوانوں کے منہ پھیر دیئے۔ ہر مشت خاک میں اکسیر اعظم "
" کے خواص بتلائے۔ ہر چوب خشک میں عصائے موسیٰ کے کرشمے دکھائے۔ ہر نمرود "
" وقت کو ابراہیم خلیل سے جا ملایا۔ ہر فرعون بے سامان کو قادر مطلق سے جا بھڑایا۔ ایسے "
" مداح بنے کہ ایسا بانس پر چڑھایا کہ خود ممدوح کو اپنی تعریف میں کچھ مزہ نہ آیا۔ "
" غرض نامۂ اعمال ایسا سیاہ کیا کہ کہیں سفیدی باقی نہ چھوڑی " الخ

(ایضاً صفحہ ۳ و ۴)

" زمانہ کا نیا ٹھاٹھ دیکھ کر پرانی شاعری سے دل سیر ہوگیا تھا۔ اور جھوٹے ڈھکوسلے

"باندھنے سے شرم آنے لگی تھی۔ نہ یاروں کے ابھاروں سے دل بڑھتا تھا نہ"
"ساتھیوں کی ریس سے کچھ جوش آتا تھا۔ مگر یہ ایک ایسے ناسور کا منہ بند کرنا تھا"
"جو کسی نہ کسی راہ سے تراوش کیئے بغیر نہیں رہ سکتا اسلیئے بخارات درونی جن کے"
"رکنے سے دم گھٹا جاتا تھا۔ دل و دماغ میں تلاطم کر رہے تھے اور کوئی رخنہ"
"ڈھونڈتے تھے" الخ

حصہ دوم۔ نظم۔ از مثنوی برکھا رت صفحہ (۵)

"گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی"
"وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون خدا کی شان برسات"
"وہ آئی تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان"
"گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار"
"بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا — اور کھول رہا تھا آب دریا"
"تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں"
"سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپاتے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے"
"تھی لومڑیاں زباں نکالے — اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے"
"چیتوں کو نہ تھی شکار کی سدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ"
"تھے شیر پڑے کچھار میں ست — گھڑیال تھے رود بار میں ست"
"ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا"
"بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں"
"گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا — اور انس نکل رہا تھا سب کا"
"طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اٹھتا تھا بگولے پر بگولا"
"آرے تھے بدن پر لو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے"
"رستوں میں سوار اور پیدل — سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل"
"گھوڑوں کے نہ آگے اٹھتے تھے پانو — ملتی تھی کہیں جو روکھ کی چھانو"

“بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکل انسان”

“خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا”

“پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی”

“تھیں برف پہ نیتیں لپکتی — فالودے پہ رال تھی ٹپکتی”

“کنجڑوں کی وہ بولیاں سہانی — بھر آتا تھا سن کے منہ میں پانی”

“کل شام تلک تو تھے یہی طور — پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور”

“پروا کی دہائی پھر رہی ہے — پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے”

“برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — یک شور ہے آسمان پہ برپا”

“ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے”

“ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے”

“ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی — یک آتی ہے فوج ایک جاتی”

“جاتے ہیں ہم پہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپخانے”

“توپوں کی ہے جب کہ باڑھ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی”

“مینھ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا”

“بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی”

“گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں”

“کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی”

“ٹیلا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار”

“پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار”

“پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل”

“کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو”

“کویل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں چبھی جاتی”

“مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے”

"ابر آیا ہے گھیر کے آسمان پر
کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

"مسجد میں ہیں درود اہل تقوے
یارب لنا ولا علینا"

"مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا
کرپا ہوئی تیری مینگھ راجا"

"کرتے ہیں گرو گرو کر ننھی
گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی"

"جاتا ہے کوئی ملار گاتا
ہے دیس میں کوئی گنگناتا"

"بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے
اور بانسریاں بجاتے پھرتے"

"سردن گوئی گا رہا ہے بیٹھا
چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا"

"رکھشک جو بڑے ہیں بن بہت کے
ڈھلکتے ہیں دیوں پہ ڈھلکتے پھرتے"

"کرتے ہیں وہ یوں جیون کی رکھیا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا"

"کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں"

"کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کمسن
جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن"

"ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری"

"جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی"

"یک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے
یک گرنے سے خوف کھا رہی ہے"

"ہے ان میں کوئی ملار گاتی
اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی"

"گاتی ہے کوئی کبھی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا"

"یک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر"

"ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں"

"گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی
اور تیر کے پہونچا پار کوئی"

"بگلوں کی ہیں ڈاریں آ کے گرتی
مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی"

"چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے
دن بھر میں ہیں بڑے جا کے لگتے"

"زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی
موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی"

"ناؤ ہر ہر کہ ڈگمگا رہی ہے
موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہے"

"دو ملاحوں کے اڑ رہے ہیں اوسان | بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان"
"منجدھار کی رو جو زور پر ہے | مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے" الخ

ہم نے اپنے خیال کے موافق مضمون کے دو حصہ قرار دیئے تھے۔ اور ان دونوں حصوں میں سے دوسرے حصہ کی بحث کو مقدم اور مناسب جانکر شروع کیا۔ اب مضمون کے پہلے حصے کی بحث شروع کرتے ہیں:-

اُردو کا سب سے بڑا انشاپرداز کون تھا

اب تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصل مضمون کا ایک معمولی اور آسان حصہ تھا لیکن اب ہم مضمون کے اُس مہتم بالشان حصہ کی بحث شروع کرتے ہیں جو مقصود بالذات حصہ ہے۔ یعنے قابل احترام چار افراد کے کلام پر ریویو (تنقید یا تبصرہ) اور اُن میں اس بات کا محاکمہ کہ ان چاروں میں سے کس کی جانب اعلیٰ انشا پردازی کی وجوہ ترجیح ہیں۔

تنقید و تبصرہ کا فن اگرچہ علوم جدیدہ کے اس ترقی یافتہ عہد میں بے انتہا ترقی کر گیا ہے اور کرتا جاتا ہے اور اُس کے اصول و قوانین نہایت دقت نظر سے قائم کیے گئے ہیں اور ان میں بے انتہا موشگافیاں اور نازک خیالیاں کی گئی ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ گزشتہ زمانہ میں متقدمین کے کلام میں اسکے کامل یا ناکامل اصول و فروع موجود نہیں تھے بلکہ تھے اور نہایت اکمل درجہ پر تھے۔ فرق اتنا ہے کہ متقدمین اسکو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اسلیئے اسکے شواہد اور نظائر ان کے کلام میں تعداد میں کم نظر آتے ہیں لیکن اُن کے وجود سے انکار کرنے کی وجوہ نہیں ہیں۔

ذیل میں ہم خنساء[1] کا واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے اُسکے ذہن رسا اور اُسکی قوت دراکہ کی

---

[1] خنساء کا اصل نام تماضر بنت عمرو ابن الحارث اور کنیت ام عمرو ہے لیکن اس کا یہ لقب ایسا مشہور ہوا کہ اُسکے نام پر غالب ہو گیا۔ خنساء کے لغوی معنے ہرن کے ہیں۔
خنساء عرب کی شواعر (شاعرہ عورتوں) میں ایک مشہور و ممتاز شاعرہ ہے۔ مرثیہ گوئی میں اسکو جو خاص درجہ امتیاز اور ید طولیٰ حاصل ہے اس میں کوئی شاعرہ عورت تو کیا بلکہ کوئی شاعر مرد بھی اسکا سہیم و عدیل نہیں ہے۔
خنساء مخضرمہ ہے یعنے وہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں رہی ہے۔ چونکہ اسی زمانہ میں اسلام کا نیر اعظم طلوع کر چکا تھا۔ وہ اپنی قوم بنی سلیم کے ساتھ پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئی۔
وہ اپنے سوتیلے بھائی صخر اور سگے بھائی معاویہ کے مارے جانے پر سوگوار ہو کر سیاہ پوش ہو گئی تھی اور اُن دونو کا ماتم کرتے

جمیل و شکیل تصویر ناظرین کے پردہ چشم پر ٹھیک ٹھیک کھنچ جائیگی :-

نابغۂ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت میں بڑا نامور شاعر اور عکاظ کے میلہ میں سرپنچ بنایا جاتا تھا وہ ایک کرسی پر بیٹھکر شعرائے عکاظ کے قصائد سنتا اور ان کے متعلق فیصلہ کرتا تھا کہ فلاں شاعر بہ نسبت دوسرے فلاں فلاں شاعر کے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور اُس کے فیصلہ کو تمام شعرائے حاضر بلا چون و چرا تسلیم کرتے تھے ۔

ایک سال عکاظ کے میلہ میں خنساء نے بھی اپنے بھائی صخر کا مرثیہ (قصیدہ رائیہ) اُس کے سامنے پڑھا نابغہ اُس کے اشعار سنکر نہایت متعجب ہوا اور کہا کہ میں بلاخوف تردید تیری نسبت اپنا یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ تو صنف نازک میں اشعر (بڑی شاعرہ) ہے ۔ اور اگر یہ اندھا (اعشیٰ شاعر کی طرف اشارہ کرکے کہا) تجھ سے پہلے میرے روبرو اپنے اشعار نہ سناتا تو میں تجکو اس سال کے تمام شعراء پر فضیلت دیتا بلکہ تیری شاعری کی بابت علانیہ یہ کہتا کہ تو جن و انس دونوں میں اشعر (بڑی شاعرہ) ہے ۔

اس سال کے میلہ میں نابغہ کے سامنے جن جن شعراء نے اپنے اپنے قصائد سنائے اُن میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ وہ نابغہ کے اس فیصلہ کو سنکر نہایت برہم ہوئے اور کہا کہ میں تجھ سے اور خنساء سے بڑا شاعر ہوں ۔ نابغہ نے نہایت متانت اور نرمی اور آہستگی سے کہا کہ حقیقت میں صورت واقعہ ایسی نہیں ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ۔ یہ کہکر وہ خنساء کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے خناس ! ذرا ان کو سمجھانے میں ان کی خبر لینا یعنے ان کے خیال کو باطل کر دکھا ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷) غم میں بہت سے مرثیے لکھے ۔ لیکن اسکو اس کا سوتیلا بھائی صخر زیادہ محبوب اور پیارا تھا ۔

ایک مرتبہ وہ خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں حاضر ہوئی حضرت نے اُس سے استفسار فرمایا کہ تیری آنکھوں کے کوئے زخمی کیوں ہو گئے ہیں ۔ عرض پرداز ہوئی اور کہا کہ اے امیر المومنین قبیلہ مضر کے سرداروں پر نوحہ اور بکا کرنے سے یہ حال ہوا ہے ۔

امیر المومنین نے فرمایا وہ تو اب دوزخ کا ایندھن ہیں ۔ عرض کی اب تو مجھے اُن پر زیادہ رونا چاہیے اسلئے کہ میں اب تک ان کا بدلہ نہ لیے جانے پر رویا کرتی تھی اور اب مجھے ان کے دوزخ میں ہونے پر رونا چاہیئے ۔ آپ نے فرمایا اس طرح کا نوحہ و بکا جاہلیت کا طریقہ تھا ۔ لیکن اسلام میں یہ رسم ممنوع ہو چکی ہے ۔ عرض کیا آپ کا فرمانا درست ہے لیکن آپ پہلے میرے چند اشعار سماعت فرمائیں ۔ جب آپکی اجازت سے اس نے اپنے بھائیوں کے مرثیہ کے چند اشعار آپ کے حضور میں پڑھے تو آپ نے فرمایا اسکو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے ۔ اس کا رونا کم نہوگا اور اس کو، اس کا کچھ ایسا رنج ہے کہ وہ ہمیشہ روتی رہے گی ۔ ۱۲

خنساؔ حسان رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہوئی اور بولی آج تم نے اپنا جو قصیدہ اس میلہ میں پڑھا ہے اُس میں بہتر سے بہتر چوٹی کا شعر تمھارے خیال میں کونسا ہے۔ حسانؓ نے کہا میرے قصیدہ میں منتخب اور عمدہ شعر یہ ہے۔

لنا الجفنات الغر یلمعن فی الضحی[1]
واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

خنساؔ نے کہا اس میں تو تم نے سات غلطیاں کی ہیں۔ کہا وہ غلطیاں کیا ہیں۔ خنساؔ نے کہا۔ پہلی غلطی تو یہ ہے کہ شعر میں "جفنات" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ جمع قلت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ اگر بجائے اسکے لفظ "جفان" استعمال کیا جاتا تو اسلیئے مناسب ہوتا کہ وہ جمع کثرت ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ شعر میں تم نے لفظ "غر" استعمال کیا ہے اور غرہ اُس سفیدی کو کہتے ہیں جو پیشانی میں ہوتی ہے۔ اگر بجائے اسکے لفظ "بیض" استعمال کیا جاتا تو بہتر ہوتا کیونکہ اس میں عمومیت تھی جس کا اطلاق ہر سفید چیز پر ہوتا ہے تیسری غلطی یہ ہے کہ اس شعر میں "یلمعن" کا لفظ برتا گیا ہے اور لمعان کے معنے چمک کے ہیں جس میں قیام نہیں ہوتا اگر بجائے اسکے "یشرقن" کا لفظ باندھا جاتا تو اس میں دوام اور قیام ہوتا اور وہ مناسب تر ہوتا۔ چوتھی غلطی تم نے یہ کی ہے کہ شعر میں "ضحی" کا لفظ استعمال کیا جو چاشت کا وقت ہے اگر بجائے اس کے دجی کا لفظ لائے ہوتے تو موزوں اور مناسب ہوتا اس لیئے کہ لمعان دجی (تاریکی) میں ایک لطف پیدا کرتا ہے۔ پانچویں غلطی یہ کی ہے کہ شعر میں "اسیاف" کا لفظ باندھا ہے جو جمع قلت ہے اگر لفظ "سیوف" باندھا جاتا تو بہتر ہوتا کیونکہ وہ جمع کثرت ہے۔ چھٹی غلطی یہ ہے کہ شعر میں "یقطرن" کا لفظ واقع ہوا ہے جس کے معنے قطرہ قطرہ ٹپکنے کے ہیں۔ اگر اسکی بجائے "یسلن" کا لفظ برتا جاتا تو بہتر اور مناسب تر ہوتا کیونکہ سیلان میں تسلسل اور تواتر ہوتا ہے۔ ساتویں غلطی یہ ہے کہ شعر میں لفظ "دم" (بمعنے خون) استعمال کیا گیا ہے جو نکرہ ہونے کے باعث قلت پر دلالت

---

[1] ترجمہ شعر۔ ہماری تلواروں کے سفید (چاندی) کے پیالے ضحی (وقت چاشت) کی روشنی میں چمکتے رہتے ہیں۔ اور بہادری سے ہماری تلواریں خون ٹپکایا کرتی ہیں ۱۲

کرتا ہے اگر بجائے اس کے " دما " کا لفظ باندھا جاتا تو مناسب ہوتا کیونکہ وہ جمع کثرت ہے۔

حسان رضی اللہ عنہ یہ ریمارک سنکر حیرت زدہ اور دم بخود ہوگئے اور کوئی جواب بن نہ پڑا[۵]

ایسے واقعات جستجو سے بہت فراہم ہوسکتے ہیں لیکن ہم اسوقت اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی ایک شخص کے کلام نقد و تبصرہ کرنا اور اس کے محاسن و عیوب کا راستی اور دیانت سے ظاہر کرنا ایک دشوار کام ہے لیکن جب کہ ایک سے دو اور دو سے تین اور تین سے چار افراد جمع ہو جائیں اور ان میں محاکمہ کیا جانا قرار پائے تو یہ امر اور بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ یعنے یہ قول " احدھما افضل من الآخر " بدل کر " احدھم من الاربعۃ افضل من الثلثۃ " ہوجائے۔

ہم کو اس وقت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کی حکایت یاد آئی ہے جو اس حالت کے بالکل مطابق ہے اور وہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے امام ابوحنیفہؒ سے استفسار فرمایا کہ " عقلمند کس کو کہتے ہیں " ابوحنیفہؒ نے عرض کیا " عقلمند وہ شخص ہے جو دو چیزوں میں خیر و شر کا امتیاز کرے " حضرت صادقؓ نے فرمایا " یہ قوت تو حیوانات میں بھی ہے۔ ایک حیوان جانتا ہے کون شخص اس کی پرورش اور نگہداشت میں نرمی اور رحمدلی کو پیش نظر رکھتا ہے اور کون شخص اس کے ساتھ سختی اور سنگدلی کو کام میں لاتا ہے " ابوحنیفہؒ نے عرض کیا " حضرت کے نزدیک عقلمند کس کو کہا جائیگا۔ فرمایا " عقلمند وہ ہے جو خیرین میں اور شرین میں امتیاز کرے۔ یعنے یہ سمجھ سکے کہ خیرین میں کس میں خیر زیادہ ہے اور شرین میں کس میں شر زیادہ ہے۔ جن خیرین میں خیر زیادہ ہو اسکو اختیار کرے اور شرین میں سے اس شر کو گوارا کرے جس میں شر کم ہو "۔ ابوحنیفہؒ نے عرض کیا " صدقت یا ابن رسول اللہ "

بعینہ یہی صورت اور یہی حالت اسوقت ہمارے سامنے پیش ہے۔ جن لائق افراد میں محاکمہ کرنا ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ سب کے سب ایک سے ایک بہتر۔ قابل روشن دماغ ' ذہین۔ ذکی اور صاحب تقریر و تحریر (قلم و زبان کے دھنی) گروہ اہل علم میں ممتاز و مقبول۔ پیر ایسے مسلم الثبوت

---

[۵] فوز انیس الجلساء فی دیوان الخنساء طبع بیروت ۱۸۸۸ء صفحہ ۸۹

محترم نفوس میں وجوہ ترجیح تفضیل کا قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ محض جرأت ہی جرأت ہے جو اس بار کو ہم نے اپنے سر پر اٹھانا اور اُسے منزل مقصود پر پہنچانا چاہا ہے۔

یہ خدا کی قدرت اور اسکی حکمت بالغہ ہے کہ جہاں اُس نے ہر ایک انسان کو دولت علوم و معارف اور جوہر عقل سے سرفراز کیا ہے اُسی کے ساتھ ساتھ ہر فرد بشر میں صورت و سیرت کا تفاوت بھی پیدا کر رکھا ہے جیسا تفاوت صورت میں ہے ایسا ہی تفاوت ہر ایک کی سیرت میں نمایاں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک کو دوسرے سے وجہ تعارف میں مابہ الامتیاز پہلو ہاتھ نہ آتا اور یہ امر موجب آفات عظیم ہوتا۔

مثلاً دو یا دو سے زیادہ تین چار آدمی ایک ہی علم و فن میں ایک ہی مدرسہ اور ایک ہی استاد کی تعلیم و تربیت سے کامل بنکر نکلتے ہیں تاہم ان کے قوائے دماغی میں قدرت جو فرق رکھتی ہے اُسکے اعتبار سے ہر ایک کا علم و فضل ایک جداگانہ قابلیت کا جلوہ دکھاتا ہے۔

یہی حال نذیر احمد۔ شبلی۔ آزاد اور حالی کا ہے۔ ملک اور قوم نے ہر ایک کی قابلیت کو استحسان کی نظر سے دیکھا۔ گورنمنٹ نے بھی انکی قابلیت کا اعتراف کیا اور ہر ایک کو شمس العلماء کے معزز خطاب سے مخاطب کیا۔ یہ ایسے اسباب اور ایسے وجوہ ہیں جن کے باعث یہ چاروں افراد علوم و معارف میں برابر کے شریک ہیں۔ لیکن علوم و معارف کا ضیا پاش اور نور افشاں جوہر ہر ایک میں ایک جداگانہ اور ممتاز رنگ سے نمایاں ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد کی تحریرات کے نمونوں سے جو اوپر نقل کیے گئے ہیں انکی اعلیٰ انشا پردازی ظاہر ہے تاہم یہاں انکی تحریر کی خصوصیات کو مجمل اور مختصر طور پر بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انکی عبارت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) الف عربی الفاظ اور جملوں کی یہ بہتات ہے جنکے دیکھنے سے کتاب وقائع نعمت خان عالی پیش نظر ہو جاتی ہے۔ اور اوسط درجہ کی معلومات کا آدمی بھی الفاظ کے سمجھنے میں لغت دیکھنے پر مجبور ہے۔ وہ عربی الفاظ کی کتابت میں بھی عربی رسم الخط کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

ب جس طرح وہ عربی الفاظ اور جملہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں اسی طرح

انگریزی کے مفردات اور جملہ اور ضرب الامثال بھی بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

ج ہندی بھاشا کے اسماء و افعال بھی ان کی انشاء پردازی میں اکثر و بیشتر نظر آتے ہیں کوئی شبہ نہیں کہ مذکورۂ بالا امور اردو زبان کی وسعت میں ممد و معاون ہیں۔

(۲) انکی عبارت میں شوخی اور ظرافت بھی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پائی جاتی ہے جس سے متانت میں ایک طرح کا سقم پیدا ہوتا ہے اور عبارت میں کرختگی اور بھداپن پایا جاتا ہے۔

آزاد کی انشا پردازی میں خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) فقرے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جس سے مطلب کے سمجھنے میں دقت اور دشواری پیدا نہیں ہوتی۔

(۲) الفاظ نہایت فصیح اور صاف ہوتے ہیں۔

(۳) مطلب اور معانی کم اور الفاظ و عبارت زیادہ یعنے مغز کم اور پوست زیادہ

(۴) آزاد کی عبارت اور انشاء پردازی کی مثال اُن پھولوں کی سی ہے جو رنگین اور خوشنما کاغذ یا کپڑے سے بنائے گئے ہوں جن میں رنگ اور روپ تو نہایت شوخ اور نظر فریب ہو مگر بو باس کا اثر بہت ہی کم زور۔ مدھم اور ہلکا ہوتا ہے۔

حالی کی انشاپردازی اور اسکی خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) حالی بھی عربی اور انگریزی کے الفاظ اپنی عبارت میں مناسب موقع پر اس خوبی سے استعمال کرتے ہیں جس سے تصنع اور تکلف کا شائبہ نہیں ہوتا۔

(۲) عربی اور انگریزی کے الفاظ وہ اسقدر زیادہ استعمال نہیں کرتے جس سے یہ پایا جائے کہ وہ اپنی قابلیت جتانے کیلئے ان الفاظ کو عبارت میں زبردستی ٹھونستے ہیں

(۳) حالی کی عبارت میں ایک ایسی شیرینی اور گھلاوٹ ہوتی ہے جو دلوں میں ایک خاص اثر کرتی ہے۔

(۴) انکی عبارت میں متانت اور تہذیب اس درجہ کی ہوتی ہے جس پر شوخی و ظرافت یا سوقیانہ زبان کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) وہ اپنے ہیرو یا اسکے مد مقابل کے حالات کے بیان کرنے میں اُس کے

اخلاقی اور معاشرتی عیوب اور نقائص کو اس خوبی سے نظر انداز کرتے اور اُسکی ایسی بہتر تاویل کرتے ہیں جس کے بعد اُسکی رندی اور نفس امارہ کی خواہشات کا بدنما داغ یا تو مٹ جاتا ہے یا ایسا مدہم پڑ جاتا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

(۶) حالی پہلا شخص ہے جو مغربی جدید اصول پر سوانح عمری (لائف) کے لکھنے کا موجد مانا جا سکے۔ دوسرے لوگ اسکے پیرو اور متبع ہیں۔

(۷) اُردو زبان کی شعر و شاعری کے اصول و فروع کو فلسفیانہ اور محققانہ طریق ادا کرنے میں حالی ہی کو اولیت یا اولویت حاصل ہے گو اسکے بعد اوروں نے بھی اسکی نقل اتارنے میں پیروی کی اور اُس میں اپنی ایڑی چوٹی کا بہت زور مارا مگر پوری نقل نہ اتر سکی[۱]

ہمارے اس بیان کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ہم خواجہ حالی کے مداح اور خواہ مخواہ کے طرفدار ہیں جہاں اُنکی انشاء پردازی میں محاسن اور خوبیاں ہیں اُن سے چند لفظی مسامحات بھی ہوئے ہیں جن کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

الف۔ از یادگار غالب صفحہ ۶۲

"ایک خط کو اس طرح شروع کرتے ہیں ؎

"بَیَ می کشند در کف من خامہ روائی سردست ہوا آتش بے دود کجائی"

"میر مہدی! صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔"
"دو حرف لکھتا ہوں۔ ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر وہ آتش سیال کہاں"
"کہ جب دو جرعے پی لیئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا"
"نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا۔ ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب! ہائے غضب! ہائے غضب"

ب) ایضاً صفحہ ۴۔

"میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی متوہ بالشان واقعہ انکی شاعری"
"وانشاء پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔

---

[۱] آگے چل کر ہم اسکی پوری توضیح کرینگے جس سے ہماری رائے کی صداقت اور ہمارے دعوے کا ثبوت اچھی طرح سے ہو جائیگا۔

ج. از یادگار غالب صفحہ ۱۷-

"اہل دہلی میں سے جن لوگوں نے مرزا کو جوانی میں دیکھا تھا اُن سے سنا گیا ہے کہ عنفوان"
"شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوش رو لوگوں میں شمار کیئے جاتے تھے اور بڑھاپے"
"میں بھی جبکہ راقم نے پہلی ہی بار اُنکو دیکھا ہے۔ حسانت اور خوبصورتی کے آثار اُن کے"
"چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے مگر اخیر عمر میں"
"قلت خوراک اور امراض دائمی کے سبب وہ نہایت ضعیف و زار و نزار ہو گئے تھے"
"لیکن چونکہ ہاڑ بہت چکلا۔ قد کشیدہ اور ہاتھ پاؤں زبردست تھے اس حالت میں"
"بھی وہ ایک نووارد تورانی معلوم ہوتے تھے۔"

د. از مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۵۹ و ۶۰

"ہمارے نزدیک کلام کی سادگی کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ خیال کیسا ہی بلند اور"
"دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہو۔ اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو تحاور اور روزمرہ"
"کی بول چال کے قریب قریب ہوں جسقدر شعر کی ترکیب معمولی بول چال سے بعید ہوگی"
"اُسیقدر سادگی کے زیور سے معطل سمجھی جائیگی۔ تحاور اور روزمرہ کی بول چال سے"
"نہ تو عوام الناس اور رستوتیوں کی بول چال مراد ہے اور نہ علماء و فضلار کی بلکہ وہ"
"الفاظ اور محاورات مراد ہیں جو خاص و عام دونوں کی بول چال میں عامۃ الورود"
"ہیں۔ لیکن اُردو زبان میں سادگی کا ایسا التزام ہر قسم کلام میں نبھ نہیں سکتا"
"اگر کچھ نبھ سکتا ہے تو محض عشقیہ مثنوی میں جیسا کہ میر و سودا اور اُن کے معاصرین"
"اور بعض متاخرین نے خاص ان دو صنفوں میں کیا ہے۔ قصیدہ میں سودا اور"
"ذوق جیسے مشاق شاعروں سے بھی ایسی سادگی نبھ نہیں سکی۔"

پہلی مثال میں لفظ "تواجد" غلط استعمال کیا ہے کیونکہ مادہ اس کا وجد ہے اہل لغت اسکو باب تفاعل میں استعمال نہیں کرتے۔ عربی الفاظ کا مادہ مجرد مزید کے ہر ایک باب میں ڈھالا نہیں جا سکتا۔ بلکہ انہیں ابواب میں اُس کا استعمال صحیح ہوگا جن میں اسکو عرب کے اہل لغت نے استعمال کیا ہے مثلاً "نصرت" کا مادہ باب افعوال (اجلواذ) اور

اور اطلاقِ شعرا میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری مثال میں لفظ "منوّہ" اردو زبان میں ثقیل اور گراں معلوم ہوتا ہے تنویہ کے معنے لغت میں بلند نام کرنے کے ہیں اگر بجائے اسکے مہتم بالشان یا علو شان کی استعمال کیا جاتا تو منشا پورا ہوتا۔

تیسری مثال میں لفظ "حسانت" کا استعمال بھی غرابت رکھتا ہے کیونکہ حسن کا مصدر حسانت غیر مستعمل ہے۔

چوتھی مثال میں دو جگہ لفظ "تحاور" استعمال کیا ہے اگرچہ یہ لفظ عربی ادب میں فصیح اور کثیر الاستعمال ہے اسکے فصیح ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ سورۂ حشر میں وارد ہے "واللّٰہ یسمع تحاورکما" یعنے خدا تم دونوں کی باتیں سنتا ہے لیکن اردو زبان اسکے استعمال کی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر بجائے اسکے "گفتگو" کا لفظ برتا جاتا تو خلاف محاورہ اردو نہوتا ایسے صاف اور کثیر الاستعمال لفظ کو چھوڑ کر لفظ "تحاور" کا استعمال کرنا محض اپنی قابلیت علمی کو ظاہر کرنا ہے۔

علامہ شبلی کی کتابوں سے عبارت کے نمونہ دو وجہ سے نہیں دیئے گئے۔

ایک یہ کہ نذیر احمد۔ آزاد اور خواجہ حالی کی انشاپردازی کے مقابل میں شبلی کی انشاپردازی نہایت پھیکی۔ کم وزن اور روکھی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انکی انشاء پردازی میں لفظی اور معنوی جو غلطیاں ہیں ان کو مقابلتاً بتانا ہے۔ جب یہ بات پیش نظر ہے تو اُن کے نمونوں کے دینے میں تکرار ہو جاتی اور انشاپردازی میں ایک ہی چیز کو مکرر بیان کرنا سخت عیب ہے اس لیئے نمونہ نہیں دیئے گئے۔

(۱) لفظی اور محاورہ کی غلطیاں۔ از شعر العجم حصۂ چہارم صفحہ ۱۶۶

"باایں ہمہ قدردانی درباروں میں بڑی مشکل سے رسائی ہوتی تھی۔ برسوں امیدواری"
"اور درباروالوں کی خوشامد کرنی پڑتی تھی۔ امیر معزی سنجر کا ملک الشعرا تھا اور اس رتبہ"
"پہنچا تھا کہ سنجر نے حکم دیا تھا کہ اس کا لقب امیر لقب پر رکھا جائے۔ سنجر کا لقب معزالدنیا والدین"
"تھا اس بناء پر اس کا تخلص معزی قرار پایا باایں ہمہ جس طریقہ سے وہ دربار میں پہنچا ہے"

"اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ قصیدہ گویوں کو دربار تک پہنچنے میں کس طرح سے عمریں جھیلنی پڑتی تھیں" آہ

ظاہر ہے کہ محاورہ میں عمریں جھیلنا نہیں کہا جاتا بلکہ ایسے موقع پر بجائے اسکے عمریں بسر کرنا یا عمریں گزارنا کہا جاتا ہے۔

۲۔ از شعر العجم حصہ چہارم باب سوم صفحہ ۲۲۶۔

"عرب میں عورت سے عشق کرتے ہیں اس لیئے ہر قسم کے سچے جذبات ادا ہو سکتے ہیں"

"ایران میں عورت کی بجائے امارد ہیں اسلیئے بہت سے ناموزوں مضامین پیدا ہو گئے"

عبارت مذکورۂ بالا کے دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر نمایاں ہوگی کہ امرد کی جمع امارد محض غلط ہے علامہ شبلی صاحب سے اس غلطی کے ہونے کا سبب غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امرد کو اسم تفضیل سمجھا ہو حالانکہ امرد کا لفظ اسم تفضیل نہیں. بلکہ اسم صفت ہے۔ امرد اس نوخیز جوان یا مرا ہق کو کہتے ہیں جو بے ریش و بروت ہو اسی طرح لفظ احمق اسم تفضیل نہیں بلکہ اسم صفت ہے پس احمق اس شخص کو کہینگے جسمیں حماقت ہو اسمیں کمی زیادتی کے وصف کا مطلقاً اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پس امرد کی جمع امارد غلط محض ہے اسکی جمع "مُروان" ہے اگر لغت کی کتاب دیکھنا موجب زحمت تھا تو سعدی کی گلستاں کے باب پنجم کی یہ حکایت :-

"یکے را پرسیدم از مستعربان ما تقول فی المُروان گفت لاخیر فیہم ما دام احدہم"

"لطیفاً یتخاشن فاذا اخشن یتلاطف" آہ

کافی حجت اور سند تھی۔

ایک اور معنوی غلطی۔ کتاب المامون صفحہ ۱۲۰ سے۔

"لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیئے تھے۔ نغمہ و سرود تو"

"قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔ بنو امیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ"

"ایسا نہیں گزرا جو اس فن شریف میں مناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو بڑے بڑے مذہبی علماء تک"

"اس چاٹ سے خالی نہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں"

مہارت سے سرود کے موجد ہیں۔ آہ"

علم موسیقی جسکی اصل و بنا د آواز پر قائم ہے اسکے اصلی درجہ سات ہیں اور فرعی پانچ

انہیں اصلی سات درجوں کو سات سُر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ سر شُدہ کہلاتے ہیں۔ اور انہیں سے پانچ سُر ایسے ہیں جنہیں صعود و نزول ہوتا ہے پس اس اعتبار سے اصلی اور فرعی کل بارہ سر ہوتے ہیں پس سروں کی تعداد میں ابتدائے ایجاد موسیقی سے آجتک کسی سُر میں .... اُس کا اضافہ بھی نہیں ہو سکا۔ ایسی حالت میں کسی بڑے سے بڑے موسیقی کے ماہر اور امام الفن کو بہت سے سروں کا موجد کہنا ایک بیہودہ خیال ہے۔ ہاں راگ اور راگنیوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر سروں میں اضافہ ناممکن اور امر محال مانا گیا ہے۔

اس مقام پر علامۂ شبلی کو دھوکہ اسلیئے ہوا ہے کہ صاحب اغانی اپنی کتاب میں جا بجا صوت "صُوت" لکھتا ہے جسکے معنے وہ راگ اور راگنی کے لیتا ہے پس صوت کو انہوں نے سر سمجھ لیا جو بجائے خود نادرست اور غیر صحیح ہے۔

کلام میں تکریر۔ از شعر العجم حصۂ پنجم صفحہ ۸۱ و ۸۲ مثال اول۔

"عشق میں گو ہزاروں مصیبتیں پیش آتی ہیں بہت سے سخت دشوار گزار مقام آتے"
"ہیں منزل کا پتا نہیں ملتا لیکن ہر مصیبت لذت کش ہوتی ہے۔ ہر درد دوا معلوم ہوتا"
"ہے۔ ہر مقام پر منزل کا آرام معلوم ہوتا ہے"۔

"رہروان خستگی راہ نیست | عشق ہم راہ است وہم خود منزل نیست"

"چلنے والوں کو راستہ کا تکان نہیں ہوتا کیونکہ عشق راستہ بھی ہے اور منزل بھی"۔

مثال دوم۔ از شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۸۹۔

عشق کی حقیقت اور اُس کے آثار

"عشق کی منزل اگرچہ دور دراز ہے اور تمام عمر صرف کر دیجئے"
"بھی یہ راہ طے نہیں ہوتی سینکڑوں نئی نئی واردا تیں"
"اور مقامات پیش آتے ہیں۔ رنج و مسرت۔ جوش و ضبط۔ وصل و ہجر۔ گلہ و شکر"
"صبر و بیقراری۔ مستی اور ہوشیاری ان سب مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے لیکن کوئی"
"حالت لطف و مزہ سے خالی نہیں ہوتی"۔

"رہروان خستگی راہ نیست | عشق ہم راہ است وہم خود منزل است"

"چلنے والوں کو راہ کی تکلیف نہیں ہوتی عشق خود راستہ بھی ہے اور منزل بھی"۔

مثال سوم۔ از شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۸۱ و ۸۲

"ہر چیز جب کمال کو پہنچتی ہے تب اُس کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ لیکن عشق آغاز سے انجام تک

"لذت بخش اور لطف انگیز ہے۔"

"عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع
این شرابی است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است"

مثال چہارم از شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۸۹

"عشق کا ہر مقام ایک خاص لذت رکھتا ہے۔"

"عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع
این شرابی است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است"

"عشق ابتدا اور انتہا دونوں حالتوں میں سرتاپا ذوق و لطف ہے یہ وہ شراب ہے کہ

"خام بھی اچھی ہے اور پختہ بھی۔"

مثال پنجم۔ حافظ کی شاعری کی توصیف اور اسکے نکات۔ لاادریہ کے فلسفہ کے تحت

شعر العجم حصۂ پنجم صفحہ ۴۴۔

"کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست
اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید"

"یہ کوئی نہیں جانتا کہ منزل مقصود کہاں ہے۔ اتنی بات البتہ ہے کہ جرس کی کچھ آواز

"آتی ہے۔ یعنے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہے۔"

مثال ششم۔ از شعر العجم حصۂ پنجم صفحہ ۵۰ و ۵۱

"اکثر حکماء کا خیال ہے کہ عالم کی حقیقت اور اُسکی غرض و غایت نہیں معلوم ہو سکتی۔"

"صرف اتنا معلوم ہے کہ کچھ ہے۔ باقی یہ کہ کیا ہے۔ کیوں ہے۔ کیسا ہے۔ معلوم نہیں۔"

"شعرانے بھی طرح طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔"

"کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجاست
اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید"

"اگلے زمانہ میں دستور تھا ؎ کہ قافلہ چلتا تھا تو ایک اونٹ کی گردن میں گھنٹا لٹکا دیتے

تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کسی کو معلوم نہیں کہ منزل مقصود کہاں ہے اور کہاں جانا ہے"

؎ ریل کے سفر میں آج بھی یہ دستور ہے کہ گاڑی جب چلنے کیلئے تیار ہوتی ہے یا دوسرے مقام سے کسی اسٹیشن پہ پہنچتی ہے تو گھنٹا بجایا جاتا ہے کہ مسافر چلنے کیلئے ٹکٹ لیکر اور سامان سفر فراہم کرکے آمادہ ہو جائیں ۱۲

"اتنی بات البتہ ہے کہ ایک گھنٹہ کی آواز آرہی ہے۔ جرس کو نکیر کے لفظ سے بیان"
"کیا ہے یعنے گھنٹہ کا بھی کچھ پتا نہیں کہ کہاں ہے کدھر ہے کس قسم کا ہے۔ بس ایک"
"آواز سنائی دیتی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاید کوئی قافلہ ہے۔"

مثال ہفتم۔ از شعر العجم حصہ چہارم صفحہ ۲۶۷ و ۲۶۸۔

"تعلیم صرف شرفا کیلئے مخصوص تھی۔ نوشیروان کے زمانہ میں ایک کفش گرنے لاکھوں"
"روپیہ پیش کیئے کہ اسکے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت ملے۔ لیکن نوشیروان نے منظور نہ کیا۔"

مثال ہشتم۔ از شعر العجم حصہ چہارم صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲

"فردوسی نے زال کی تعلیم کے متعلق تمام باتوں کو تفصیل سے لکھا ہے۔ تاہم تعلیم"
"عام نہ تھی۔ نوشیروان کے زمانہ میں ایک نہایت دولتمند موچی تھا اس نے درخواست"
"کی کہ اسکے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیجائے تو نوشیروان نے نامنظور کیا اور کہا کہ"
"تجارت پیشہ اور اراذل پڑھکر نوکری کرینگے تو خاندانی آدمیوں کے ہاتھ میں کیا رہ جائیگا۔"

مثال اول میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے کہ عشق کے راہروں کو راستہ کا تکان نہیں ہوتا کیونکہ عشق فی حد ذاتہ راستہ بھی ہے اور منزل مقصود بھی ہے۔ اسی مضمون کو مولف فاضل نے مثال دوم میں مکرر ادا کیا ہے۔

مثال سوم میں اس خیال کو بیان کیا ہے کہ عشق اپنی ابتدائی اور انتہائی حالت میں تمام تر ذوق و لطف سے بھرا ہوا ہے یہ ایسی شراب ہے کہ خامی اور پختگی دونوں حالتوں میں بامزہ ہے۔ مثال چہارم میں اسی بات کو مکرر بیان کیا ہے۔

مثال پنجم میں یہ بات بتائی ہے کہ منزل مقصود کا پتا کسی کو معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹہ کی ایک آواز آرہی ہے۔ مثال ششم میں اسی بات کو دوبارہ بیان کیا ہے صرف الفاظ میں کمی بیشی کی گئی ہے۔

مثال ہفتم میں اس امر کو ظاہر کیا گیا ہے کہ قدیم زمانہ میں تعلیم عام نہ تھی صرف شرفا کے طبقہ میں محصوم رہی تھی۔ ادنی او اراذل اس سے محروم تھے۔ مثال ہشتم میں اسی کو بادنی تغیر الفاظ مکرر بیان کیا ہے۔

ایک خیال یا ایک مطلب کو بار بار دھرانا انشاء پردازی کے ہنر کو معیوب کر دیتا ہے اور ناظرین اور سامعین کا وقت عزیز غارت ہوتا ہے۔

از کتاب المامون۔ صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷۔

"مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اس کے خاص قدیم اور فنون حکمت کی ترقی"
"و اشاعت میں اُس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے حکم دیا کہ دربار میں جو ماہرین فن"
"ہیں ان کو ساتھ لیں اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے"
"استعمال سے کرہ زمین کی پیمایش کریں۔ سنجار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربہ کے لیے"
"نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعہ"
"سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑی اور ایک لمبی رسّی"
"اس میں باندھ کر ٹھیک شمال کی طرف چلے رسی جہاں ختم ہوئی وہاں یک دوسری کھونٹی"
"گاڑدی اور اس میں ایک رسی باندھ کر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے"
"دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا اب جسقدر مسافت طے ہوئی تھی"
"اسکی مساحت کی تو" ۶۶ میل اور دو ثلث میل" ٹھیری۔ اس سے نیتجہ نکالا کہ آسمان"
"کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح" ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے" پھر اس مقام سے"
"ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اسی طرح رسیاں باندھتے گئے۔ یہاں قطب شمالی کا ارتفاع"
"لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے۔ اب اسی طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل"
"زمین کی جو مسافت ٹھیری تھی اُس کو (۳۶۰) میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجے"
"اسی قدر قرار دیئے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین (۲۴) ہزار میل ٹھیرا"

مذکورہ بالا عبارت کے نقل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اس میں دو جملوں پر جو خط کھینچا گیا ہے اُس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو مسائل حسابیہ سے واقفیت نہیں ہے اگر وہ علم حساب سے تھوڑے بہت بھی واقف ہوتے تو اُن جملوں کو اسطرح ادا کرتے "$66\frac{2}{3}$ میل ہے۔"

نظر ثانی نکرنے کی مثال شعر العجم حصہ اول صفحہ ۵۲ سے۔

"ابوشکور بلخی نے اس فلسفیانہ خیال کو کسقدر عمدہ اور شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے"۔

"تا بدانجا رسیدہ دانش من | کہ بدانم ہمی کہ نادانم"

"یعنے میرا علم اس حد تک ترقی کر گیا کہ میں نے اب جان لیا کہ میں کچھ نہیں جانتا"۔

اور پھر شعر العجم کے حصۂ اول صفحہ ۲۴۹ و ۲۵۰ پر خیام کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"خیام کو اس لاعلمی پر ناز ہے اور کہتا ہے کہ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا"

"ہر بے خبرے راز رسد بے خبری | تو بے خبری بے خبری کار تو نیست"

"اسی کو ایک اور شاعر نے شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے"

"تا بجائے رسیدہ دانش من | کہ بدانم ہمی کہ نادانم

"یعنے میرا علم اب اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہوں کہ میں نہیں جانتا"۔

مذکورۂ بالا عبارت کا سقم تکریر کے عنوان میں جو اوپر کیا گیا ہے بیان ہو سکتا تھا لیکن اسمیں اور ایک سقم یا عیب پیدا ہو گیا جسکی وجہ سے اسکو تکریر کے عنوان سے جداگانہ طور پر بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ اگرچہ اس عیب اور سقم کو ضعف حافظہ پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن ہم فاضل اجل کو اس عیب سے بری کرتے ہیں بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو اپنی تصنیف و تالیف پر نظر ثانی کرنا یاد معلوم ہوتا ہے اور اس قلت مبالات کے باعث انکو یہ یاد نہیں رہتا کہ سابق میں یعنے تصنیف کے آغاز میں کیا بیان کیا ہے اور کس کے نام سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر انکو اپنی تصنیف اور تحریر پر نظر ثانی کرنے کی عادت ہوتی تو اُن کی تحریر اس سقم سے پاک ہوتی۔ پس جبکہ کتاب کے صفحہ ۲۵ پر یہ لکھدیا تھا کہ یہ شعر ابوشکور بلخی کا ہے تو صفحہ ۲۵۰ پر بھی اسی کا نام لینتے مگر بجائے اس کے یہاں یہ لکھا "اسی کو ایک شاعر نے شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے" اور یہ بات صرف نظر ثانی میں قلت مبالات کے باعث پیدا ہوئی ہے

خواجہ حالی اور علامۂ شبلی کی طرز تحریر اور عبارت کی صفائی و شستگی اپنے جملوں کی جزالت میں جو فرق ہے ہم اسکو دونوں کی عبارت سے جو ایک ہی واقعہ اور ایک ہی شخص کی ذات سے متعلق ہے ذیل میں نقل کر کے بتاتے ہیں اور بعض اسباب امتیاز کو اپنی ناقص رائے اور اپنی

محدود استعداد سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

شیخ سعدی کے حالات سیاحت اور اسکی شاعری کی شہرت کو حالی اور شبلی دونوں نے گلستاں کے باب پنجم کی ایک حکایت سے نقل کیا ہے جسکو ہم اوّل ذیل میں ایک دوسرے کے بالمقابل درج کرتے ہیں اور اسکے بعد اُن امور کو واضح کرینگے جنکے متعلق ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے:-

عبارت حالی

"پہلے اس سے کہ شیخ کاشغر میں پہنچے وہاں کے چھوٹے بڑے اُسکے کمالات سے واقف تھے"

"جس زمانہ میں شیخ کاشغر میں پہنچا ہے غالباً یہ وہ زمانہ ہے کہ چنگیز خاں چینی تاتار کو خوارزمیوں سے فتح کر چکا ہے اور سلطان محمد خوارزم کے ساتھ چند روز کیلئے اسکی صلح ہو گئی ہے۔ جب شیخ کاشغر کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں ایک طالب علم مقدمہ زمخشری ہاتھ میں لیئے زبان سے یہ کہہ رہا تھا کہ "ضرب زید عمراً" شیخ اُس سے چہل کی باتیں کرنے لگا اور کہا کیوں صاحب خوارزم اور خطا میں صلح ہو گئی مگر زید و عمر کی خصوصیت بدستور چلی جاتی ہے۔ طالب علم ہنس پڑا اور شیخ کا وطن پوچھا۔ فرمایا خاک پاک شیراز۔ اُس نے کہا کچھ سعدی کا کلام یاد ہے شیخ نے بطریق مزاح اُسی وقت دو عربی شعر کہکر پڑھے اُس نے کسیقدر تامل کے بعد کہا سعدی کا

عبارت شبلی

"جس زمانہ میں خوارزم شاہ نے خطا والوں سے صلح کر لی شیخ کاشغر میں آئے جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا جس میں حسب دستور درسیات کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں سیر کرتے کرتے مدرسہ میں آئے۔ ایک خوش جمال لڑکا زمخشری کی کتاب (غالباً مفصل ہوگی) پڑھ رہا تھا اور یہ فقرہ زبان پر تھا "ضرب زید عمراً" شیخ نے کہا خوارزم اور خطا میں صلح ہو گئی اور زید عمر کا جھگڑا ابتک ختم نہیں ہو چکا لڑکا ہنس پڑا اور ان کا نام و نشان پوچھا انہوں نے کہا شیراز شیخ کا شہرہ عالمگیر ہو چکا تھا۔ شیراز کا نام سنکر اُس نے کہا سعدی کے شعر بھی آپ کو کچھ یاد ہیں انہوں نے عربی کے دو شعر اُسی وقت موزوں کر کے پڑھے لڑکا سمجھ نہ سکا۔ بولا کہ ہمارے ملک میں تو ان کے فارسی شعر مشہور ہیں آپ فارسی میں شعر پڑھتے تو میں سمجھ بھی سکتا۔

زیادہ تر کلام فارسی ہے اگر کچھ اُس میں سے
یاد ہو تو پڑھیئے۔ آپ نے ویسے ہی دو شعر
فارسی پڑھے جنھیں سے ایک یہ ہے ؎

اے دل عشاق بدام تو صید
ما بتو مشغول و تو با عمرو زید

صبح کو جب شیخ نے کاشغر سے چلنے کا ارادہ
کیا تو کسی نے اُس طالب علم سے کہدیا کہ
سعدی یہی شخص ہے وہ بھاگا ہوا شیخ کے
پاس چلا آیا۔ اور نہایت افسوس کیا کہ
پہلے سے آپنے اپنا نام نہ بتایا کہ میں آپکی
خدمت گزاری سے سعادت حاصل کرتا۔
اگر اب بھی چندروز شہر میں چلکر قیام کیجیئے
تو ہم لوگ خدمت گزاری سے مستفید ہوں
اسکے جواب میں آپنے یہ شعر پڑھے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے
قناعت کردہ از دنیا بہ غارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی
کہ باری بندئی از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغز اند
چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند"

از حیات سعدی۔ باب دوم شیخ کی
شاعری کی شہرت اُسکی زندگی میں۔

شیخ نے برجستہ کہا۔ اے دل عشاق بدام تو
صید، ما بتو مشغول و تو با عمرو زید۔ دوسرے
دن کسی نے لڑکے سے کہدیا کہ یہی سعدی
ہیں وہ دوڑا ہوا شیخ کے پاس گیا اور نہایت
اخلاص اور عقیدت ظاہر کی اور کہا کہ آپنے
نام کیوں نہیں ظاہر فرمایا کہ میں خدمت گزاری
کی سعادت حاصل کرسکتا۔ شیخ نے جواب دیا
ع باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم۔
(تیرے سامنے میں یہ نہ کہہ سکا کہ میں ہوں)
لڑکے نے عرض کی کہ چند روز آپ کا قیام ہوتا
تو سب آپ سے مستفید ہوتے۔ شیخ نے کہا
نہیں میں نہیں ٹھیر سکتا۔ یہ اشعار پڑھے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے
قناعت کردہ از دنیا بغارے
بدو گفتم بشہر اندر نیائی
کہ باری بندئی از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغز اند
چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

وقت کی تہذیب دیکھو شیخ جیسا مقدس اور صوفی
منش ایک امرد کو گلے لگاتا ہے پیار کرتا ہے منہ
چومتا ہے اور پھر دیدہ دلیری سے کہتا ہے
ایں بگفتیم و بوسۂ چند بر سر و روی یکدگر دادیم
و وداع کردیم ؎

بوسہ دادن بروئے یار چہ سود
اندراں لحظہ کردنش پدرود

از شعر العجم حصۂ دوم حالات سفر شیخ سعدی صفحہ ۳۸ و ۳۹

یہ بات صاف اور بدیہی ہے کہ علامۂ شبلی نے سعدی کے جو کچھ حالات شعر العجم میں لکھے ہیں وہ حیات سعدی کو سامنے رکھ کر لکھے ہیں[1] اور جسکے لئے زیادہ ثبوت اور شہادت کی احتیاج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم خواجہ حالی کی عبارت میں جو ایک خاص وزن اور سنجیدگی اور بلاغت ہے وہ شبلی کی عبارت میں پائی نہیں جاتی۔ پس ذیل کی توجیہات میں ہم ان فروق (لغزشوں) کو بیان کرتے ہیں۔

(۱) خواجہ حالی کہتا ہے کہ "جس زمانہ میں شیخ کاشغر میں پہونچا ہے" اور شبلی کہتے ہیں "جس زمانہ میں خوارزم شاہ نے خطا والوں سے صلح کر لی شیخ کاشغر میں آئے"۔ ایسے مواقع پر جب کہ ایک سیاح یا مسافر سیر و سیاحت کرتا ہوا کسی مقام پر پہنچتا ہے تو اسکی نسبت یہ کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر پہنچا یا فلاں مقام میں داخل ہوا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حالی نے شیخ کے بیان کی نقل کی ہے کیونکہ شیخ حکایت میں کہتا ہے "بجامع کاشغر در آمدم" جسکا ترجمہ حالی نے "پہنچا" کیا ہے جو بالکل صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔ برخلاف اس کے علامہ شبلی کہتے ہیں "شیخ کاشغر میں آئے" "آئے" یا "آئے" کا لفظ غالباً ایسے مقام پر بولنا صحیح اور مناسب ہوتا ہے جب کہ ایک شخص ایک خاص مقام سے چلکر پھر وہیں آئے اور اسکی حکایت دوسرا شخص کرے اور یہ ظاہر ہے کہ بیان دوسرے شخص کا نہیں ہے خود سیاح (سعدی) کا بیان ہے کہ ایسی حالت میں حالی کا بیان بہ نسبت شبلی کے زیادہ صحیح اور بلیغ ہے۔

(۲) حالی کہتا ہے "جب شیخ کاشغر کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں ایک طالب علم مقدمہ زمخشری ہاتھ میں لئے زبان سے یہ کہہ رہا تھا ضرب زید عمراً" حالی کا یہ بیان واقعہ کے مطابق ہے

---

[1] تالیف یا تصنیف کے وقت ایک مصنف کا دوسرے مصنف کی تحریر یا تصنیف کو سامنے رکھ کر لکھنا معیوب نہیں ہے بلکہ اگر ادائے مطلب اور حسن عبارت میں کوئی خوبی اور باریک اور نازک نکات پیدا کئے جائیں تو یہ امر کمال اور قابلیت پر دال ہوگا۔ چنانچہ علامہ شبلی الغزالی میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب احیاء العلوم کی تصنیف کے وقت قوت القلوب کو بغرض استفادہ سامنے رکھتے تھے اسیطرح سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں کہ وہ مثنوی کی تحریر کے وقت حضرت فریدالدین عطار کی منطق الطیر اور انکی دیگر مثنویات کو پیش نظر رکھتے تھے ۱۲ م

اور حشو و زوائد سے پاک ہے۔ فاضل اجل شبلی کہتے ہیں "جس زمانہ میں خوارزم شاہ نے خطا والوں سے صلح کر لی شیخ کاشغر میں آئے جامع مسجد میں یک مدرسہ تھا جس میں حسب دستور درسیات کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں سیر کرتے کرتے مدرسہ میں آئے ایک خوش جمال لڑکا زمخشری کی کتاب (غالباً مفصل ہو گی) پڑھ رہا تھا اور یہ فقرہ زبان پر تھا ضرب زید عمراً" اس عبارت میں یہ جملے "جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا جس میں حسب دستور درسیات کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں"۔ اور (غالباً مفصل ہو گی)" یقیناً حشو و زوائد ہیں اسلیئے کہ اس مضمون کا ادا کرنا نہ تو ضروری تھا اور نہ اصل حکایت میں اسکا تذکرہ تھا۔

(۳) حالی کہتا ہے " صبح کو جب شیخ نے کاشغر سے چلنے کا ارادہ کیا تو کسی نے اس طالب علم سے کہدیا کہ سعدی یہی شخص ہے وہ بھاگا ہوا شیخ کے پاس چلا آیا"۔ اور علامہ شبلی کہتے ہیں" دوسرے دن کسی نے لڑکے سے کہدیا کہ یہی سعدی ہیں وہ دوڑا ہوا شیخ کے پاس گیا" حالی اور شبلی کے بیان میں یہاں بھی الفاظ "وہ بھاگا ہوا شیخ کے پاس چلا آیا" اور "وہ دوڑا ہوا شیخ کے پاس گیا" میں وہی فرق ہے جس کا ذکر توجیہ اول میں کیا گیا ہے۔ اسلیئے دوبارہ اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) فاضل اجل شبلی مرحوم اسی واقعہ کے آخر میں لکھتے ہیں" وقت کی تہذیب دیکھو شیخ جیسا مقدس اور صوفی منش ایک امرد کو گلے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے، منہ چومتا ہے اور پھر دلیری سے کہتا ہے

این بگفتیم و بوسۂ چند بر سر و روی یکدیگر دادیم و وداع کردیم ~

بوسہ دادن بروی یار چہ سود اندراں لحظہ کردنش بدرود"

اگرچہ یہ واقعہ جسکو شبلی نے اس مقام پر لکھا ہے کتاب گلستاں میں بصراحت موجود ہے۔ لیکن خواجہ حالی نے اسکو اسلیئے نظر انداز کر دیا کہ ان امور کو عوام کی نظر میں (جنمیں نوجوانوں کا طبقہ بھی شریک ہے) لانا اصول تہذیب و عفاف سے بعید تھا اور زمانہ حال کا تو یہ اصول قرار پایا ہے اور اسمیں اسقدر ترقی ہوتی جارہی ہے کہ کورس کی کتابوں میں جو انتخاب دیئے جاتے ہیں وہ اس قسم کے مضامین سے جو نوجوانوں کی قوت شہویہ کو برانگیختہ اور ہیجان میں لائیں خالی ہوتے ہیں۔

اقرب الموارد لغت عربی کی ایک مشہور کتاب ہے اسکا مصنف ملک شام کا ایک

عیسائی ہے اور فن لغت ایک ایسا فن ہے جسمیں ہر قسم کے خیالات کے الفاظ ہونے ضرور ہوتے ہیں مگر مصنف مذکور اپنی کتاب میں اس قسم کے الفاظ کے بعض مادہ بھی ترک کر دیا کرتا ہے۔ حالانکہ فن لغت نویسی اور علم طب اس فروگزاشت کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

سعدی جیسے پاکباز شخص کے حالات میں اُسکے بیجا حرکات اور افعال کا ذکر کرنا گو کہ سعدی کو ناپارسا نہیں بناتا تاہم ایسے اوضاع اور اطوار اور واقعات کا اچھال کر طشت از بام کرنا یقیناً ناپسندیدہ امر ہے اور شبلی ہی کا کام ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کو عرب اور عجم کے حالات اور عادات رسمی و رواجی قوم و ملک سے بے خبری ہے۔ اچھے اچھے شریف خاندان اور اعلیٰ طبقہ کے عجمی لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور چھوٹوں کو جب کہ وہ رخصت ہوتے ہوں اور خاصکر جب کہ سفر کرنے پر آمادہ ہونے ہوں پیشانی اور گال پر بوسہ دیتے ہیں اور یہ عادتیں ملکی رسم و رواج پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس قسم کی عادات و حرکات کو خلاف اصول عفاف و پارسائی تصور کرنا بعید از قیاس ہے۔ اور یہ بھی خیال کرنا غلطی ہے کہ اس قسم کے حرکات قوائے شہوبہ کو ہیجان میں لانے ہیں۔

فقرائے ہنود میں فقیروں کا ایک ایسا بھی مت ہے کہ اُسکے مرد و زن رات دن ننگا پا برہنہ رہ کر معاشرت (زندگی بسر) کرتے ہیں اور اس طرز عمل سے انکی غایت یہ ہوتی ہے کہ قوائے شہوانی دب جائیں یا کمزور ہو جائیں۔ اور یقیناً ایسی حرکات ان جذبات اور قوی کو ضرور دبا دیتی ہیں۔ کیونکہ جو اعضا اور افعال و حرکات ہمیشہ پردہ میں ہوتے ہیں اگر اُن کو ہمیشہ کیلئے پردہ سے عاری کر دیا جائے اور وہ شب و روز عوام کے پیش نظر رہا کریں تو اُن کے دیکھنے سے ہرگز ہرگز قوای شہوبہ کو ہیجان نہیں ہو سکتا[۵۰]۔

(۵) مضامین کا بلحاظ تنوع صحیح طور پر اور مناسب عنوان میں تقسیم کرنا یہ بھی مصنف کی فکر رسا اور کمال قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس واقعہ کو حالی اور شبلی دونوں نے صحیح عنوان میں

---

[۵۰] اگر پردہ میں رہنے والے اعضاء اس قابل نہوں کہ اُن سے فطری اور مقتضائے طبیعت کا کام نہ لیا جا سکے تو اس صورت میں بھی اُن کے بے پردہ ہونے سے دوسروں کے خیالات اور جذبات میں ہیجان نہیں ہو سکتا۔ مثلاً چھوٹے چھوٹے صغیر السن لڑکے اور لڑکیاں اکثر اوقات [illegible]

درج کیا ہے۔ لیکن بمقابل شبلی کے حالی کا بیان صحیح تر اور موزوں تر عنوان میں درج ہوا ہے"۔
شبلی نے اس واقعہ کو سعدی کے "حالات سفر" کے عنوان میں درج کیا ہے جو بجائے خود صحیح ہے۔ لیکن حالی نے اسکو زیر عنوان شیخ کی شاعری کی شہرت اُسکی زندگی میں" بیان کیا ہے اور حسن خوبی اور انداز سے واقعہ کو بیان کیا ہے اُس سے شیخ کے سفر کا عنوان بھی چھوٹ نہیں سکا اور پھر اسکے لیئے علیحدہ جو موزوں عنوان اختیار کیا ہے اُس نے اور بھی مزید لطافت پیدا کر دی۔
شعر العجم حصۂ اول صفحہ ۱۴۴ سے بھی اس قسم کا ایک بیان نقل کیا جاتا ہے جسکے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کو ایسے خیالات کے اظہار میں ایک لطف اور مزہ آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"ایشیائی شعرا کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے میں حسن و عشق کا کہیں"
"اتفاقی موقع آجاتا ہے تو اسقدر پھیلتے ہیں کہ تہذیب و متانت کی حد سے کوسوں آگے"
"نکل جاتے ہیں۔ نظامی اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام میں آکر ننگے ہو جاتے ہیں"۔
"لیکن فردوسی باوجود اس کے کہ اسکو تقدس کا دعوٰے نہیں ایسے موقعوں پر آنکھ نیچی کیئے"
"ہوئے آتا ہے۔ اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز"
"نگاہ ڈالتا ہوا گزر جاتا ہے۔ بیژن اور منیژہ کی صحبت عیش کو جہاں لکھا ہے"۔۔۔۔۔آہ

مذکورۂ بالا فقرہ میں جس جملہ پر ہم نے خط کھینچا ہے اور جس کے ہر دو طرف کا مالگائے ہیں اس سے ناظرین خود اندازہ فرمائیں گے کہ اس موقع پر اس خیال کے اظہار کی کسقدر اور کہاں تک ضرورت تھی۔
ہم دیکھتے ہیں کہ مضمون کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ مواد تو اسقدر ہے کہ اس سے چوگنی وسعت بھی مضمون کے پھیلاؤ کے لیئے بشکل کافی ہو سکے لیکن اب ہم اسکو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے بلکہ صرف ایک عبارت کے نقل و تبصرہ پر اسکو ختم کرتے ہیں۔
سعدی کے ایک شعر پر شبلی مرحوم نے جو تنقید کی ہے اور اس میں جو کچھ نقص ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:- "سعدی کا شعر تھا ؎

"شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے۔ لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو"

"چلا جائے لغویات ہے۔ اسلیئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ہے

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی[1]

علامۂ شبلی کی اس عبارت اور تنقید میں جو لغزشیں اور خطائیں ہیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) "سعدی کا شعر تھا"۔ یہ جملہ مبتدا ہے مگر اس کی خبر ندارد ہے۔ سائل پوچھ سکتا ہے کہ سعدی کا شعر تھا تو اس میں کیا خرابی اور کیا نقص تھا۔ یہ کسی کو شک و شبہ نہ تھا کہ یہ سعدی کا شعر نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ شبلی نے اس عیب کو اسکے بعد کی عبارت میں جو "لغویات" ہے پر ختم ہوئی ہے بتا دیا ہے اور وہ اسکی خبر ہو سکتی ہے۔ اسکے جواب میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ "سعدی کا شعر تھا" کے بعد سے "لغویات" ہے تک کی عبارت جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ اپنے ماسبق مبتدا کا خبر نہیں ہو سکتا۔

البتہ یہ مطلب اسطرح اور اس عبارت میں یا اسی کی طرح اور عبارت میں ادا ہو سکتا تھا اور کوئی عیب یا اعتراض پیدا نہ ہوتا۔

"سعدی کے اس شعر میں یہ بڑا عیب تھا کہ وہ معشوق کو دوسرے شہر میں چلے جانے کی صلاح دیتا ہے" اسکے بعد اصل شعر اور اسکا ترجمہ دیا جاتا تو یہ خرابی پیدا نہ ہوتی۔

(۲) "اسلیئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا" یہ جملہ بھی بے معنی اور مہمل معلوم ہوتا ہے کیونکہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ کسی امر ماسبق کی دلیل یا علت ہے حالانکہ اس کا اگلے بیان میں نام و نشان تک پایا نہیں جاتا۔

(۳) خسرو کا شعر بادی النظر میں اس عیب و اعتراض سے جو سعدی کے شعر میں بتایا گیا ہے صاف و پاک معلوم ہوتا ہے لیکن اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو سعدی کا شعر خسرو کے شعر سے بلیغ اور لطیف تر ثابت ہوگا۔

(۴) خسرو کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق نے تیغ ناز سے اتنا قتل عام کیا ہے کہ

---

[1] دیکھو موازنۂ انیس و دبیر صفحہ ۲۳ و ۲۴۔ ہم موازنۂ انیس و دبیر پر بشرط فرصت ایک مفصل تبصرہ کرینگے اگر خدا نے چاہا! ۱۲

دنیا میں کوئی متنفس باقی نہیں رہا جن کا دل چھینا جا سکے۔ پس اس صورت میں معشوق کو اپنے دم عیسیٰ سے یہ کرنا ہوگا کہ اپنے انھیں مقتول عاشقوں کو ان کے لیئے ہوئے دل دیکر پھر زندہ کرے۔ اور یہ بات کچھ زیادہ لطافت اور خوبی کی نہیں ہے کہ انھیں دلوں کو دوبارہ اُن (عاشقوں) سے لینے کا موقع ہاتھ آئے۔

برخلاف اسکے سعدی کے شعر میں بے انتہا نزاکت اور خوبی ہے یعنے سعدی کہتا ہے کہ شہر بھر میں کوئی عاشق زندہ نہیں رہا جنکا دل معشوق چھین سکے۔ ایسی صورت میں اگر معشوق کو اور نئے دل لینا منظور اور مطلوب ہو تو اُسکو اتنی زحمت گوارا کرنی ہوگی کہ نئے دل پیدا کرنے کیلئے وہ کسی دوسرے شہر کو جائے۔ پس معشوق کو ایسی صلاح دینی یا اُس سے ایسی درخواست کرنی معشوق کی جناب میں بیجا گستاخی نہیں سمجھی جا سکتی جس سے اُس کی شان معشوقیت میں کوئی عیب لگ سکے۔

اب تک ہم نے مضمون کے نتیجہ یا اپنے فیصلہ کو:۔

کہ "نذیر احمد۔ شبلی۔ آزاد اور حالی میں سب سے بڑا انشاءپرداز اور اردو کی سب سے زیادہ خدمت انجام دینے والا کون ہے"

صاف طور پر نہیں بتایا ہے اسلیئے اب ہم اسکو واضح طور پر بتاتے ہیں۔

محاکمہ کا نتیجہ یا فیصلہ

۱۔ "مذکورہ بالا چاروں محترم افراد میں حالی سب سے بڑا انشاءپرداز ہے۔ اور حالی کی انشاءپردازی کی وجوہ ترجیح تفصیل نہایت تفصیل اور توضیح و تشریح سے اوپر مذکور ہو چکی ہیں"

۲۔ اُردو کی سب سے زیادہ خدمت انجام دینے والا علامہ شبلی ہے جس کے مفصل وجوہ بصراحت اوپر بتائے گئے ہیں۔

---

(۱) بڑا ظلم اور سخت ناانصافی ہوگی اگر ہم اس مقام پر اُس شخص کا ذکر نہ کریں جو اردو زبان کی ۳۸۳

زیادہ خدمت انجام دینے میں ان چاروں سے سابق القدم ہے۔ یعنی شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم۔
اُردو میں ذکاء اللہ کی تصنیفات کی کثرت اور بلحاظ صفحات کے اتنی زیادہ ضخامت رکھتی ہے
کہ اگر نذیر احمد۔ شبلی۔ آزاد۔ اور حالی کی تصنیفات سب کی سب جمع کیجائیں تو بھی ذکاء اللہ کی تصنیفات
کی ضخامت کو نہیں پہونچ سکتیں۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اور دل بھی گواہی دیتا ہے کہ ذکاء اللہ کی تحریر کے صفحات کی
تعداد ایک لاکھ یا اُسکے قریب ہے۔

ذکاء اللہ کی تصنیفات کی وقعت ان سب سے زیادہ اسوجہ سے بھی کرنی چاہئیے کہ انکی تصنیفات یا
انکی اردو زبان کی خدمت گزاری شعبہ ریاضی اور تاریخ سے متعلق ہے جس سے مسلمانوں کے دماغ عام طور پر
کورے نظر آتے ہیں اور جسکی کہ انکو بہت حاجت ہے۔ اور تمام علوم وفنون میں ریاضی وہ شعبہ ہے کہ
بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں کوئی علم اور کوئی فن اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

(۲) موجودہ زمانہ میں اردو کے بعض انشا پرداز ایسے جادو بیان پیدا ہوئے ہیں جنکی فصاحت
اور شیریں بیانی نے اپنے مابق محترم اور لائق وروشن دماغ افراد کی فصاحت وبلاغت کو بھلا دیا ہے
اور انہوں نے رات دن اردو زبان کی خدمت گزاری پر اپنے کو وقف کردیا ہے۔ اس سے ہماری
مراد خواجہ حسن نظامی صاحب اور راشد الخیری صاحب ہیں۔ موخر الذکر قابل قدر ہستی کا طرز تحریر خاصکر
ٹریجڈی میں کمال کے اُس بلند تر رتبہ پر پہنچا ہے جو اپنا نظیر نہیں رکھتا وہ رنج وغم کا سین اپنے
جادو نگار قلم سے ایسا کھینچتے ہیں کہ اسکے پڑھنے اور سننے والے سنگدل اور قسی القلب کی
آنکھوں سے نا ممکن ہے۔ کہ آنسوؤں کی جھڑی نہ لگ جائے۔

ہمارے مضمون کے آخری مذکورہ دو فقرے غالبًا عوام کی نظر میں معنون موضوع سے
کسیقدر ہٹے ہوئے معلوم ہونگے۔ لیکن ہم کو یقین ہے کہ مانع نظروں کے خیال میں یہ فقرے
اصل مضمون سے بے تعلق نہیں ہونگے بلکہ اگر غور اور تامل کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ ان کو
مضمون معنون سے ایسا گہرا اور ضروری تعلق معلوم ہوگا جیسا کہ ناخن کو انگلیوں کے
گوشت سے ہوتا ہے۔

راقم
سید جلال غفر لہ ولوالدیہ

المرقوم چہار دہم ذوالقعدہ ۱۳۴۳ھ
مطابق ۷ ، جون ۱۹۲۵ء روز یکشنبہ (حیدرآباد دکن)

سلام

از جناب نواب سید کاظم علیخاں بہادر بی اے (عثمانیہ)

بیکسی میں شاہ کی حاجت روائی دیکھ لی — آتشِ دوزخ سے دی حُر کو رہائی دیکھ لی

ہوکے قیدِ غم چلی زہراؑ کی جائی دیکھ لی — لاش پر شہ کے بہن رونے نہ پائی دیکھ لی

مار کر مرحب کو حیدر جب بڑھے با کرّ و فر — بابِ خیبر کھل گئے مشکلکشائی دیکھ لی

دوش پر کاندھے پہ اور ہاتھوں پہ پیچھے لو محمد پر — شانِ حیدر حق کے مرسل نے دکھائی دیکھ لی

مار کر مُردے جلائے حیدرِ کرار نے — ہمنے اس بندہ پہ شانِ کبریائی دیکھ لی

تجھ میں جو سونپا گیا پہنچا وہ سیدھا خلد میں — اے زمینِ کربلا تیری رسائی دیکھ لی

اُنکی عصمت کی قسم قرآن میں کھاتا ہے رب — فاطمہ خیر النسا کی پارسائی دیکھ لی

تھے ادھر حق کے فدائی اور اُدھر سب زر پرست — کربلا میں حق و باطل کی جدائی دیکھ لی

خود مسلمانوں کے ہاتھوں کربلا کے دشت میں — بنتِ احمدؐ کے بھرے گھر کی صفائی دیکھ لی

قطعہ

ایک دن وہ تھا خدا کے پاس سے جبریل نے — بہرِ زہراؑ چادرِ تطہیر لائی دیکھ لی

ایک دن یہ ہے کھلے سر دخترِ خیر النسا — قید ہوکر بر سرِ دربار آئی دیکھ لی

ہمنے حیدر سا سخی پایا نہ اے کاظم کہیں — ڈھونڈ ڈالا دو جہاں ساری خدائی دیکھ لی

میری دُنیا

عزیز وہ ہے کی "جو چشمِ کرم کی آرزو" میں نے — عزیز ایسے جنھیں میں جان سے بڑھکر سمجھتا تھا

جو میری "قوتِ دل" کے لئے سامانِ نازش تھے — میں اس دنیا میں اپنا "خاص حق" جنپر سمجھتا تھا

"محبت" بنگئی تھی جن کی "رازِ زندگی" میرا — جنھیں میں چارہ فرمائے دلِ مضطر سمجھتا تھا

یہی اس خاکدانِ دہر کے کچھ منتشر ذرے — انہیں میں رو کشِ مہر و مہ و اختر سمجھتا تھا

"فراقِ اجزائے ہستی" کے لئے اک برق لرزاں تھا — کہ میں "رفتارِ دل" کو جنبشِ مضطر سمجھتا تھا

فضائے دل سراپا محشرستانِ تمنا تھی — انہیں میں آفتابِ عرصۂ محشر سمجھتا تھا

تو دیکھا میکدہ آسودۂ رنگیں مقالی تھا — مگر صہبا کی دلکش جھلکیوں سے جام خالی تھا

ہوئی احباب سے آخر امید اعتنا مجھ کو — کہ یہ اس کشتِ زارِ ہستیٔ دنیا کا حاصل ہیں

اگر دنیا کو "سینہ" فرض کرلیں اور پھر دیکھیں — تو احباب و فا احساس انہیں صورتِ دل ہیں

گرا دو عالمِ امواج کی شورش کے دیوانے
ترے دریا سکوں پروردۂ آغوشِ ساحل ہیں

نہ جا او بے خبر پھولوں کی رنگیں ماجرائی پر
کہ اجزائے خس و خاشاک بھی گلشن میں داخل ہیں

امیدیں نا امیدِ کامیابی ہو گئیں آخر
امنگیں تھک کے آغوشِ سکوں میں سو گئیں آخر

یکایک مطربِ فطرت نے اپنا ارغنوں چھیڑا
رگِ افسردۂ ہستی میں گویا روح دوڑا دی

ندا آئی کہ دیوانے! ادھر آ جا وداں ہو جا
کسی نے پھر "زمانہ" کی حقیقت مجھ کو سمجھا دی

مری خاطر خداوندِ جہاں آرائے فطرت نے
زمانہ سے جدا دنیائے نو اک خلق فرما دی

دبی چنگاریاں پھر مشتعل ہونے لگیں دل میں
فروغِ رنگ نے پھر آتشِ احساس بھڑکا دی

سکوتِ محفلِ شب نے تڑپ کی لذتیں بخشیں
کبھی ہنگامۂ بزمِ سحر نے روح چمکا دی

گزر ناکامیوں کا میرے دل میں ہو نہیں سکتا
مجھے دنیا میں جنت بخش دی، یہ زندگی کیا دی

قریبِ زندگی سے زندگی کی رمز بینی میں
جو گتھی پڑ گئی تھی ناخنِ فطرت نے سلجھا دی

سن اے غافل! سرائے دہر دانوں کی بستی ہے
یہ انسانوں کی دنیا چند بے جانوں کی بستی ہے

مرے احباب ہیں شفاف نہریں مضطرب موجیں
شگفتہ گل نئے غنچے ہیں میرے رشتہ داروں میں

مرے چہرے سے موجیں گردِ غم کو پاک کرتی ہیں
رہا کرتا ہے اک رقصِ ترنم آبشاروں میں

مجھے افسردگی سے آشنا ہونے نہیں دیتی
لطافت ہے کچھ ایسی پھولوں کے رنگیں عذاروں میں

گراں ہوتا نہیں میری خوشی پر اُن کو مٹ جانا
جو گل زیبِ گلستاں ہیں وہ گندھ جاتے ہیں ہاروں میں

مرے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرتی ہے
وہ لرزش بھی جو رہتی ہے نمایاں شب کو تاروں میں

مرے کھوئے ہوئے احساس کو ہشیار کرتی ہے
وہ جنبش بھی جو ہوتی ہے سحر کو شاخساروں میں

کسی نے روح کی گہرائیوں میں شورشیں بھر دیں
کوئی مطرب چھپا بیٹھا تھا شاید شاخساروں میں

رگِ گل خستگی کی شان میں ہوتی ہے جب ظاہر
تو روحِ زندگانی دوڑنے لگتی ہے خاروں میں

مری شامِ سکوں پرور میں نغموں کا خزانہ ہے
مری روشن سحر ہے حسن کے آئینہ داروں میں

خزاں میرے چمن کی حد میں داخل ہو نہیں سکتی
کہ رنگِ جاوداں رکھا گیا ہے ان بہاروں میں

بس اب میں ہوں یہ عشرت گاہ ہے وارفتہ حالی ہے
مری دنیا غم و افکار کے جھگڑوں سے خالی ہے

روحِ ادب

انتخاب مشاعرہ منعقدہ مکان حضرت باغ مد کرمہ
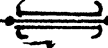
حضرت اختر

مشکلیں بڑھکر ہوئیں عنوان آسانی مجھے / اب پیام امن دیتی ہے پریشانی مجھے
کر رہی تھی بطن فطرت میں خبردار حیات / میری آبادی سے پہلے میری ویرانی مجھے
مسکراتا دیکھتا ہوں صبح کی تنویر کو / کسقدر عشرت فزا ہے گریہ سامانی مجھے
کب تک اے حسن نہاں ناکام نظارہ رہوں / کب تک اب کرنی پڑیگی اپنی قربانی مجھے
زحمت دولت سے بہتر عشرت بے مائگی / حسرت کوشش سے اچھی میری عریانی مجھے
صبحدم جب دیکھتا ہوں سوئے دور کائنات / کثرت انوار سے ہوتی ہے حیرانی مجھے
چھیڑتی ہے پھر سنا کر نغمۂ بزم الست / جلوۂ صبح ازل کی خندہ سامانی مجھے
ذرہ ذرہ مضطرب ہے جلوہ گاہ حسن میں / گم کئے دیتی ہے لیکن میری حیرانی مجھے
صحن گلشن، دور صہبا اور وہ کافر بے حجاب / شام کی تاریکیاں ہیں صبح نورانی مجھے
جس کے جلوؤں سے فضائے آسماں لبریز ہے / اس سراپا ناز کی کرنی ہے مہمانی مجھے
کیا بتاؤں کس لئے اختر رہا اظہار شوق / وعدہ وہ کرتے ہیں ہوتی ہے پشیمانی مجھے

حضرت اصغر (بیرسٹرایٹ لا)

نزع میں ہے کوئی آسانی سی آسانی مجھے / وہ پلاتے ہیں لب سوفار سے پانی مجھے
اپنے یاروں نے لگادی اور اک شاخ کفن / دست قدرت نے عنایت کی تھی عریانی مجھے
مختصر اتنی سی کیفیت شب وعدہ کی ہے / کچھ پشیمانی تھی انکو کچھ پشیمانی مجھے
ٹکٹکی آنکھوں میں ہے چھائی ہوئی ہے بیکسی / کوئی حیرانی سی ہے کمبخت حیرانی مجھے
رات دن اس قید ہستی میں ستانے کیلئے / لائی ہے خلد بریں سے میری نادانی مجھے

سوتے سوتے رہ گیا اصغر کا جاگا ہوا نصیب
دیتے ہیں وہ آپ اپنے ہاتھ سے پانی مجھے

حضرت الم

ہے غضب آہوں کی ہر دم شعلہ افشانی مجھے
پھونک دے گی دم کہیں یہ سوز پنہانی مجھے

ہو گیا ہوتا کبھی کا قلزم ہستی سے پار
مل گئی ہوتی کوئی کشتی جو طوفانی مجھے

دل میں تھوڑی سی جگہ اے الفت اصنام چھوڑ
پہلوے بت خانہ اک مسجد ہے بنوانی مجھے

اے الم میں اور یہ لطف زبان حسن کلام
ہے ابھی استاد سے تعلیم روحانی مجھے

حضرت انوار

کانپتا ہوں دل میں صد ہا حسرتوں کو دیکھ کر
اس بھرے گھر میں نظر آتی ہے ویرانی مجھے

میری آنکھوں پر تو ڈالے ہیں مری آنکھیں حجاب
کیا نظر آئے ترے جلووں کی عریانی مجھے

روح میں تعمیر ہونیکو ہے اک دنیا نئی
یہ خبر دیتی ہے میرے دل کی ویرانی مجھے

حضرت اسد

بخش دیں تو نے خطائیں میری بے التجا
اپنی تو یہ پر ہوئی یارب پشیمانی مجھے

مل گیا برسوں کی سوزش کا نتیجہ داغ دل
ہاتھ آئی عشق سے مہر سلیمانی مجھے

جوش میں پھر کیوں نہ آئیں لوٹے دل کے اللہ
دو جہاں تم سے ہے بہتر دور عثمانی مجھے

حضرت باغ
صاحب مشاعرہ

دیکھ کر وحشت میں گرم دامن افشانی مجھے
اپنے سایہ میں چھپا لیتی ہے عریانی مجھے

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی سزاے جرم عشق
مسکرا کر دیکھتی ہے میری نادانی مجھے

منحصر تھا جن تمناؤں پہ ہستی کا مدار
اون جگر گوشوں کی اب کرنی ہے قربانی مجھے

میں ہوں نکہت کی طرح آزاد قید جسم سے
خود نظر آتی نہیں ہے اپنی عریانی مجھے

جھانکتی ہے روزن رحمت سے رحمت کی نگاہ
دیکھتی ہے پردہ مشکل سے آسانی مجھے

نقش سجدے سے مری تقدیر روشن ہوگئی
باغ نورانی نظر آتی ہے پیشانی مجھے

حضرت تصور

بخت آئینہ جو کردے عشق ارزانی مجھے
جلوہ زارِ حسن ہو آغوش حیرانی مجھے

تھی کشش سے عشق کی اک لہر ہی آئی مجھے
کر دیا دریادلی نے جذب طغیانی مجھے

بھر رہا ہے عشق سے دل۔ اک روز گھر بھر جائیگا
کیا عجب آباد کردے میری ویرانی مجھے

ہو رگِ دل کا ترنم۔ یا فغان بیکسی
ہے بہر صورت کوئی زنجیر کھڑکانی مجھے

بے حقیقت لختِ دل۔ اشک تمنا بے بساط
اس پہ کرنی ہے غم جاناں کی مہمانی مجھے

شانِ استغنا کا بھی ہے کسقدر پایہ بلند
مور کہتا ہے کہ حاصل ہے سلیمانی مجھے

تھا دہاں ہر نقش میں آئینۂ حسن ازل
ذرہ ذرہ تھا جہاں تصویر حیرانی مجھے

چل گئی بادِ صبا۔ غنچہ کھلا۔ مرجھا گیا
کم سے کم اتنی ہنسی دے عشرتِ فانی مجھے

اے تصور سر میں سودا ہے نہ دل میں آرزو
دونوں عالم میں نظر آتی ہے ویرانی مجھے

حضرت جوش (ملیح آبادی)

شب تصور نے یہ بخشا اوجِ روحانی مجھے
اپنے قدموں پر ملی گردوں کی پیشانی مجھے

الامداد اے ناخنِ وحشت سلام اے عقل و ہوش
کھل رہا ہے عقدۂ تخلیق انسانی مجھے

دفترِ عالم کا راز اک سطر میں سمجھا دیا
جادۂ عرفاں ہے تیری چین پیشانی مجھے

ایک اک قطرہ مجھے دیتا ہے درسِ روشنی
ایک اک ذرہ نظر آتا ہے نورانی مجھے

چھوڑ ساحل، فتح کر طوفان، موتی رول لے
دے رہی ہے یہ صدا دریا کی طغیانی مجھے

دل نشیں ہے کس قدر گورِ غریباں کا سواد
کیا بھلی لگتی ہے یہ آباد ویرانی مجھے

ہڈیاں جمشید و کیخسرو کی ہیں کس قبر میں
کچھ بتا دے اے غرور طبع انسانی مجھے

وہ مقام اتصال آیا ہے اے یارِ حبیب
سب سے پہلے اب تری کرنا ہے قربانی مجھے

لکھنؤ کیا چھٹ گیا اے جوش دنیا چھٹ گئی
اب کہاں ممکن وہ سامان غزلخوانی مجھے

حضرت خیالی

تشنہ کامی دیکھ ریخ تشنہ کامی کچھ نہ پوچھ
بن گیا ہے آج کل اپنا لہو پانی مجھے

غمزدوں کو شاد کامی سے بھلا کیا واسطہ
خندۂ زخم جگر ہے خندہ پیشانی مجھے

ان کا ملنا سہل ہے لیکن خیالی کیا کروں — دم بھی لینے دے کہیں یہ دردِ پنہانی مجھے

حضرت رعنا

ہو گئی جمعیت خاطر۔ پریشانی مجھے — عین ساماں اے فلک ہے بے سامانی مجھے
کر رہا ہے کب لذتہائے حیرت آئینہ — مل رہا ہے درس شوق دید پنہانی مجھے
اب تو جھک پڑتی ہے ہر اک آستاں پر خود بخود — ایک آفت ہو گئی ہے میری پیشانی مجھے
دل کا ہر ٹکڑا بنے اک جلوہ گاہ نازِ حسن — آئینہ خانہ بنا دے دردِ پنہانی مجھے
اہل زنداں پر بھی رعنا مجھکو رشک آنے لگا — کیا مصیبت ہے مرا ذوق تن آسانی مجھے

حضرت رہبر

اس میں اے قاتل ہے مضمر زندگی جاوداں — آب حیواں ہے تری تلوار کا پانی مجھے
بہ گئے خوں ہو کے آنکھوں سے مرے قلب و جگر — پھر بھی کرنی ہے غم جاناں کی مہمانی مجھے

حضرت زیرک

بار تھا سر پر چڑھانا تیغ کا پانی مجھے — تو نے ہلکے گھاٹ اوتارا او گرانجانی مجھے
لذت آزار کی دل سے ہوس مٹنے نہ دی — موت نے رکھا حریص دردِ پنہانی مجھے
زیر دامن بجھ کے کہتا ہے چراغ زندگی — کر گئی ٹھنڈا اجل کی دامن افشانی مجھے
زندگی کام آئی کچھ زیرک نہ ہجر یار میں — موت بھی آخر ہوئی وجہ تن آسانی مجھے

حضرت سیفی

دامن دل کا رفو کیا خاک ہوئے ہم نفس — اتنی فرصت بھی تو دے چاک گریبانی مجھے
اب قیامت آئے گی تو کیا لگا ڈیگی مرا — کر چکی پامال تیری فتنہ سامانی مجھے

حضرت ضامن

حضرت موسیٰ کی حالت پر ہے حیرانی مجھے — طور کیا دنیا فریب جلوہ سامانی مجھے
سایۂ بال قیامت پر حسیم اقبال ہے — ساز و ساماں بن گئی بے ساز و سامانی مجھے
اب ہے سارا وسعت آباد جہاں زیر نگیں — کسقدر راس آئی میری خانہ ویرانی مجھے
وہ سمجھتے ہیں تو سمجھیں اشک حسرت کو حقیر — ان کا ہر قطرہ نظر آتا ہے طوفانی مجھے

ہے پر پرواز ہمت کو تلاش لامکاں　　وسعت ہستی ہے ننگ بال افشانی مجھے

کر چکا تو انتخاب غم دل مشکل پسند　　اب زمانہ بھر کی دشواری ہے آسانی مجھے

شکر ہے ضامن پسند آئی انہیں جنس نیاز　　موج رحمت بنگئی اشکوں کی طغیانی مجھے

حضرت عیش

سوزش غم نے وہ بخشی آتش افشانی مجھے　　شعلۂ آتش نظر آنے لگا پانی مجھے

مٹ گئی دست و گریباں کی وہ ساری کشمکش　　کر دیا وحشت نے جب سے وقف عریانی مجھے

حضرت لبیب

کس کی غیرت ہے سبق آموز ویرانی مجھے　　ہر نفس ہوتا ہے فیضان پریشانی مجھے

تنگ دامانی دل تھی جنوں کی دلیل　　ورنہ ہر جلوہ تھا درس چاک دامانی مجھے

لے چلا وہ دشمن جاں روز روشن لیچلا　　دیدہ و دل دے گئے پیغام حیرانی مجھے

دل پہ بنتے دیر لگتی ہے کہ اس کے سامنے　　ایک دن کرنی پڑیگی اپنی قربانی مجھے

عشرت یک لمحہ کو عمر گرامی جانیے　　اس کے قدموں پر اگر لکھی ہو موت آئی مجھے

بیت گئے نشتر سے تو نکلا ہوں لبیب　　ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس منزل ہے پہنچانی مجھے

حضرت مرزا

آئینہ وہ دیکھتے ہیں دیکھنا میری طرف　　ایک حیرانی انہیں ہے ایک حیرانی مجھے

حضرت واثق

عشق میں بہکائے گی کیا عقل دیوانی مجھے　　عین دانائی نظر آتی ہے نادانی مجھے

برق بن ہاں برق بن اتنا چمک اے درد دل　　پھونکدے ہاں پھونکدے اے سوز پنہانی مجھے

جان بھی وہ لے چکے ایمان بھی وہ لے چکے　　اب کوئی کرنی پڑیگی اور قربانی مجھے

کیا تعجب گر یہی ہے انقلاب آسماں　　ابر تر پھونکے جلائے برق دے پانی مجھے

اک صدا اس سن کی سنتا ہوں در و دیوار سے　　کس زباں میں کوستی ہے خانہ ویرانی مجھے

ہائے کیا ڈھیلا کفن ہے غیر کا جیسے لباس　　کتنی سجتی تھی قبائے چست عریانی مجھے

شکر ہے واثق وہ غافل اب جفا کرنے لگا　　ہے کشادہ دل کا مژدہ چین پیشانی مجھے

حضرت ہاشمی

شیخ عین الدین گنج العلم

بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ

المتولد ۷۰۶ھ — والمتوفی ۷۹۵ھ

دکن کے اکابر صوفیہ سے ہیں آپ دہلی سے سلطان محمد بن تغلق کے
زمانے میں دکن تشریف لائے اور یہاں اپنی عمر کے کم و بیش پچاسی
سال گذارے اس عرصے میں اہل دکن کیلئے آپنے بہت سے چھوٹے
چھوٹے رسالے دکھنی زبان میں تصنیف فرمائے منجملہ انکے ایک رسالہ
ہمارے ایک صوفی مشرب کرم فرما کی عنایت سے میسر آیا ہے اور اسے
ہم معراج العاشقین کی طرح رسالہ تاج میں عنقریب شایع کرنے والے ہیں اور
مثل معراج العاشقین کے اسپر بھی ایک محققانہ دیباچہ لکھا گیا۔

رجسٹرڈ آصفیہ نشان ۳۲ | اللہ اکبر | رجسٹرڈ انگلشیہ ایم

حیدرآباد دکن کا مشہور علمی ماہوار رسالہ

تاج

جلد (۳) نمبر (۲)

ماہِ تیر ۱۳۳۴ف

مدیر: غلام محمد انصاری وفا

رفیق مدیر: رگھناتھ راؤ درد

تاج پریس مانی کمپیکر سے شایع ہوا

دفتر رسالہ تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصولڈاک صہ | غیر اصحاب سے اس نمبر کی قیمت

(۱) یہ رسالہ ۶۴ صفحے پر ہر ماہ الٰہی میں ایک بار شائع ہوتا ہے

(۲) اسمیں مشرق و اہل مشرق خاصکر ہند اور اہل ہند کے متعلق مباحث ذیل پر مضامین شائع ہوتے ہیں

(۱) تاریخ و جغرافیہ

(۲) آثار و عتائق

(۳) آداب و السنہ

(۴) اقوام و قبائل اور انکے مقامی روایات ضرب الامثال وغیرہ کی تحقیقات

(۳) اشاعت کیلئے صرف وہی مضامین انتخاب ہوا کرتے ہیں جو مباحث مذکور پر کمال تحقیق و تدقیق کے بعد لکھے گئے ہیں۔

(۴) جن مضامین میں مذہبی اور سیاسی مباحث پائے جاتے ہیں وہ نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں

(۵) رسلہ کی قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے۔

(۶) بنظر احتیاط پرچہ ذریعۂ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ بھیجا جاتا ہے پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر ماہ الٰہی کے آخری ہفتے میں ناظم صاحب چھاپہ اور نیز دفتر ہذا کو دینا چاہیئے تاکہ رفع شکایت کا انتظام کیا جائے۔

(۷) جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر غلام محمد انصاری وفا مدیر تاج چھتہ بازار حیدر آباد دکن کے نام ہوا کرے اور جواب طلب امور کے لئے کارڈ جوابی یا نیم آنہ کا ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

قابل دید کتابیں

تاریخ زبان اُردو جسمیں زبان اردو اور اُسکے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ۔ ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعرا اور مصنفین کے صحیح حالات تحریر ہیں جسکو عربی، فارسی، اُردو، انگریزی، فرانسیسی جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کرکے مرتب و مدون کیا گیا ہے **قیمت** کاغذ چکنا ۲ کاغذ کھرا ۱۲

معراج العاشقین حضرت بندگی مخدوم ابو الفتاح صدر الدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز شہباز بلند پرواز رحمۃ اللہ علیہ کا بزبان دکنی تصوف کا ایک قابل قدر رسالہ ہے جس پر مولانا عبد الحق صاحب بی۔اے سکرٹری انجمن ترقی اردو نے ایک محققانہ دیباچہ لکھا ہے قابل دید رسالہ ہے **قیمت** کاغذ چکنا ۱۰ کھرا ۸

مسکوکات عظیمہ جسمیں سلاطین مغلیہ کے عظیم الشان مسکوکات پر ایک محققانہ رسالہ ہے جسمیں اُن محیر العقول مسکوکات کے نقشے بھی دیئے گئے ہیں **قیمت** ۶

مسکوکات قدیمہ۔ ہندوستان جنوبی کے سکہ جات طلائی جنکا نام مسلمان مورخین ہون لکھا ہے اور بزبان ٹامل وریاہ اور یوروپین لسنہ میں پکوڈا کہتے ہیں ایک محققانہ رسالہ ہے اسمیں نقشے بھی دیئے گئے ہیں **قیمت** ۵

ظہیر فاریابی۔ اس رسالہ کی تدوین میں ظہیر کی منظومات کے علاوہ عربی فارسی اردو انگریزی فرانسیسی کی بہترین سے زیادہ معتبر و مستند کتابوں سے مضامین اخذ کئے گئے ہیں **قیمت** ۵

محاکمہ شمس العلما نذیر احمد شمس العلما شبلی شمس العلما محمد حسین آزاد شمس العلما حالی ان چاروں زبردست شخصیتوں کی انشا پردازی پر ایک عالمانہ و محققانہ محاکمہ کیا گیا ہے۔ قابل دید محاکمہ ہے **قیمت** ۱۰

زینہ ترقی بعض خود ساز اشخاص کی سوانحعمریاں اور نصیحت خیز نظمیں جمع کیگئی ہیں **قیمت** ۶

سوز نہانی مولانا ثاقب بدایونی کا دلچسپ واسوخت ہے۔ **قیمت** ۲

نمکدان سخن مشاہیر شعرائے ہند کے پر مذاق لطائف کا مجموعہ **قیمت** ۴

جولیس سیزر و تسخیر فرانس سر آمد شعرائے یورپ **شکسپیئر** کے بہترین تاریخی اور رزمیہ ڈرامے ہیں مترجمہ مولوی سید تفضل حسین صاحب بانثر جو بسرپرستی سررشتہ تعلیمات شائع ہوئے ہیں۔ قابل دید ڈرامے ہیں بہت کم جلدیں باقی رہگئی ہیں **قیمت** فی جلد دو روپے ہر دو جلد کے خریدار وں سے (۳)

قائد القواعد اردو کا سب سے بہتر بالتصویر قاعدہ جو ہجوں کی مشکلات سے بری محض آوازوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔ بچوں کیلئے صحیح معلمی اصول ابتک ایسا قاعدہ شائع نہیں ہوا **قیمت** ۴

نوشتہ

وفا

مدیر "تاج"

(۱) چہار درویش منظوم

یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ جو میر محمد علیخاں اورنگ آبادی المتخلص شوق کی تصنیف ہے اسکا آغاز ۱۲۱۲ھ میں اور اختتام دو سال کے بعد ۱۲۱۴ھ میں ہوا ہے۔ کتاب کے آخر میں آغاز و اختتام کی دونوں تاریخیں درج ہیں۔

غرض مثنوی جب کیا ابتدا — یہی سال تاریخ صوری لکھا
تھے اثنا عشر کے تصدق سے بس — احاد اور سات بارا سے بس
وہیں سورۂ معنوی کے قریب — لکھا سال تاریخ "لفظ غریب"

دو قطعے لکھا ہندی اور فارسی — ہر اک سال اتمام کی آرسی
چو شوق این گہر ہے شہوار سفت — کدورت ز دلہائے بیتاب رفت
بدل سال اتمام این مثنوی — خرد "ہشتم ماہ شعبان" گفت
ہوئی جب کہ یہ مثنوی اختتام — پڑا دل کو تاریخ ہندی سے کام
ہے آ ہاتف غیب نے یوں کہا — ہوی مثنوی یہ عجائب تمام

یہ مثنوی حیدرآباد میں تصنیف ہوئی ہے اس زمانہ میں حضرت غفراں مآب نواب میر نظام علیخاں بہادر آصف جاہ ثانی کی حکومت تھی اور اعظم الامرا مشیر الملک ارسطو جاہ نواب سہراب جنگ بہادر عہدہ وزارت پر فائز تھے مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں بادشاہ اور وزیر دونوں کی مدح و ستایش ذیل کے اشعار میں لکھی ہے۔

بحق نبی و بحق علی — جہاں ہووے اور ہو نظام علی

لڑائی سے جب گرم ہو سطح جنگ ظفریاب جنگ پر فتح جنگ
نظام اسکی ہو دولت و ملک کو ہو معدوم دنیا سے اس کا عدو

کیا غور شنگرف کا آب ورنگ ہے تعریف نواب سہراب جنگ
جہاں کیوں نہ آباد و معمور ہو جو عادل نشاں اُسکا دستور ہو
اُسی شہ کو ہے ایک اعظم وزیر سکندر کہے جیسا ارسطو مشیر
ہے سہراب اُس نام کا پاکے نام فلاطوں ہے اسکی خرد کا غلام

جس زمانہ میں یہ مثنوی تصنیف ہوئی ہے نثر قصۂ چہار درویش بہت مشہور تھا **شوق** نے اُسکو نظم کا جامہ پہنایا۔

مگر قصہ اک چار درویش کا لکھا نثر میں سو جو مشہور تھا
مدد پر میں اللہ کے کر نظر رکھا ہو بنا اُس کی ابیات پر
لے آیا اُسے نظم میں نثر سے کہ تا ہووے مقبول جو کوئی سنے

شوق نے اپنے حالات مثنوی کے خاتمے میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ اُنکے والد کا نام میر عبدالسلام خاں اور آبائی وطن خواف تھا لیکن عرصے سے مشہد مقدس میں رہا کرتے تھے وہاں سے ہندوستان میں آئے اور اورنگ آباد میں بود و باش اختیار کی۔ سنہ ... میں بمقام اورنگ آباد **شوق** کی ولادت ہوئی اور میر محمد علی ان کا نام رکھا گیا چنانچہ لکھتے ہیں کہ:—

غرض شہر قاف تا قاف ہے وطن میرے اجداد کا خواف ہے
بزرگان پیشیں کا دراصل تھا اوائل میں مشہد کا نشو و نما
جنہوں جو وہ شہر ہے دلفریب کیا جس کو آباد اورنگ زیب
ہے ازبسکہ وہ شہر رفعت مقام سماتا نہیں بحر میں اوسکا نام
وطن سے بزرگوں نے آ ایک بار وہاں کی کیئے بود و باش اختیار
غرض چوں افضال رب ودود زکتم عدم آمدم در وجود

تولد کے جو سال کی پوچھے بات — تو اک حرف تاریخ ہے نیکذات
چھٹی کے ہی دن کو کہے شادکام — محمد علی کے تصدق سے نام

شوق کی عمر ابھی تین چار سال کی تھی کہ انکے والد نے اورنگ آباد کو خیرباد کہا اور وہاں سے حیدرآباد میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔

سن و سال سے جب گئے تین چار — وطن سے اٹھا آب و خور ایک بار
مکاں چھوڑ بر حسب تقدیر ہم — رکھے حیدرآباد میں پھر قدم

چھٹے سال ۱۲۵۱ھ میں شوق کے والد نے انتقال کیا۔

کیا گرد باد فلک نے قریب — چھٹے سال گرد یتیمی نصیب
کدورت نے غم کی کری دل میں راہ — لکھا سال تاریخ با اشک و آہ
چو راہی شد آں میر ذوالاحترام — ز دارالفنا ہوئے دارالسلام
ز ابنوہ غم بود دل در تلاش — پئے سال تاریخ آں صبح و شام
مقدم بہ دل از سر درد گفت — خرد جنت آرام من بعد نام
چو در قطعہ تاریخ اسمش نہ شد — بہ بیت دگر عقل کرد انفصام
عیاں شد بتاریخ کے تعمیہ — امارت پناہ میر عبدالسلام

ساتویں سال حضرت غفراں مکان کے پیشگاہ میں شوق کو باریابی حاصل ہوئی اور دربار سے خانیت کا خطاب اور منصب و جاگیر عطا ہوئے۔

ہوا ساتویں سال کی آئی ترا — دکن میں ہوا شاہ کے روشناس
عنایت سے اپنے وہ عالیجناب — اُسی سال خانی کا بخشا خطاب
ہُوا پھر میں امداد تقدیر سے — سرافراز منصب سے جاگیر سے

تیرہ سال کی عمر سے شوق کی طبیعت شعر و سخن کی طرف رجوع ہوئی اور مشق سخن میں تمنا سے تلمذ رہا۔

کری سیزدہ سالگی نے عروج — پڑی امر آگہی کی سوچ بوجھ
پڑا شعر کا شوق ایک بارگی — ہوئی جستجو تازہ مضمون کی

ہوا شاعری کا جو مرغوب فن — کیا ہیں تمنا سے مشق سخن

تمنا کا سنہ ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا ہے شوق نے اسکی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے۔

لیا جب تمنا نے راہِ قدم — ہوئی موج زن بحر اندوہ و غم

کہا شوق نے سال تاریخ یہ — وفاتِ بہشتی کرے دل رقم

شوق نے اپنی عمر کے چودھویں سال خوشنویسی کی مشق شروع کی اور محمد معین چشتی سے اصلاح لیتے رہے محمد معین اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے اور انہوں نے شفیعہ کے طرز پر ایک خط اختراع کیا تھا جو خط معینہ کہلاتا تھا۔

غرض چار دہ کے ہوئے سن و سال — کیا خوشنویسی کا دل میں خیال

قلم نے کشش حرف کی لے چلا — شفیعہ کے خط سے کیا ابتدا

لگا لینے ہر رات دن جہاں سے — صلاح خط اُس شاہِ ذیشان سے

جناب معین وہ معلا جناب — کہ تھا نسخۂ فقر کا انتخاب

عجب خوشنویسی میں ماہر تھی ذات — کہ معلوم تھے جس کے خط آٹھ سات

کیا اختراع وہ معلا مقام — نیا خط سو طرز معینہ بنام

محمد معین چشتی نے سنہ ۱۱۹۹ھ میں انتقال کیا ہے اور شوق نے اسکی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے

چو راہی شد آں رہبر راہِ چشت — بہ گلزار خوبی ز دنیائے زشت

خرد دانہ سال تاریخ او — چو در مزرعہ سینہ شوق کشت

بدیہہ بگفتم سالِ وفات — ہویدا محمد معیں در بہشت

شوق نے سولہ سال کی عمر سے اکیس سال کی عمر تک چار سفر کئے تھے۔ ۱۱۹۹

پہلا سفر بعمر ۱۶ سال جانب نرمل

دوسرا سفر بعمر ۱۷ سال جانب یادگیر

تیسرا سفر بعمر ۱۹ سال جانب جنوب

چوتھا سفر بعمر ۲۱ سال جانب پانگل

غرض چشم اس غم سے تھی اشکبار — کہ پہلا سفر ہو گیا [illegible]

حقیقت تو نزمل کی اظہار ہے — دوبارہ عبث اسکی تکرار ہے
ستراواں برس جب کہ وارد ہوا — روارو سفر کی ہوئی پیش پا
سفر تھا نہ وہ بلکہ تھا وہ سقر — نہ جا امن کی بلکہ جائے خطر
جسے دیکھ کہتے تھے برنا و پیر — ہے نام اس کا دوزخ تقب با دگیر
ہوا بیسویں سال کا جو ظہور — جنوبی سفر تو ہوا پھر ضرور
ہے اکیسویں سال کا یہ بیاں — ہوئی چھاؤنی پا نکل بے وہاں
عجب وہ مکاں تھا عجب وہ سفر — نہ تھا عیش جز طیش مد نظر

شوق نے اپنی عمر کے تینتیسویں سال قصۂ چہار درویش کو نظم کرنا شروع کیا اور دو سال کے عرصہ میں اوسے اختتام کو پہنچایا۔

ہوا سال تینتیسواں جب عیاں — سخن کے ہوئے پھر تو رطب اللساں
ہوا باب تازہ جو مضموں کا وا — اسی مثنوی کی رکھا میں بنا
بہت روز سے تھی یہی آرزو — کہ اس قصۂ چار درویش کو
کہانی تھی از بسکہ یہ سیر کی — نہ فرمایش اپنے کی نہ غیر کی
لکھا نثر سے پھر میں ابیات میں — کہ ہر کوئی لے دیکھ لے ہاتھ میں

ہمارے عنایت فرما مولانا حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کے کتبخانہ میں اس مثنوی کا ایک نسخۂ قلمی موجود ہے جس کو محمد وزیر نے بتاریخ دوم ماہ ربیع الثانی ۱۲۳۳ھ میں لکھا ہے اس کے (۳۶۰) صفحات اور ہر صفحہ میں (۱۴) اشعار ہیں۔

اسکی ابتدا ذیل کے شعر سے ہوئی ہے۔

الٰہی تری حمد ہے بے قیاس — بشر کو کہاں ایسا ہوش و حواس

خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے۔

خدایا بکن حشر من با امام — بحق محمد علیہ السلام
شد ابیات ایں مثنوی چوں شمارا — کم و بیش تحریر شد پنج ہزارا

انساب سلاطین مغلیہ

نوشتہ

سر ہنری ایچ۔ ہوارتھ۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایف۔ آر۔ ایس

مترجمہ

مولانا سیّد محمد ضامن صاحب کنتوری

ایڈیٹر لسان الملک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سولہویں صدی عیسوی میں جب اکثر قبائل مغول و قلماق نے لامائی مذہب اختیار کیا تو لامائی راہبوں نے جو واحد تعلیم یافتہ گروہ تھا یہ کوشش کی کہ ان اقوام کے سرداروں اور اکا سلسلہ نسب تبّت کے شاہی خاندان سے ملا دیں۔ غالباً سب سے پہلے یہ اجتہاد التان ٹوپے کے مصنف نے کیا اور اس کے بعد دوسرے قلّبتی مصنفین نے اسکا تتبع کیا۔

سلسلہ نسب اسطرح دکھایا گیا ہے کہ تبت کے ایک بادشاہ دسان بودلائی ین سو آرو آلتان شیرغلیتو کے تین بیٹے تھے شواغوچی۔ بورروچی اور بورتے چینو ان کے باپ کو اس کے وزیر لانگت نام نے قتل کردیا اور خود تخت سلطنت پر قابض ہوگیا اس حادثہ کے بعد تینوں بھائی شواغوچی۔ بورروچی اور بورتے چینو۔ تبّت سے جان بچا کر بھاگے۔ بڑا ملک نگابنو کی جانب۔ منجھلا بیوبو کی طرف اور چھوٹا کانگبو کو نکل گئے جو لھاسہ کے جنوب مشرق میں واقع ہیں۔

لانگناو کے غصب وقبض کی کہانی تبتی تصنیفات میں بیان ہوئی ہے اور اس کے ترجمے قلماقی زبان میں کئے گئے ہیں اصل قصے میں ان کے نام جاتھی۔ ماتھی اور سھازاتھی بتائے گئے ہیں۔ لفظ تھی تبتی زبان میں تخت کے معنے رکھتا ہے اور بالعموم قدیم راجگان تبت کا جزو اسم ہوا کرتا تھا۔ جا کے معنے صحرائی یا دریائی پرند کے ما کے معنے اور سھازا کے معنے گوشت خوار کے ہیں۔ پہلے دونوں نام قریب المعنی ہیں یعنے پادآمی

۔ در اپنی جڑیوں تا شکاری ۱۲

اور ماہی گیر اور تیسرے یعنے بورتے چینو کے معنے بھورے بھیڑیے کے ہیں جن سے مراد قصے کے مصنف نے گوشت خوار درندے کے لئے ہیں اور یہی بورتے چینو مغلوں کی کہانیوں کا ہیرو ہے۔ تبتی لاماؤں نے جو اس سلسلہ نسب کے مصنف ہیں دیکھا کہ بورتے چینو اور سہازا ہم معنے ہیں۔ بس انہوں نے دونوں کی شخصیتوں کو ایک قرار دیکر درمیانی خلیج کو قصے کہانیوں سے پاٹ دیا۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مغلوں کے لامائی مذہب اختیار کرنے سے پہلے کی روایات میں کہیں بھی یہ حالات نہیں پائے جاتے جو اس تبتی افسانے میں درج ہیں جس سے یقینی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ قصہ از سرتا پا لامائیوں کا تافتہ و بافتہ ہے۔

اب دوسری طرف دیکھیئے کہ آگے چل کے اسلامی روایات نے تبتی روایات کی جگہہ لے لی ہے جب ایرانی مغلوں نے مذہب اسلام قبول کیا تو ان میں فطرتاً یہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ وہ اپنے سلسلہ انساب و قومیت کو قرآنی روایات سے مطابق کرنے کی کوشش کریں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایرانی مغلوں کا مشہور و مستند مورخ اور اسکے متبعین مغلوں کے شاہی خاندانوں کا سلسلہ نوح، یافث اور دوسرے مقدس و نامی ہستیوں تک لے جاتے ہیں جن کا ذکر صحف انبیا اور قرآن میں آیا ہے۔

ترکوں اور مغلوں کے نسب کو نوح و یافث تک پہنچاتے ہوئے حمد اللہ نے اپنی تاریخ گزیدہ میں خاص طور پر رشید الدین کا حوالہ دیتا ہے۔ مگر یہ سلسلہ ایسا ہے جس کو کسی مغل مصنف نے کسی ایسی تصنیف میں جو مغربی مغلوں کے قبول اسلام سے پہلے لکھی گئی ہو، ذکر نہیں کیا ہے۔ ایران میں یہ سلسلہ بانی ایل خان غازان کے عہد میں شروع ہوئی جسکے دربار کا رشید الدین مورخ تھا۔

رشید الدین اس بارہ میں اپنے بیان کو اس طرح شروع کرتا ہے "تاریخ اسلام اور بنی اسرائیل کے حالات سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نوح نے جنوب سے شمال تک دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ آپ نے پہلا حصہ حام کو دیا جو سودان کے باپ تھے۔ منجھلے بیٹے سام کو عرب و ایران عطا کیا اور تیسرے یافث ترکوں کے جد امجد تھے سر شیبلا کا نظریہ یہ ہے کہ ترک

اور مغل ایک ہی دادا کی اولاد اور ایک ہی وحشی قوم تھے ۔ چنانچہ وہ اپنی تاریخ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس کتاب کا دوسرا حصہ اُن ترکوں کی تاریخ پر مشتمل ہے جو مغول کہلاتے تھے نگران کا ہر قبیلہ ابتدا سے اپنا ایک خاص نام اور لقب رکھتا تھا اور چوتھا حصہ اُن ترکی قبائل سے متعلق ہے جو زمانہ نامعلوم سے مغول کہلاتے ہیں ۔ یہ قبائل جو زمانہ نامعلوم سے مغول کہلاتے تھے ۔ اُس ملک میں بستے تھے جس کی وسعت طولاً و عرضاً دریائے جیحون و سیحون سے انتہائی سرحدات مشرق تک اور حدود دشت قبچاق ۔ چورچا اور ختا تک تھی پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ :-

”اگرچہ ترک اور مغل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور ابتدائے سب کے سب ایک ہی نام سے موسوم تھے ۔ تاہم مغلوں کی شاخ ترکوں سے جدا گانہ ہے ۔ اور دونوں قوموں کی خصوصیات میں بین فرق ہے جیسا کہ اس کتاب میں آگے چل کے بتایا گیا ہے“ ۔

اسکے بعد کے فارسی مورخین رشید الدین کی سند پر اس حقیقت کو مسلمہ فرض کرتے آئے ہیں اور ہمارے زمانہ میں راورٹی نے بھی اسی کو آنکھیں بند کرکے نقل کر دیا ہے ۔ اگر ان معنوں میں مغلوں کو ترک کہا جائے جن معنوں میں کہ تاتاریوں یا تورانیوں سے وسطی ایشیا کی تمام صحرائی قومیں من حیث الکل مراد لی جاتی ہیں تو یہاں تک کوئی مضائقہ نہیں لیکن ترکوں اور مغلوں کو ایک قوم سمجھنا صریح غلطی ہے ۔ جبکہ خود رشید بھی یہی کہتا ہے کہ یہ دونوں قومیں باعتبار شکل و شمائل، زبان، قومی روایات اور دیگر خصائص کے بالکل ایک دوسرے سے مختلف لیکن قومیت کے اختلاف سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے حکمران خاندان بھی ایک نسل سے نہوں ۔ رشید الدین درحقیقت مغل بادشاہوں کا سلسلہ نسب ترکوں کے فرضی مورث اعلیٰ سے ملاتا ہے ۔ جس کا نام وہ ابولجا خاں بتاتا ہے ۔ اور اسکے لئے رشید کچھ نہ کچھ دلائل بھی رکھتا ہے ۔

یہ ممکن ہے کہ ترکوں کے فرضی مورث ابوالجا خان کو جو خود رشید سے بہت پہلے گزرا ہے ترکوں نے کسی نہ کسی سلسلے سے یافث بن نوح کی اولاد میں شریک کر لیا ہو، کیونکہ کئی صدیوں سے ترکوں کا بڑا حصہ مسلمان ہو چکا تھا ۔ رشید انہیں کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ ” ترکوں کا بیان ہے کہ

کہ نوح نے اپنے بیٹے یافث کو جسکو ترک ابوالجاخاں کہتے ہیں مشرق میں روانہ کیا تھا۔ مگر ان محققین یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ ابوالجاخاں نوح پیغمبر کا بیٹا تھا۔ یا اُن کے بیٹوں میں سے کسی کا بیٹا تھا۔ مگر مغل، ترک، اور کوہستانی قبیلے اسی کی اولاد سے ہیں"

رشید کا بیان ہے کہ ابوالجا اور اسکی قوم کوہِ ارتاغ اور کوہِ قرتاغ پر آباد تھی چینی مورخین نے ارتاغ کو ا-تواولا لکھا ہے اور بتایا ہے کہ کوہ التا (آلتای) کوچک کا مغربی سلسلہ ہے اور آب بلنغاش تک چلا گیا ہے۔ ابوالغازی ان کو الغ تاغ کچک تاغ یعنے کوہ بزرگ و کوہ کوچک لکھتا ہے۔

رشید لکھتا ہے کہ ابوالجاخاں موسم گرما میں ابنانج میں سکونت رکھتا اور جاڑے میں برسوق اور قراقوم میں خیمہ زن ہوتا تھا جو دریائے آرال کے مشرق و شمال مشرق میں شہر تالاس (جو بعد میں طارش یا آولی اتا کے نام سے مشہور ہوا) اور سیرام کے قریب واقع ہیں۔ سیرام کی نسبت رشید لکھتا ہے کہ اسکے زمانہ میں [illegible] ترکوں کے قبضہ میں تھا اسکے چالیس دروازے تھے۔ یہ شہر ترکوں کے مشہور قبیلہ غوز کا مسکن رہا وہی تھا جو حالیہ ترکمانوں کے مورث ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید مغلوں کے شاہی خاندانوں کے سلسلہ نسب کو انہیں ترکان غوز سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ایک دوسرا مصنف الغ بیگ مرزا سرداران مغول کا بالکل نیا اور مستقل نسب نامہ دیتا ہے۔ الغ بیگ مرزا کی اصل تاریخ تو نایاب ہے۔ خدا جانے اسکا کوئی نسخہ دنیا میں باقی بھی ہے یا نہیں۔ مگر اس کا اقتباس شرف الدین علی یزدی کی کتاب ظفرنامہ کے مقدمہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جو ۱۴۲۴ء کی تصنیف ہے۔ شرف الدین نے صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ اُسنے اپنی کتاب کے مقدمہ کا مواد الغ بیگ مرزا کی تصنیف سے اخذ کیا ہے اس مقدمہ کا ترجمہ شجرۃ الاتراک کے نام سے کرنل میلس نے ۱۸۳۸ء میں بزبان انگریزی کیا ہے۔

جو شجرہ اس مقدمے میں الغ بیگ سے منقول ہے وہ رشید کے [illegible] شجرے سے بالکل مغائر ہے الغ بیگ بجائے یافث اور ابوالجا کی شخصیتوں کو ایک ہی قرار دیکر یہ کہتا ہے کہ

یافث کے نو فرزند تھے جن میں سے ایک ترک ہے جو ابوالجا کا باپ تھا ان نو بیٹوں کے نام حسبِ ذیل تھے ترک ۔ قاچار (یا خزر) سقلاب ۔ روس ۔ منگ ۔ چین گماری (یا کماری) کیمول ۔ مزوخ (یا سیخ) پھر وہ لکھتا ہے کہ "بعضوں کا قول ہے کہ آٹھ ہی بیٹے تھے اور گماری و کیمول ایک ہی شخص کے دو نام ہیں" یہی رائے بعض متاخر مصنفین کی بھی ہے۔

یہ آٹھوں خود ساختہ نام اگر غور سے دیکھا جائے تو قرآن و انجیل کے جغرافی ناموں سے بنائے گئے ہیں اور ان آٹھ سرداروں کو ترک ۔ قاچار ۔ روسی ۔ سلاوی ۔ منگوتی یا نوغائی ۔ چینی ۔ گومیری اور موسخی اقوام کا مورث قرار دیا گیا ہے ۔ میر خاوند متوفی ۱۴۹۸ء تو اس شجرے کو اور بھی بڑھاتا اور گیارہ نام دیتا ہے۔

خزر (قاچار) سقلاب ۔ مشنج ۔ گماری ۔ ترک ۔ خلج ۔ روس سکسو ریا سان غوز ۔ تارخ یا تارح چین ۔ اب ان ناموں کو دیکھئے تو یورپ اور شمالی ایشیا کی اکثر اقوام کے وہ نام ہیں جن کو مصنف اپنے عہد میں جانتا تھا ۔ اور قرآن و انجیل کے ناموں سے مطابقت کھاتے ہیں شجرۃ الاتراک میں ترک کو مشرقی ممالک کا قاآن اور ایران کے پہلے بادشاہ کیومرس کا ہمعصر بتایا ہے ۔ پھر اسی ترک کے پانچ فرزند ہیں جن میں سب سے بڑا مذکور الصدر ابوالجا ہے۔

مورخین میر خاوند اور ابوالغازی نے اس مقام پر ابوالجا کا نام نہیں لیا ہے اور ترک کے چار ہی بیٹے گنائے ہیں اور یہ چاروں وہی ہیں جن کے نام صاحب شجرۃ الاتراک نے لکھے ہیں ۔ یہ نام قلمی کتابت میں ایسے مسخ کر دئے گئے ہیں کہ انکا صحیح پڑھنا دشوار ہے ۔ بہرحال وہ یہ ہیں:

توتخ یا تونغ ۔ چکل یا حکل ۔ برسجار اور املاک نام بظاہر مغربی ترکو کے چار ضلعوں کے نام سے ماخوذ ہیں ۔ کم از کم ایسا ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ۔ املاک ایلاک کا بگڑا ہوا ہے ۔ اور برسنجاب ایک ترکی شہر ہے جسکا ذکر ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں کیا ہے بقول راورٹی کے چکل یا جکل کی نسبت ابتک مشہور ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے ضلع کا نام تھا

توغ یا تونغ کو تاغ سے بنایا ہے جو ترکی زبان میں پہاڑ کے معنے رکھتا ہے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آٹھوں نام مصنوعی ہیں اور صرف آخری عہد کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں جو شرف الدین کے تتبع میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یعنے تونغ کو میرخاوند اور ابوالغازی نے ایلچی کا باپ بنا دیا ہے اور ایلچی غالبًا النجا کی دوسری شکل ہے جس نام سے یہ مصنفین ابوالنجا کو موسوم کرتے ہیں۔

بہرکیف رشید الدین نے جو شجرہ ان خوانین کا اوغوزخان تک دیا ہے وہ یہ ہے:۔۔۔

نوح

یافث یا ابوالجاخان

دیب باکوئی

قوزخان — قورخان — اورخان — قراخان

قراخان: ادغوزخان

اس مختصر شجرے کو شرف الدین نے اسطرح پھیلایا ہے:۔۔۔

ترک

ابوالی

دیبی باکوئی

قویوق یا قی ایق

الوجی یا النجا

مغل خان — تاتارخان

مغل خان: اورخان — قوزخان — اذرخان — قراخان

قراخان: اوغوزخان
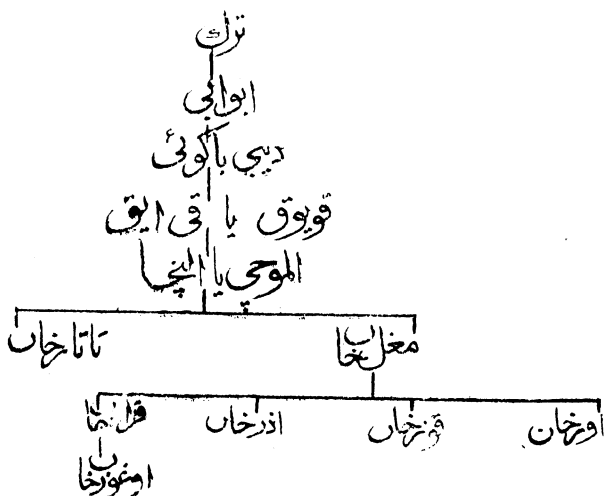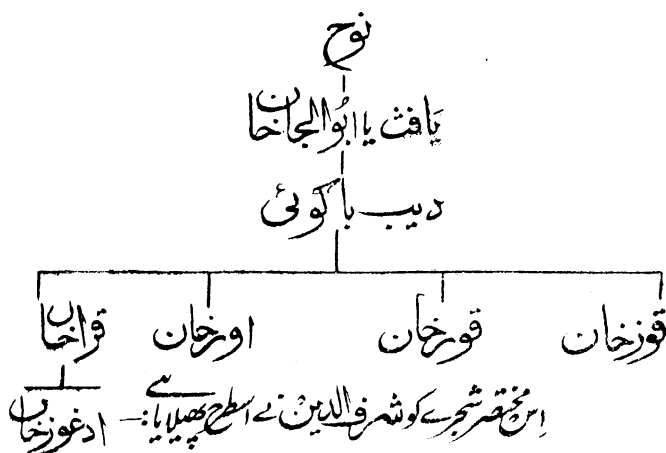
یہ دونوں شجرے ابوالجا کو دیبی باکوئی کا بیٹا کہنے میں متفق ہیں۔ اس کی نسبت حمد اللہ لکھتا ہے کہ " وہ مشنغ ابن یافث کو دیبی باکوئی کہتے تھے "

دیبی باکوئی کے درمیان شرف الدین اور تابعین نے چند اور نام داخل کر دئے ہیں جو رشید الدین کے شجرے میں نہیں ملتے دیبی باکوئی کو قویوق کا باپ کہا گیا ہے (جو بظاہر کیاں کی تکرار ہے) اور پھر اسکو ایک دوسرے ابوالجا یا الینجہ خان کا باپ کہا ہے پھر الینجہ خاں کے دو توام فرزند دئے گئے ہیں جن کے نام تاتار خاں اور مغل خاں ہیں (شجرۃ الاتراک) تاتار خاں اور مغل خاں کے درمیان جو لڑائیوں کا ہونا بیان ہوا ہے وہ محض ترکوں اور مغلوں کے رقابت کا بیان ہے جسکو اس صورت سے نسبی شجرے میں ظاہر کیا گیا ہے ہم ان ناموں کو الغ بیگ مرزا سے آگے نہیں پاتے ۔ رشید الدین نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے حمد اللہ ترکوں اور مغلوں کو یافث کے دو بیٹوں ترک اور مشنغ کی اولاد بتاتا ہے ۔

اب ہم پھر مقدمہ کی جانب رجوع کریںگے اور نیز اُن مصنفین کی طرف جنہوں نے اُس کی پیروی کی ہے یہ کتاب ناقل ہے کہ تاتار خاں کے بعد مسلسل جانشین ہوئے جن کو ابوالغازی اس سلسلے سے نقل کرتا ہے ۔

تاتار خاں
بوکا خاں
یلنجہ خاں
اتلی خاں
اتسیز خاں
اردو خاں
بایدو خاں
سیونج خاں

ابوالغازی ان میں سے کسی کا کچھ حال نہیں لکھتا ہے ۔ بجز اوردو کے جس کی نسبت ایسکا

بیان ہے کہ "وہ اپنا وقت شراب اور کمیز پینے اور حسین و خنا کے بنے ہوئے نفیس کپڑوں کے پہننے اتارنے میں صرف کرتا تھا" وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بایدو خاں کے عہد تک مغلوں اور تاتاریوں میں کسی طرح کی مناقشت نہ تھی۔ لیکن بایدو نے جو ایک نوجوان اور خود سر شہزادہ تھا، مغلوں پر حملہ کردیا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ لڑائی سیونچ خاں کے عہد میں برابر جاری رہی۔ اور آتش جنگ اس شدت سے شعلہ زن تھی کہ دریائے آمو کا سارا پانی اس کے فرو کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتا تھا"۔

تاتار خاں کے جانشینوں کا شجرہ نسب بیان کرنے کے بعد اب ہم کو اس کے توام بھائی مغل خاں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ مغل خاں کو شرف الدین اور اس کے پیرو دونسے چار بیٹوں کا باپ قرار دیا ہے جن کا جوڑ رشید الدین اور حمد اللہ دیب باکوئی سے ملاتے ہیں۔ ان چاروں میں سب سے بڑا قرا خاں ہے جس کو سب مورخین بالاتفاق ادغوز خاں کا باپ بتاتے ہیں۔ اس لئے ہم تھوڑا سا غور ان بیانات پر کریں گے جو قرا خاں اور ادغوز خاں سے متعلق ہیں۔

قرا خاں کی نسبت ابو الغازی صاف صاف لکھتا ہے کہ وہ گرمیوں کا موسم ازتاغ اور قرتاغ (کرتاغ) میں بسر کرتا تھا اور جاڑوں میں قراقو کے ریگستان یا دریائے آمو کے دامن میں خیمہ زن رہتا تھا۔ اسی مورخ کا بیان ہے کہ اُس کے عہد میں اسکی تمام قوم کافر تھی۔ اُس کے بیٹے ادغوز خاں کی نسبت عجیب عجیب روایتیں مشہور ہیں مثلاً یہ کہ وہ طفلی ہی میں اپنی ماں کا دودھ پینے پر اسوقت تک راضی نہ ہوا جب تک وہ مسلمان نہ ہوگئی یا یہ کہ اُس نے ایک ہی سال کی عمر میں یہ کہا کہ اُسکا نام ادغوز رکھا جائے اور یہ کہ اُس نے یکے بعد دیگرے کئی شادیاں کیں مگر اس کا میلان طبع صرف اپنے چچا قوز خاں کی دختر کیطرف تھا جس نے مسلمان ہونا قبول کرلیا تھا۔

جب اس کے باپ کو یہ خبر ملی کہ اسکا بیٹا مسلمان ہوگیا ہے تو وہ نہایت غضبناک ہوا باپ بیٹوں میں جنگ ہوئی اور باپ مارا گیا۔ اُس کے (غوز خاں) صاحب اختیار ہونے کے بعد اسکی ساری قوم مسلمان ہوگئی۔ اب اُسنے تاتاروں پر فوج کشی کی جو جرجیل (منچوریا) کے قریب

بستے تھے ان کو شکست دی اور بہت سا مال غنیمت لیکر پلٹا بقول ابو الغازی۔ ادغوز خان
(۶۲) برس تک تاتاروں سے برسر جنگ رہا اور ختائی (چین) جرجید (منچوریا)
تانغوت جسکو تاجیک قوم تبت کہتی تھی اور قراختائی کو جو وسیع ملک ہندوستان
وچین کے درمیان ہے اور جس کے باشندے سیاہ فام ہوتے ہیں زیر کیا۔ ان فتوحات کے
بعد ختائی سے آگے اُن بلند پہاڑوں کی طرف بڑھا جو سمندر کے کنارے ہیں اور جہاں
قبائل ایت براک (ایترک) بستے ہیں۔ ان قبائل سے شکست کھا کر اسکو پسپا ہونا پڑا۔ مگر
سترہ (۱۷) سال کے بعد اُسنے پھر اُن پر چڑھائی کی اور اُن کے سردار ایت براک خاں کو
قتل کردیا۔ اُسنے یہ بھی کیا کہ اپنے سرداروں میں سے ایک شخص مسمی قپچاق خاں کو اقوام
روس۔ اولاق۔ مجار۔ اور بشکیر کو زیر کرنے کے لئے روانہ کیا۔

کہتے ہیں کہ اسکے بعد ادغوز خاں اپنی ساری فوج مغلوں اور تاتاروں کی لیکر تاش
(تارس) اور سیراو پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے سیراو اور تاشقند کو خود فتح کیا اور
اپنے بیٹوں کو ترکستان اور اندجان پر روانہ کیا سمرقند۔ بخارا اور بلخ پر بھی
قابض ہوگیا اور موسم سرما کی ایک مہم میں ملک غور کو بھی فتح کرلیا۔ اُس نے کابل۔ غزنی
اور کشمیر کو بھی فتح کیا اور ان ممالک کے آخری بادشاہ یغما اور اس کی قوم کو تیغ
کردیا۔ اس فتح کے بعد براہ بدخشان و سمرقند اپنے وطن منگولیا (مغولستان) کو واپس ہوا۔

ایک سال کے بعد اُسنے پھر ایران (پارس) پر فوج کشی کی اور تارس سمرقند اور بخارا
کی راہ سے ہوتا ہوا دریائے آمو کو عبور کرکے خراسان پہونچا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایران
میں کوئی بادشاہ نہ تھا کیومرس مرچکا تھا ھوشنگ ہنوز تخت نشین نہیں ہوا تھا اور تمام
ملک طوائف الملوکی کی حالت میں تھا ادغوز خاں بڑی سہولت کے ساتھ خراسان۔ عراق عجم
عراق عرب۔ اذربائیجان۔ ارمینیا اور سیریا (شام) کو فتح کرتا ہوا سرحد مصر
تک جا پہنچا اور ہر صوبہ میں اپنی طرف سے ناظم مقرر کرتا گیا۔ ان فتوحات سے فارغ ہوکر وہ پھر اپنے
وطن کو واپس ہوا جہاں اُسنے عظیم الشان جشن کیا۔ اس جشن کے لئے ایک بہت بڑا شامیانہ یا خیمہ
نصب کیا گیا جسکے چوبوں پر موتی اور جواہرات سے مرصع کاری کیگئی تھی جو الفاظ مورخ خیمہ زرنگاری

فلک کو بھی غرق خجالت کر رہا تھا نو سو اونٹ اور نو سو دُنبے قربانی ہوئے اور ننانوے ہزار حوض عرق و کمیز سے بھرے گئے تھے۔ اس دربار میں اُسنے اپنے بیٹوں کو سلطنتیں اور نوکروں کو شہر، دیہات، زمینیں، جاگیریں، دیں۔ اوغوز خاں ۱۱۶ سال سلطنت کر کے مرا۔ اور چھ بیٹے چھوڑے۔ جنمیں کے تین بڑے بُزُوہ اور تین چھوٹے اچوک کے مشترک نام سے پکارے جاتے تھے۔

بروایت رشیدالدین ان چھ فرزندوں کے نام قون خاں (آفتاب خاں) اے خاں (ماہتاب خاں) یلدوز خاں (ستارہ خاں) قوک خاں (آسمان خاں) تاغ خاں (پہاڑ خاں) اور تنگیز خاں (دریا خاں) تھے۔ ان مصنوعی ناموں کی فہرست سے ظاہر ہے کہ اس سارے شجرہ کی تیاری میں کسقدر صنعت کاری کیگئی ہے۔ ان ناموں کے ساتھ رشیدالدین اپنے شجرہ کو منقطع کر دیتا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ اوغوز خاں کی اولاد نے ایکہزار سال حکمرانی کی۔ فریدوں کے عہد میں اُس کا (اوغوز کا) بیٹا تور موخرالذکر کے ساتھ ایک سخت لڑائی لڑا جسکی نسل میں صرف دو افراد زندہ بچے۔ جنکے نام نکوز اور کیان تھے۔ یہ بھاگ کر ایک محفوظ وادی میں پناہ گزین ہوئے جس میں صرف ایک ہی راستہ تھا" اس طولانی قصہ اور ان دو ناموں کے اظہار کے بعد رشیدالدین اپنے مصنوعی شجرہ کا سلسلہ از سر نو شروع کرتا ہے یہ کام متاخر مورخین کا ہے کہ رشید نے جو خلیج رہنے دی تھی۔ اسپر پل باندھا۔ رشید نے اوغوز کے چھٹوں بیٹوں کے نام کے ساتھ خاں کا خطاب استعمال کیا ہے جس سے اس کا منشاء یقینا یہ ہے کہ یہ سب یکے بعد دیگرے حکمراں ہوئے۔

متاخرین نے ان ناموں کے ساتھ کسقدر توجیہ سے کام لیا ہے۔ ان کا نظریہ پہلے مقدمہ ظفرنامہ میں نظر آتا ہے اور اسی کے قدم بہ قدم میر خاوند اور ابوالغازی چلے ہیں۔ شرف الدین کا بیان ہے کہ اوغوز کا جانشین قون خاں ہوا جس نے اپنے باپ کے وزیر ارقیل خواجہ کو جو قوم ارلاتک خوست سے تھا۔ اور جسکو ابوالغازی اوی غوز لکھتا ہے۔ اپنا وزیر بنایا۔ ان مورخ کے بیان کے مطابق قون خان نے ۷۰ برس حکمرانی کی۔ اس کا جانشین اس کا بھائی اے خاں اور اے خاں کا جانشین یلدوز خاں ہوا۔

ابوالغازی اس امر سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے کہ یلدوز خاں۔ اے خاں کا پوتا تھا

سے غالباً یہ بزرگی دو کی جگہ ... ہے ۱۲

یا کسی اور رشتے سے اسکا عزیز قریب تہا۔ مگر وہ مثل دوسروں کے اس کو الے خان کا بھائی تسلیم نہیں کرتا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تینوں خان۔ قون۔ الے اور یلدوز۔ رشید الدین کے تصنیف کردہ شجرے سے لیئے گئے۔ اور بقیہ چھوٹے تین بھائیوں یعنے قوق تاغ اور تنگیز کو نظر انداز کر کے انکی جگہہ دونئے نام داخل کئے گئے ہیں تاکہ رشید کی پیدا کی ہوئی خلیج پٹ کر بند ہو جائے اسکے لئے متاخر مورخین نے یلدوز خاں کا جانشین اسکے بیٹے منگلی خاں کو بنایا ہے جسکی نسبت ابو الغازی لکھتا ہے کہ "وہ اکل و شرب کا شایق اور رنگ برنگ ریشمی لباس کا دلدادہ تھا اور اسکی صحبت میں ایسی حسین عورتیں رہتی تہیں جنکے حسن سے آفتاب و ماہتاب داغ بدل ہیں اور سواری میں گھوڑے ایسے رکھتا تھا جو برق و سیماب کو نعل در آتش کریں منگلی خاں کا جانشین اسکا فرزند ہوا جسکا نام تنگیز خاں تھا اور تنگیز خاں کا جانشین اس کا بیٹا ایل خان ہوا مگر رشید الدین ان باپ بیٹوں تنگیز خان اور ایل خان سے بالکل ناواقف تھا شجرہ کی یہ ترتیب محض اس لیئے رکھی گئی کہ سیونچ خاں کو جو تاتار خاں کا نواں جانشین تھا ایل خاں کے ساتھ ٹکرا دیا جائے جو مغل خاں کا نواں جانشین ہے بیان کیا جاتا ہے کہ مغول ہمیشہ باہم برسر جنگ رہتے تھے اور ہمیشہ ایل خاں فاتح ہوتا تھا اسی طرح ہمسایہ اقوام کے مقابلے میں بھی ہمیشہ فتح اسی کے ہاتھ رہتی تھی بدیں وجہ سیونچ خاں نے اسکے (ایل خاں کے) خلاف اتحاد باہمی قایم کیا جسکا رکن رکین خان کرغیز تھا۔ جنگ واقع ہوئی مغلوں نے شکست فاش اٹھائی اور تقریبًا پوری قوم تہ تیغ بیدریغ کر دی گئی اور چند نفوس اس قتل عام سے بچ رہے وہ غلام بنائے گئے۔ شاہی خاندان کے صرف دو شخص کیاں جو ایل خان کا چھوٹا بیٹا تھا اور اس کا رشتہ کا بھائی نکوز جانبر ہوئے۔ یہ دونوں ہم عمر تھے اور دونوں ایک ہی آقا کی غلامی میں آئے تھے۔ ان دونوں کی شادیاں ہوئیں اور دونوں اپنی بیویوں کو لیکر جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکی بہنیں تھیں بھاگ نکلے اور ایک محفوظ وادی میں جو چاروں طرف سے جنگل اور پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی پناہ گزیں ہوئے۔ یہ وادی نہایت سرسبز و شاداب تھی اور اس کا نام ارغنہ قون تھا۔

اس نکوز اور کیاں کو لیکر رشید الدین اور دوسرے مغربی مورخین اپنی داستان کو نہایت رنگ

دیتے ہیں۔ بہ ظاہر انھوں نے ترکوں کی دو بڑی شاخوں یعنے ترکان اوی غوز اور ترکان خاص کا سلسلہ اسطرح ملایا ہے۔ ہ کوز کے معنی ترکی زبان میں نو کے ہیں اور اوی غور۔ ۔ نو اوی غور یا صرف نہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور کیاں یا کیات[1] سے مراد غالبًا ان ترکوں سے ہے جو جھیل اسی قول کے اطراف بستے تھے غرضکہ یہ دونوں نام بھی مثل دوسرے مذکورہ صدر ناموں کے ترکوں سے متعلق معلوم ہوتے ہیں نہ کہ مغلوں سے وادی ارغین قون کا قصہ عہد مغولیہ سے بہت پہلے کا پایا جاتا ہے اور چینی مورخ اسکو ٹوکیو یعنے قدیم ترین ترکوں سے متعلق کرتے ہیں اس وادی کا نام اس مقام سے تعلق رکھتا ہے جو قدیم ترکوں کا گہوارہ تھا اور جہاں جھیل اسی قول واقع ہے زمانہ قریب تک اس صوبہ کا نام اورغانو تھا جس کا ذکر تیرہویں صدی کے فرانسیسی سیاح روبردکوئی نے کیا ہے جھیل اسی قول کو چینی سہائی یا مغربی جھیل کہتے ہیں اور چینی مورخوں کے بیان کے موافق ٹوکیو یا ترکان خاص کی ابتدائی نشو ونما اسی جھیل کے کناروں سے ہوئی ہے ان کا بیان ہے کہ اس قوم کے کل افراد کو ایک پڑوسی قوم نے تہ تیغ کر ڈالا تھا صرف ایک دہ سالہ لڑکے پر خدا جانے انھیں کسطرح رحم آگیا کہ اس کو زندہ جان چھوڑ دیا مگر ہاتھ پیر اسکے بھی قطع کر دئے تھے۔ یہ حکایت اسی حکایت سے ملتی جلتی ہے جو رشید الدین نے مغلوں کی قدیم تاریخ کے متعلق درج کی ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے رشید نے اس دہ سالہ لڑکے کی جگہ نُکوز اور کیاں کو لا بٹھایا ہے۔ اس قصے کا تعلق دوسرے طور پر بھی ترکوں سے پایا جاتا ہے۔

رشید الدین قبیلہ اریانگ خوت اور کنکورات (قنقورات) کا جو پانچ قبیلوں پر مشتمل تھا ذکر کرتا ہے جو اسکے عہد میں موجود اور نکوز و کیاں کی اولاد ہونے کے مدعی تھے یہ دونوں قومیں مشہور ترکی قبائل سے تھیں اول الذکر کی نسبت روایت ہے کہ انھوں نے وادی ارغین قون میں لوہا نکالا اور ثانی الذکر کی شان میں ایک ساگا[2] ہے جس میں مذکور ہے کہ وہ ہمیشہ سر کے درد میں مبتلا رہا کرتے تھے جس کو وہ اور ان کے بزرگ بطور یادگار عزیز رکھتے تھے اسلئے کہ یہ درد اسی وادی میں دہکتے ہوئے انگاروں پر چلنے سے پیدا ہوا تھا۔[53]

---

[1] یہ دونوں شکلیں کے کا صیغہ جمع معلوم ہوتی ہیں ۱۲

[2] غالبًا چنگامہ اسی کی ترقی یافتہ صورت ہے جسکے معنے قصیدے یا نظم کے ہیں۔ ۱۲

[53] اردیمان صفحہ ۱۹۴ و صفحہ ۱۹۶

رشید الدین اور دوسرے مغربی مصنفین کا بیان ہے کہ کیان اور نکوز کی بہت سی
اولادیں ہوئیں۔ اول الذکر کی اولاد کیات اور ثانی الذکر کی دارلگین کے لقب سے ملقب تھی
پھر انکی نسلیں بہ کثرت پھیلیں جنھوں نے وادیٔ ارغین قون کو آباد کیا اور مختلف اماک یا
قبیلوں میں منقسم ہوئے۔ یہ قبیلے چار سو برس (اور بہ قول حمداللہ دو سو برس) وادی ارغین قون
میں آباد اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلوں کے مالک رہے۔ اسکے بعد انہوں نے اپنے اصلی وطن
کو مراجعت کرنے کا ارادہ کیا اور اس محصور وادی سے نکلنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ سوکھی لکڑیاں
جمع کرکے ان کو روشن کیا اور وہاں جو لوہے کی کان انکو ملی تھی اس سے لوہا نکالا اور اس سے
باہر جانے کی راہ پیدا کی۔ اسوقت سے خانوں اور بیگوں کا یہ دستور تھا کہ اس واقعہ کی یادگار
میں ہر سال اسی تاریخ پر ایک لوہے کا ٹکڑا لے کے گرم کرتے اور نہائی پر رکھکر پیٹتے تھے۔

رشید الدین لکھتا ہے کہ وادی ارغین قون سے خروج کرنے کیوقت جو خان اُنپر
حکمراں تھا اس کا نام بورتی چینو تھا جو کیانی نسل کے قبیلۂ قورلاس کا ایک رکن تھا۔ قبیلہ
قورلاس ترکی قوم لنکورات کی ایک مشہور شاخ تھی۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ رشید الدین نے بورتی چینو کے ذکر سے اپنی داستان کو
نیا رنگ دیا ہے اس سے پہلے جو کچھ اُسنے لکھا ہے وہ محض واقعات، خیالات اور ناموں کی ریزہ چینی
ہے۔ اسنے اپنے مالک (ایل خان غازان) کے ترک پڑوسیوں کے دسترخوان سے کی ہے۔ اور یہ سطح
اس کا (ایل خان) ایک بالکل ہی نیا شجرہ تیار کیا ہے جس سے خود قدیم مغلوں اور چینیوں کی داستانیں
خالی ہیں۔ مختصر یہ کہ بورتی چینو تک جو قصہ رشید نے بیان کیا ہے وہ از سرتاپا مصنوعی ہے

بورتی چینو کا نام خود مغلوں کے قدیم قصص میں آیا ہے خصوصاً کتاب یوان چاو
پی شی میں جو اوغتائی ابن چنگیز خان کے عہد میں لکھی گئی تھی چینو کے معنے بھیڑیے
کے ہیں اور بورتی چینو سے مراد نیلا بھیڑیا یعنے کہ اس شاہی خاندان کا سلسلہ ایک بھیڑیے
سے جاکے ملتا ہے۔

بہرکیف گرگ نسلی کا یہ دعوے مغلوں ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں
کا مورث اعلیٰ بھی بھیڑیا ہی تھا اور اس وجہ سے یہ امر بہت قرین قیاس ہے کہ مغلوں کی روایت

ترکوں سے مستعار لیگئی ہو کیونکہ دونوں روایتیں تقریباً متحد ہیں۔

ہمنے وادی ارغین قون کے متعلق ترکی روایات کی حقیقت کو چینی مصنفین کے [illegible]
اس مقام تک تحقیق کیا ہے جہاں کہ یکہ وتنہا ایک لڑکا بچ رہتا ہے جسکے دست وپا قطع کردئے
جاتے ہیں اسکے بعد کے واقعات چینی اسطرح بیان کرتے ہیں کہ یہ لڑکا ایک جھاڑی میں جاکے چھپ رہا
جہاں ایک مادہ گرگ نے اس کی پرورش کی اور کچھ دنوں بعد اس سے حاملہ ہوگئی چونکہ دشمن ابتک
اس نوجوان کی ہستی کو مٹادینے کی فکر میں تھا وہ مادہ گرگ کسی مقدس روح کی بشارت دہی پر اسکو
اسیہائی جھیل کے مشرق طرف بھگائے گئی اور اس کو لیکر سلطنت کاؤشانک (یعنے مملکت
ترکان) کے شمال مغرب جانب ایک پہاڑ پر رہنے لگی یہاں انکو ایک غار ملا جسکے ذریعہ سے وہ ایک
محفوظ وادی میں داخل ہوگئے جسکا محیط دو سولی تھا۔ یہاں اس مادہ گرگ سے اسکو دس لڑکے
ہوئے جنمیں سے ہر ایک نے جدا جدا خاندانی نام اختیار کیا۔ اسینا جو سب سے زیادہ ہوشیار تھا انکا
راجہ یا سردار منتخب ہوا۔ اُسنے حکم دیا کہ اسکا شاہی نشان یا علم بھیڑئیے کے سر کی صورت میں بنایا
جائے تاکہ یہ نہ معلوم ہو وہ اپنی اصلیت کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ سینا یا اسینا کے معنے
ترکی زبان میں بھیڑئیے کے ہیں۔

اب ہم کو مغلوں کے قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بورتی چینو کہلاتا تھا چینو
کے معنے بھیڑئیے اور بُرُوت کے معنے نیلگوں کے ہیں اور دوسرے معنے اس لفظ کے آسمانی یا
الہی کے بھی ہیں پس بورتی چینو کے معنے آسمانی بھیڑئیے کے ہوئے سنانگ سیتزن لکھتا ہے
کہ چنگیز خان اپنی قوم کو کوکے منکول یا مغول نیلی کے لقب سے پکارتا تھا۔ اور
یوآن یا مغولیہ خاندان کا شاہی رنگ بھی نیلا تھا۔

بورتی چینو کی نسبت روایت ہے کہ اُس نے گوامرال یا سفید ہرن سے بیاہ کیا تھا
جو نام بظاہر بورتی چینو کا ہے۔ یہ جوڑا تنگیز یا جھیل کے
اطراف گشت لگایا کرتا تھا۔ یہانتک کہ وہ دریائے اونان کے سرچشمے تک پہونچے اور مقدس کوہ
بورخان پر انکے ایک فرزند متولد ہوا۔

مذکورہ بالا بیان تمام وکمال تمر کی قصے کی آموختہ خوانی ہے۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس

داستان کا ماخذ کیا ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ تنگیز یا دنگیز کا لفظ جس سے یُوان
چاو لی شی کی جھیل کو موسوم کیا گیا ہے خالص مغولی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ ترکی الاصل ہے
مغول جھیل کو بالعموم نور کہتے ہیں۔ جنرل کننگھم نے برو تی چینو کی شخصیت کو
باھی تگین پر منطبق کیا ہے جو کشمیر کے ترکی حکمرانوں کا ابتدائی مورث تھا۔ اور جسکی نسبت
البیرونی لکھتا ہے کہ چند مدت تک ایک غار میں بے آب و دانہ رہنے کے بعد وہ یکایک ترکی
لباس میں سر سے پا تک مسلح باہر نکل آیا۔[1] حمداللہ کا بیان ہے کہ بعض مورخوں کے نزدیک ہکوز
اور کیان دو عورتیں تھیں جن کا تعلق بھیڑیے سے ہو گیا تھا اور اس سے نیکے اولادیں ہوئیں۔[2]

بورتی چینو یا گرگ نیلی سے ایک طرف چینی اور مغلی مورخین نے مغولیہ
دوسری جانب رشید الدین اور اسکے ایرانی اعقاب نے جسطرح مغولیہ شاہی خاندان کا سلسلہ
ملایا اسکو اوپر دکھایا جا چکا ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ رشید الدین کا ماخذ التان دفتر
(سنہرا دفتر) ہے جس کا وہ جا بجا حوالہ دیتا ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ فارسی مورخین نے
جو کچھ لکھا ہے وہ رشید الدین اور اسکے متبعین کی جودت طبع کا نتیجہ ہے۔ یہ بات صاف ہے
کہ مغولیہ شاہی خاندان کا سلسلہ صرف مغربی مورخین نے ترکوں سے ملایا ہے بلکہ خود مغول اور
چینیوں نے بھی اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے اور یہ نتیجہ کے متعدد واقعات سے توثیق ہوتی ہے اگر
اگر ہم اپنی تحقیق کو انہیں بیانات تک محدود رکھیں جو اوپر مذکور ہوئے تو ظاہر ہے کہ مغولی اور نیز
ترکی روایات کی رو سے اُن کا مورث اعلیٰ ایک بھیڑیا قرار پاتا ہے۔ دونوں روایتوں میں یہ
بتایا گیا ہے کہ وہ (بھیڑیا) ایک جھیل کے قریب رہتا تھا جس کو وہ بعد میں عبور کر جاتا ہے دونو
کی رو سے وہ اپنے مسکن سے مشرق یا شمال مشرق جانب نقل مکان کرتا ہے اور دونوں کے
مطابق وہ ایک پہاڑ پر پہنچتا اور وہاں صاحب اولاد ہوتا ہے۔

اختلاف صرف اس قدر ہے کہ ترکی روایت کی رو سے اسینا (یعنے وہی بھیڑیا) وادی

---

[1] ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۹

[2] اوردکیان صفحہ ۵۲۳

ارغنین قون میں سکونت پذیر ہوتا ہے اور مغولی روایت کے بموجب بورتی چینو (گرگ نیلی) اُنکو (مغلوں کو) اُس وادی سے باہر نکال لاتا ہے ۔ اب ابوالغازی کی سنئے کہ وہ کیونکر پیوندکاری کرتا ہے ۔ لکھتا ہے کہ کیان سے بورتی چینو تک ۴۵۰ برس کا فاصلہ گزرا ہے ہمنے بہت کوشش کی کہ درمیانی سلسلے کے نام معلوم کریں لیکن ہماری ساری کوشش بے نتیجہ رہی اور اُن کا کسی تاریخ میں پتہ نہ چلا ۔ یہ درمیانی زمانہ چونکہ مغلوں نے وادی ارغنین قون میں گزارا اسی وجہ سے اس مدت کے حالات پردۂ خفا میں رہگئے "۔

یہ عجیب بات ہے کہ مقدمہ میں بورتی چینو سے بالکل ہی چشم پوشی کیگئی ہے اور بظاہر اس کو کیان کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے جبکہ ہمنے بورتی چینو کے متعلق اُن روایات کا پتہ لگالیا جو قدیم ترکوں تک اس سلسلے کو پہنچاتی ہیں تو گویا ہم ایک مستحکم زینے تک پہنچ گئے ۔ جس زمانے میں کہ مغلوں نے اپنے حالات لکھنے شروع کیئے اس وقت وہ فن تحریر میں اوی غوروں کے محتاج تھے جو ایک طولانی اور قدیم تاریخ کے مالک تھے ۔ مگر چونکہ وہ خود اپنے قدیم حالات سے نابلد تھے اس لئے انکے استادوں نے نہ صرف بھیڑیئے کا قصہ ہی اُن تک پہنچایا بلکہ ایک شجرۂ نسب بھی اُن کے حوالے کیا جو دوا سوشور اور دوبین مرغین تک پہنچتا ہے ۔ یہ دو بھائی تھے جن کا ذکر آگے آئیگا ۔

کتاب جوان شاو پیشی کا مصنف بورتی چینو کی روایت نقل کرتا ہوا اس کو اور گوا ات کو دریائے اونون اور کوہ برخان پر لے جاتا ہے جس کو سنانگ سیٹزن ۔ بُرخان خالدونہ لکھتا ہے اور جس سے مراد غالباً سلسلہ کینٹے ہے اس سلسلہ کو چینی جغرافیہ نویس بُرخان اولا لکھتے ہیں مغولی زبان میں بُرخان کے معنے مقدس یا الٰہی کے ہیں چنانچہ مغول مہاتما بدھ کو سکیا موتی بُرخان کہتے تھے ۔

سنانگ سیٹزن دوسرے مقام پر یہی قصہ نقل کرتا ہے ۔ اسمیں اُسنے دریائے اونون کو جھیل بیکال سے بدل دیا ہے اور لکھتا ہے کہ بورتی چینو کچھ دنوں تک کوہِ برخان پر قوم بیڈے (بیڑے) کے ساتھ مقیم تھا ۔ بیڑے ترکان اوی غور کا دوسرا نام ہے نیز شمالی تبت کے اویغور جن کو تبتی ھوریا کہتے تھے ۔ ان کو ایک تبتی

تصنیف میں جس کا نام نوم غار کوئی تو دورخوئی ٹولی ہے باڑاہور لکھا ہے اور رشید الدین نے جہاں مغلوں کے یا لکھی کنٹ (یا نغی قنات) فتح کرنے (۱۲۱۹ء) کا ذکر کیا ہے، وہاں لکھا ہے کہ اُن کی فوج میں دس ہزار آدمی قوم الوس پڑے کے تھے مگر دوسرے مورخ اُن کو اونغوز لکھنے میں لفظ بڑے غالباً چینی پے ٹی کا بگڑا ہوا ہے جسکے معنی شمالی وحشیوں کے ہیں۔

اب ہم ان شجروں کا ذکر کریں گے جو مختلف ذریعوں سے بیان ہوئے ہیں۔ پہلے تین شجروں کا ماخذ ظاہر ہے کہ ایک ہی ہے۔ اختلاف بہت تھا ہی ہے التان توپچی میں خالی خارچو کا نام سام سوشی کے بعد ترک ہوگیا ہے سنانگ سیتزن نے اسکے بیند وم کو نیکے نیدوں لکھا ہے اور اسی مصنف نے ایک بھائی مسمی بیدے سے خاں کا نام بید یسے خان بتایا ہے اسکے بعد وہ شجرہ دیا ہے جو تبتی تصنیف موسوم بہ بودی میر میں اختیار کیا ہے۔ اسمیں ناموں کی صورتیں بالکل بدل گئی ہیں اور یہی حالت رشید الدین کے ہاں ہے۔

یوان چاو شی پی	التان توپچی	سنانگ سیتزن
گرگ بیلی	بورتے چینو	بورتے چی نو
تباچی خاں	دادیت ساغان	بدیستے — بیدیس
تماتشا	تیموجین	تماک
خورتسر مرغین	کورتال مرغین	خورتسار مرغین
آچ زان بوریون	اقدہان بورغوال	اغوجیم بغرال
سالی خیتشلع	سالی غلت زیغو	سالی خان ایق غو
اے کے نِدون	اے کے نِدون	نِکے نِدون
سِن سوچی	بورتی مرغین	ساوسوچی
خارچی	تورغول جین بیان	خالی خلوچو
بروچی ذیلہ مرغین	دواسوخور — دوبورمرغین	بورجی جیتی مرغین
تروقولجین بویان		تورغال جین بیان
دواسوخور — دوبین مرغان		دواسوخور — دوبومرغین

شجرہ نمبر ۲

بودی میر	رشید الدین
بوروداچی	بورتے چینو
برچین	بےتےچی
تمانا	توبخ
کاکسامرغین	کی چی مرغین
ایزابورونول	کوچوم لغرول
اے کے داغون	یےکے ندوم
سائی سواچی	ساوسوچی
تیب زرو	خالی خاجو
دربلین زرغان	دوبون بیان

اگرچہ موخرالذکر دونوں فہرستوں میں بعض ناموں کے املا میں فرق ہے مگر نام ایک ہی ہیں برخلاف تین فہرستوں کے اور اس بات کا سمجھنا مشکل ہے کہ ان میں توافق کسطرح پیدا کیا گیا جبکہ ان کے ماخذوں میں بُعد بعید ہے اور اسی سے یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اصل شجرہ میں حذف والحاق کیا گیا ہے چنانچہ ان فہرستوں سائی خالچی غو کا نام اے کے ندوم کے عین ماقبل متروک ہے۔ اب دیکھئے کہ سنانگ سیسین نے خوانین مغولیہ کے جو نام دیئے ہیں انہیں سے خالی غوچین ہے اور یہ نام ایسا ہے جو تیرھویں صدی تک کہیں نہیں آتا۔ اسلئے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نام کسی خاص قبیلے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین فہرستوں میں ملحق کیا گیا ہوگا۔

اسکے ماسوا نمبر ۱ نمبر ۲ کی فہرستوں میں اور بھی بین اختلاف ہے رشید الدین اور بودی میر بالاتفاق دوبون مرغون کو خالی خارجو کا بیٹا بتاتے ہیں اور یوآنگ چاؤ لی شی۔ سنانگ سیسین اور التان توبچی ان باپ بیٹوں کے درمیان دو نام اور داخل کرتے ہیں یہ نام بظاہر قدیم شجرہ کا جز نہیں ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ کسی سانگا یا خاندانی

٭ قصیدہ ـ چگامہ

داستان کے ذریعہ سے داخل ہو گئے ہوں کیونکہ ایسی چیزوں میں بادشاہوں کی خواتین و محلات
کے نام بھی آجایا کرتے تھے۔ ۲۔ کی فہرستوں کے متعلق ایک بیان زائد ہے کہتے ہیں کہ خالی خان جو
کے ایک بیٹا بورچی نے عینی ہر عنین نام تہا یہ نام غالباً بورجیک سے ماخوذ ہے جسکے معنے
ازرق چشم کے ہیں اس نے منگول چین گوآ سے شادی کی جسکے نام کا پہلا جز مغلوں کا قومی نام
ہے اور دوسرا جز حسین اور گورے کے معنے میں ہے۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا وہ تورغل
چین بیان تھا۔ یہ نام ترکی کے نام سے مسخ معلوم ہوتا ہے جسنے بوروک چین گوآ
سے شادی کی تھی اور اسکا نام بھی بظاہر منگول بورو (نیلا یا بھورا نیلا) سے ماخوذ ہے جو اس
قوم کے ناموں ایک معمولی جز تھا اس بیان سے واضح ہے کہ یہ چاروں نام مصنوعی اور فرضی ہیں
موخر الذکر زن وشو کے متعلق یوان چاؤ پی شی میں ہے کہ ان کا ایک غلام تہا جسکا نام بورول
دائی تھا اور دو گھوڑے تھے جو دائیر اور بورو سے موسوم تھے۔ بقول پالادی یوس کے
ان گھوڑوں نے نسبی شجرۂ مغول میں کچھ حصہ لیا ہے۔

جو تین سندیں اوپر مذکور ہوئیں وہ اس امر میں متفق ہیں کہ تورغل چین بیان کے
دو بیٹے تھے دواسوخور اور دوبوہر غنین مگر رشید الدین کے اور تبتی شجروں میں دواسوخور
کا نام مذکور نہیں ہے۔

یوان چاؤ پی شی اور سنانگ سیتزین کا بیان ہے کہ دواسوخور کے بھی
سیکلوپ کی طرح وسط پیشانی میں صرف ایک آنکھ تھی جس سے وہ تین روز کے راستے کی چیز دیکھ سکتا
تہا اور اس کے چار بیٹے تھے۔ اول الذکر کا بیان ہے کہ یہی لڑکے قبیلہ دوربان کے مورث تھے
(دوربان کے معنے چار کے ہیں) سنانگ سیتزین اس بیان کو وسیع کرتا اور دوربان
کو چار قبیلوں کا ہم معنی بتاتا ہے اور ان کے جداگانہ نام اوعلید۔ بغاتور۔ خوئیتا
اور کرغود لکھتا ہے نیز وہ ان بہائیوں کے بہی چار نام دیتا ہے یعنے دونوئی۔ دوخشین
ایموک اور ایرک۔

برخلاف بیان بالا رشید الدین دوربان کو چار برادران تمستاک یا تیماج
کی اولاد سے بتاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شجرہ کیسا مصنوعی ہے اب دیکھیے ایک طرف تو مذکورۂ بالا

پانچوں شجرے اصولاً متفق اور تفصیلات میں مختلف ہیں اور دوسری طرف مقدمہ شرف الدین
میں جو داستان بیان ہوئی ہے وہ بالکل ہی جداگانہ ہے یعنے ان شجروں کے سارے ناموں سے
چشم پوشی کرکے حسب ذیل شجرہ کیاں سے متفرع کیا گیا ہے۔

کیان
|
نولداوز
|
تیمورتاش
|
منگلی خواجہ
|
یلداوز

اوبتا خان — النکواہ

چتیو خان — دیون بیان

ابوالغازی نے جبکے پیش نظر دونوں روائتیں تھیں پریشان ہوکر دونوں کو خلط ملط
کرکے تیمورتاش۔ منگلی خواجہ اور یلداوز کے ناموں کو خالی خاجو کے سلسلے میں درج
کردیا۔ اسنے یلداوز کے دونوں فرزندوں کے نام نہیں بتائے جیساکہ شرف الدین نے بتائے
ہیں بلکہ یہ کہدیا کہ وہ اپنے باپ کے سامنے فوت ہوگئے تھے لیکن اسنے یہ بھی نہیں لکھا کہ وہ علی الترتیب
دوبوبایان اور النکوا (النگ گوا) کے باپ تھے۔ غرضکہ پورا شجرہ جو مقدمہ میں دیا گیا ہے مصنوعی
ہے اور یہ اور بھی عجیب ہے کہ اس مصنف نے اپنی سادہ لوحی سے چنگیز خاں کے مورثِ اعلیٰ کو
ایک خوجہ قرار دیا ہے۔

اب دوبومرغان کی طرف رجوع کرنے سے جس تک ہمنے اس شجرہ کو پہنچایا ہے واضح ہوگا
کہ تمام روایات کی رو سے اسکے بعد سے داستان میں حقیقی فصل واقع ہوتا ہے اور بورتی چینو
سے دوبومرغان تک جو فہرست اسماء دیگئی ہے وہ الحاقی و مصنوعی ہے اور دوسرے قصوں سے
مستعار لیگئی ہے۔

داستان کی رو سے یہ واقعہ اسی کی وفات کے بعد کا ہے کہ النگ گوا کے تین بیٹے غیر فطری
طور پر پیدا ہوئے جن سے درحقیقت مغولیہ نسل چلی ہے چنانچہ ساگا کے مطابق بھی دوبو

اور اسکے مورثوں کو چنگیز خاں اور مغولیہ شاہی خاندان کے نسب سے کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ چین کی سرکاری تاریخ خاندان مغولیہ سے بھی اسی حقیقت کا مسلمہ ہونا پایا جاتا ہے جس میں دوبو مرغین تک کل نام چھوڑ دئے گئے ہیں اور شجرۂ نسب کو الَنگ گوآ سے شروع کیا گیا ہے۔

بقول برزین کے رشید الدین کے دئیے ہوئے اکثر نام مغلی نہیں بلکہ ترکی ہیں اور ان سب کو رشید شاہزادگان کورلا یا قورولاس سے جو ایک ترکی قبیلہ تھا بتاتا اور لکھتا ہے کہ وہ اونون۔ قولون اور تولا دریاؤں کے دامنوں اور کوہ برغار (بُرخان) اور برمید میں جو ترکوں کا قدیم ملک ہے بستے تھے۔

دوبو مرغین اور دواسوخور کو سنانگ سینزین کے مصنف نے دو مشہور ترکی سرداروں سے تعبیر کیا ہے اور دوبو کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ یہ مشہور ترک بادشاہ توبو خاں ہے جس نے ۵۸۱ء میں انتقال کیا اور اسکے بھائی دواسوخور کو مصنف مذکور سوخین بتاتا جو توبو کا بھائی تھا اور جس کو موکوخاں بھی کہتے تھے اور بیان کی توثیق اس واقعہ سے کرتا ہے کہ دواسوخور کے چاروں بیٹوں میں جو ملکتیں تقسیم ہوئی تھیں وہ وہی تھیں جو توبو خاں کی وفات پر ترکوں کو ملی تھیں یہ عجیب بات ہے کہ توبو اور سوخین کا پیشرو ترک بادشاہ تُولو تھا جو مذکورہ بالا فہرستوں میں سے ایک کا خالی خاچو کہا جاسکتا ہے۔

اس بیان سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ لاماؤں اور مسلمان مورخین کی کوششوں کے باوجود بھی مغولیہ شاہی خاندان کا سلسلہ نسب مہاتما بدھ یا حضرت نوحؑ تک نہیں پہنچتا اور یہ جو شجرے بنائے گئے ہیں یقیناً مصنوعی اور ان کے ماخذ غیر ملکی ہیں جن کو مغلوں کے دانش آموزوں اور استادوں یعنے اویغوروں نے اُن کے خوش کرنے کے لئے گڑھا ہے اور بڑے بڑے نام شجرہ میں داخل کرکے انکا سلسلہ ایک مشہور بہادر قوم (ترک) کے ساتھ ملا دیا جن سے انہوں نے تمدن و تہذیب کو حاصل کیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکے اکثر حکمران اور سردار بھی اسی قوم سے گزرے ہوں لیکن نسباً اُن کو ان سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ خاندان چنگیز کا اصلی نسب نامہ الَنگ گوآ سے شروع ہوتا ہے۔

تمت

اللہ غنی و انتم الفقرا

اس رنج کی دنیا میں جامِ طرب افزا دے
اس میکدۂ لا میں اک ساغر الا دے
اے فضل و کرم والے! محتاج کو دلوا دے
امید کے بندے کو محروم نہ پلٹا دے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

اس مفلس بیکس پر اے شاہ کرم فرما
آیا ہے ترے در پر گمراہ کرم فرما
مایوسی کی حالت میں ناگاہ کرم فرما
اللہ کرم فرما اللہ کرم فرما

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

دوری سے تری تھک کر جی ہی نہ ہاروں گا
افلاک کی چوٹی سے تاروں کو اتاروں گا
بگڑی ہوئی قسمت کو رو رو کے سنواروں گا
سو مرتبہ چیخوں گا سو بار پکاروں گا

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

اس جسم کے جوہر کو عریانی سے زینت دے
دستِ دلِ سائل میں دامانِ محبت دے
کچھ غم کی مسرت دے کچھ درد کی راحت دے
ایمان کی لذت دے توحید کی دولت دے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

کب تک تری صورت کو یہ دیدۂ تر ترسے
دیکھوں مری قسمت میں کب ابرِ کرم برسے
امید بہت کچھ ہے امجد کو ترے در سے
داماں ہوس بھر دے مقصود کے گوہر سے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

سید احمد حسین امجد

ماں کی لوری

گڈکری کی ایک مرہٹی نظم کا ترجمہ

سو جا اے میرے بچے سو جا، تیری ماں محبت کا گیت سنا کر لوری دے رہی ہے

سو جا اے میرے پیارے بچے سو جا

تو ایسے سورما سپاہی کا جگر گوشہ ہے۔ جو لاکھوں بہادروں میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ کوہ پیکر قلعے اور سنگین برج جن کا سینہ سپر سے زیادہ مضبوط ہے یہ سب تیرے اطراف ہیں

سو جا اے میرے پیارے بچے سو جا

تیری حفاظت کے لئے وہ بہادر اور سورما سپاہی ہیں جو اپنے سر کو ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے، تلوار کی آنچ سے میدان جنگ میں جل گئے اب وہ آسمان پر تارے بنکر چمکتے ہیں ان کی چمک دمک ہیرے اور موتی سے زیادہ ہے ایشور ان تاروں میں بیٹھا ہوا تجھے دیکھ رہا ہے تو بھی ٹکٹکی لگائے

ان بہادروں کے تخیل میں سو جا

سو جا اے میرے پیارے بچے سو جا

آہ! یہ دنیا فانی صرف دو دن کی ہے اور اسکی ہستی موہوم ہے "ہے" اور "نہیں" کا راز صبح اور شام میں مضمر ہے۔ اسکو تو جان گیا۔ خواب ہستی کے دلفریب خواب کا نغمہ سنکر تو بھی ان تاروں کی طرف دوڑتا ہوا گیا۔ محبت اور الفت کی زنجیر ٹوٹی۔ کڑیاں ایسی بکھر گئی ہیں کہ آنسوؤں کے تار سے بھی ایک جا نہیں کیجا سکتیں،....... تو پھر ملنے جلنے کا ذکر ہی کیا ہے.......

یہ قدرت کا تماشہ ہے یا اس کو قسمت کا لین دین کہنا چاہئے۔

پھر تو کون کس کے لئے روئے اور وہ بھی کہاں تک، تو جانتا ہے یہ رونے والے یہی رہ جائینگے اور تو آسمان کا تارا بنکر دیکھے گا دنیا کی لوری بین سے بدل جائیگی۔ دنیا کا یہ دلفریب نغمہ حسرت ناک ماتم ہے۔

رفیق مدیر

پر

مضمون نگار تحفہ کے اعتراضات

اور

اُن پر ناقدانہ نظر

نوشتہ

شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

ماہر علوم آثار قدیمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن مریم نے سچ کہا ہے کہ

"دوسرے کی آنکھ کا شہتیر نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا تنکا نظر نہیں آتا"

شوال ۱۳۴۲ھ کے تحفہ میں ایک مضمون "مسکوکات" کے عنوان سے شایع ہوا ہے جس میں "مسکوکات قدیمہ" پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے اور اُس میں لایق مضمون نگار کو جو غلطیاں تاریخی نظر آئی ہیں اُنکی تصحیح کی ہے۔

لایق مضمون نگار نے تاریخی غلطیوں کے نکالنے میں کسقدر کامیابی حاصل کی ہے اور ان غلطیوں کی جو تصحیح کی ہے تاریخی حیثیت سے وہ کیا وقعت و اہمیت رکھتی ہے اُسکا انکشاف سطور ذیل سے ہوگا۔

مسکوکات قدیمہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسکے ماخذات کی فہرست اخیر میں درج ہے۔ لیکن لایق مضمون نگار نے جو اعتراض کئے ہیں اُنکی کوئی تاریخی سند پیش نہیں کی ہے۔ ایسی حالت میں یہ اعتراض محتاج تصدیق اور ناقابل اعتبار ہیں۔

نقود اسلامیہ

نقود اسلامیہ کے عنوان سے تاج (جلد ۱ نمبر ۲) میں ہمارا ایک مضمون شایع ہوا ہے جسکی نسبت لایق مضمون نگار تحریر کرتے ہیں:—

"نقود اسلامیہ والا مضمون سکہ جات سلاطین مغلیہ کے نام سے نقاد آگرہ ۱۳ - ۱۹۱۲ء میں چھپ چکا ہے"

یہ غلط ہے کہ جو مضمون نقود اسلامیہ کے عنوان سے تاج میں چھپا ہے اس سے پہلے نقاد آگرہ میں چھپ چکا ہے۔ نقاد میں جو مضمون شایع ہوا ہے اسکا عنوان یہ تھا "سکہ جات سلاطین مغلیہ کا ابیا"

اُسمیں وہ ابیات جمع ہیں جنہیں شہنشاہ اکبر سے بہادر شاہ تک سلاطین مغلیہ نے اپنے سکوں پر مسکوک کرائے تھے نقود اسلامیہ کا موضوع اس سے جداگانہ ہے اسمیں سلاطین مغلیہ کے اُن سکوں کا تذکرہ ہے جو بڑے اور گراں قیمت ہونے کے باعث اعجوبہ روزگار سمجھے جاتے ہیں۔

پنکنڈہ

مسکوکات قدیمہ میں (ص۲۲ سطر ۱۴) پر بجائے **پنکنڈہ** کے نیکنڈہ چھپ گیا ہے اس پر لائق مضمون نگار تحریر کرتے ہیں کہ:—

"نیکنڈہ نام غلط ہے اسکا نام وناکنڈہ تہا جس کو بدلکر بیناکنڈہ بنا لیا گیا۔ فارسی مورخین نے اس کو بین کنڈہ لکھا ہے۔ اور پرتگالی ایلچی نونی جس کو البوکرک نے ۱۵۰۵ء میں بیجانگر بھیجا تہا اپنے خط میں اسی بیناکنڈہ کو پرکنڈہ لکھا ہے۔"

(۱) پنکنڈہ کی بجائے نیکنڈہ کا چھپنا کتابت وطباعت کی غلطی ہے اور یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی کہ خود معترض صاحب کے اسی مضمون میں واقع ہوئی ہے۔ صفحہ ۲۷ کالم اول سطر ۱۵ میں قلعۂ نیکاپور لکھا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح نام بنکاپور (Bankapur) ہے۔

(۲) فارسی مورخین نے اسکو بین کنڈہ نہیں بلکہ بلکنڈہ لکھا ہے چنانچہ **تاریخ فرشتہ** میں تحریر ہے:—

"وبلدہ بیجانگر تا ایں زمان سعادت نشان کہ از تاریخ ہجری ثلث وعشرین والف است ہم چنا خراب ست واحفاد وینکتا دری صلاح در تعمیر آں ندیدہ بلدہ بلکنڈہ را دار الملک خود گردانید"[1]

"وبعد از آنکہ مصطفےٰ خان بالشکر کرناٹک وامرائے برگی کہ در حوالی بنکاپور بودے ملحق شدند کوچ بہ کوچ متوجہ بلکنڈہ شدہ و وینکتادری تاب مقابلہ پادشاہ اسلام نیاوردہ قلعہ بلکنڈہ را بمردم معتمد سپردہ خود بسرعت تمام با خزانہ وفیل و دیگر اثاثہ سلطنت بہ بلدہ چیندرگیری رفت"

"وعلی عادل شاہ بہ بلکنڈہ رسید"[2]

قاضی ابراہیم زبیری نے **بساتین السلاطین** میں لکھا ہے:—[3]

"تملراج برادر رام راج بلکندہ را مقر خویش ساختہ پارہ از ملک در تصرف آوردہ قناعت نمود"

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ الفنسٹن ایڈیشن جلد دوم ص۷۷ نولکشور ایڈیشن جلد دوم ص۴۱

[2] تاریخ فرشتہ الفنسٹن ایڈیشن جلد دوم ص۵۵ نولکشور ایڈیشن جلد سوم ص۴۰

[3] بساتین السلاطین ص۱۱۳

اسکاٹ نے تاریخ فرشتہ کے ترجمہ میں بلکندہ کا تلفظ انگریزی حروف میں اسطرح لکھا ہے (Bilcondah) ؎۱

(۳) لایق مضمون نگار نے ونا کنڈہ کو پنکنڈہ کا قدیم نام سمجھا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے پنکنڈہ اور وناکنڈہ دو علیحدہ علیحدہ شہر ہیں۔

پنکنڈہ (Penukonda) احاطہ مدراس کے ضلع اننتاپور میں ۱۴ درجہ ۵ دقیقہ عرض البلد شمالی اور ۷۷ درجہ ۳۶ دقیقہ طول البلد شرقی پر واقع ہے ؎۲

وینکنڈہ Vinukonda ضلع گنٹور میں ۱۶ درجہ ۳ دقیقہ عرض البلد شمالی اور ۷۹ درجہ ۴۴ دقیقہ طول البلد شرقی پر واقع ہے۔ ؎۳

وناکنڈہ کو ابراہیم قطب شاہ نے ۹۸۰ھ میں کونڈویر اور کھمم کے ساتھ فتح کیا تھا۔ فارسی مورخین نے اس کا تلفظ وینکنڈہ لکھا ہے چنانچہ تاریخ قطب شاہی میں تحریر ہے:۔

"سیادت پناہ علاء الدین محمود شیرازی را بخطاب حیدر الملکی سرفراز گردانیدہ بر چندے از امرا سپہ نامزد نمودہ بعزم تسخیر کونڈ بیر نامزد فرمودہ و عساکر منصور بولایت کونڈ بیر در آمدہ اول قلعہ وینکنڈہ را محاصرہ نمود بیامن دولت روز افزوں مسخر نمودند" ؎۴

(۴) البیوکرک کے ایلچی لوئی نے اپنے خط میں پرگنڈہ کی نسبت حسب ذیل کیفیت لکھی ہے:۔

"راجہ بیجانگر کے ایک باج گزار نے باغی ہوکر پرگنڈہ پر اس بہانے سے قبضہ کرلیا کہ وہ اسکا مالک جائز ہے"

یہ امر ابھی تک محتاج تحقیق ہے کہ لوئی نے پرگنڈہ سے کونسا مقام مراد لیا ہے مسٹر سویل گمان کرتے ہیں کہ پرگنڈہ سے پنکنڈہ مراد ہے لیکن انکی یہ رائے قطعی رائے نہیں ہے بلکہ انہیں بھی شبہ ہے اور اس شبہ کو ظاہر کرنے کے لئے انکی کتاب میں اس مقام پر علامت تحقیق طلب بنی ہوئی ہے ؎۵

(۵) نیونیز نے اپنے وقایع میں پنکنڈہ کو پنگمدم (Penagumdum) لکھا ہے ؎۶

؎۱ Ferishta's History of the Dekkan Translated by J. Scott Vol. I. PP 302, 305

؎۲ Imperial Gazetteer of India Vol. XX. P 104.

؎۳ Imperial Gazetteer of India Vol. XXIV. PP. 318.

؎۴ تاریخ قطب شاہی نسخہ قلمی موجودہ کتبخانہ آصفیہ

؎۵ Sewell's Forgotten Empire PP. 126

؎۶ Chronicle of Fernao Nuniz, PP 309 - 336.

دیورائے (راجہ بیجانگر) کے سنین حکومت

مسکوکات قدیمہ میں دیورائے کا عہد حکومت از ۱۴۰۱ء تا ۱۴۵۱ء لکھا ہے اس پر لائق مضمون نگار نے حسب ذیل اعتراض کیا ہے۔

"۱۴۰۱ء سے ۱۴۵۱ء تک سلطنت بیجانگر میں دیورائے نام کے ایک سے زیادہ راجاؤں نے راج کیا ہے"
"ہری ہر دوم ۱۳۹۹ء میں فوت ہوا اسکی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا بکا دوم تخت نشین ہوا اسکے بعد"
"اس کا بھائی دیورائے اول ۵ نومبر ۱۴۰۶ء میں تخت نشین ہوا جو ۱۴۱۲ء میں فوت ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا ویروجایا تخت نشین ہوا جو ۱۴۱۹ء میں فوت ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا دیورائے دوم تخت نشین اور باعتبار اقوال محمد عبدالرزاق و نیونیز اسکا انتقال اوائل ۱۴۴۴ء میں ہوا اور ۱۴۴۴ء سے ۱۴۵۰ء تک وقفہ واقع ہوا جسکے متعلق ابتک کوئی تحقیق قابل یقین نہیں ہوئی ہے بعض مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس وقفہ میں کسی شخص دیورائے سوم نامی نے سلطنت کی ہے ویروجایا کے دو لڑکے تھے دیورایا اور پرتاب دیورایا مقدم الذکر دیورائے دوم ہے جس نے ۱۴۴۴ء تک سلطنت کی ہے ممکن ہے کہ اس دیورائے کے بیٹے ملکارجن کے تخت نشین ہونے سے پیشتر پرتاب دیورائے قابض سلطنت ہوا ہو اس صورت میں بھی ۱۴۰۱ء سے ۱۴۵۱ء تک دیورائے نامی تین راجاؤں نے سلطنت کی ہے"

اعتراض مذکور کے موافق ۱۴۰۱ء سے ۱۴۵۱ء تک بیجانگر میں جن راجاؤں نے حکومت کی ہے ان کے نام اور سنین حکومت یہ ہیں۔

	نام	از	تا
(۱)	ہری ہر دوم		۱۳۹۹ء
(۲)	بکا دوم	۱۳۹۹ء	۱۴۰۶ء
(۳)	دیورائے اوّل	۱۴۰۶ء	۱۴۱۳ء
(۴)	ویروجایا	۱۴۱۳ء	۱۴۱۹ء
(۵)	دیورائے دوم	۱۴۱۹ء	۱۴۴۴ء
(۶)	وقفہ یا دیورائے سوم	۱۴۴۴ء	۱۴۵۰ء
(۷)	ملکارجن	۱۴۵۰ء	

اصل مباحث شروع کرنے سے پہلے اس امر کا ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ بیجانگر

پر اسوقت تک گہری ظلمت چھائی ہوئی ہے ایک عرصہ سے اہل تاریخ اسکی تحقیق و تدقیق میں مصروف ہیں اور روز بروز نئی نئی باتیں منکشف ہو رہی ہیں باوجود اس کے راجگان بیجانگر کے نام اور انکے سنین حکومت ابھی تک تحقیق طلب ہیں اور جو نام اور سنین مورخین نے تجویز کئے ہیں وہ محض قیاسی ہیں اور انکی بنیاد پر قطعی نتائج کا اخذ کرنا سراسر غلطی ہے۔

ماہرین آثار قدیمہ نے راجگان بیجانگر کے بہت سے کتبوں کو فراہم کیا ہے اور انپر جو تاریخیں کندہ ہیں اُن سے ان راجاؤں کا زمانہ حکومت تعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اسمیں یہ دشواری ہے کہ ایک راجہ کا زمانۂ حکومت دوسرے راجہ کے زمانۂ حکومت میں شامل ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مورخین نے راجگان بیجاپور کے سنین حکومت کو بیان کرنے میں باہم اختلاف کیا ہے اور اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے جن ذرائع کی ضرورت ہے وہ ابھی تک پردۂ خفا میں مستور ہیں۔

لائق مضمون نگار نے اپنے اعتراض میں راجگان بیجانگر کے جو سنین حکومت بیان کئے ہیں وہ قطعی قابل یقین نہیں ہیں بلکہ انکی نسبت مورخین میں سخت اختلاف ہے ناظرین کی واقفیت کے لئے ان اختلافات کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جو کتب ذیل سے ماخوذ ہیں۔

(۱) Wilson, Mackenzie Collection. P.P. 265.

(۲) Prinsep, Indian Antiquities Vol. II. P.P. 282.

(۳) Burnell, South Indian Palaeography P.P. 54-55

(۴) Hultzsch, Epigraphia Indica, Vol. III P.P. 36

(۵) Smith, Oxford History of India. P.P. 317-318

سنین حکومت	ولسن	پرنسیپ	برنل	ہولش	اسمتھ	مضمون نگار
۱۳۶۷ء		ہری ہر دوم				
۱۳۷۹ء			ہری ہر دوم	ہری ہر دوم	ہری ہر دوم	
۱۳۸۵ء	ہری ہر دوم					
۱۳۹۱ء		دیورائے				

سنہ						
۱۳۹۱ء		دیورائے				
۱۳۹۹ء						بکا دوم
۱۴۰۱ء			بکا دوم			
۱۴۰۴ء					بکا دوم	
۱۴۰۶ء				بکا دوم	دیورائے اول	دیورائے اول
۱۴۰۸ء				دیورائے اول		
۱۴۱۳ء				ویرا ویجایا		ویرا ویجایا
۱۴۱۸ء			دیورائے اول			
۱۴۱۹ء						دیورائے دوم
۱۴۲۲ء					ویرا ویجایا	
۱۴۲۴ء		پندر دیوا		دیورائے دوم	دیورائے دوم	
۱۴۲۶ء	دیورائے					
۱۴۳۴ء			ویجایا			
۱۴۴۷ء					ملکارجن	
۱۴۵۰ء		رام چندر				ملکارجن
۱۴۵۱ء	ملکارجن					
۱۴۵۳ء				ملکارجن		
۱۴۵۶ء			پروہا دیو			
۱۴۸۱ء			ملکارجن			

دیورائے کی حکومت کو ۱۴۰۱ء سے ۱۴۵۱ء تک قرار دینا کوئی ہماری ذاتی رائے نہیں[1] بلکہ ڈاکٹر ہیڈری ایم-اے-ایم-بی سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ سنٹرل میوزیم مدراس کی رائے ہے

[1] The Coins of Southern India. J.R.A.S. Vol. L IX. PP. 430.

دیگر محققین کی رائے پر ڈاکٹر بیڈی کی رائے کو کیوں ترجیح دیگئی ہے؟ اسکے وجوہات سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

(۱) ڈاکٹر رائس کی تحریر کے موافق بکا رائے دوم اور دیورائے اول کو دو علحدہ علحدہ شخص سمجھنا ایک اہم تاریخی غلطی ہے ڈاکٹر رائس کا بیان ہے کہ ہری ہرا دوم کی ایک رانی تھی جسکا نام مالا دیوی تہا اور وہ راما دیوا کی نسل سے تھی جو دیوگیری کے یادو خاندان کا ایک راجہ تہا۔ اس رانی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام بکا رکھا گیا اور جب وہ ہری ہر دوم کا جانشین ہوا تو اس نے اپنا لقب دیورائے رکھا۔ یہ دیورائے وہی ہے جس کو مورخ فرشتہ نے کشن رائے لکھا ہے[1]

(۲) سنہ ۱۳۲ء کے ایک کتبہ میں راجہ کا خطاب پرتا با دیوارایا مہارایا اور نام بکارایا کندہ ہے۔ سنہ ۱۴۳ء کے ایک کتبہ میں راجہ کا نام اور اسکے حسب ذیل خطابات تحریر ہیں ویرا دیوا پرتابا ویجایا بکارایا۔ سنہ ۱۴۱ء کے ایک کتبہ میں ویرا ویجایا کا نام بھوپتی منقوش ہے[2] سنہ ۱۳۲ء کے کتبہ سے ظاہر ہے کہ دیورائے کا نام بوکارائے تھا۔ سنہ ۱۴۳ء کے کتبہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بکارائے کے علاوہ دیورائے کا ایک اور نام ویجایا بھی تھا ڈاکٹر برنل نے دیورائے کا نام بھوپتی بھی لکھا ہے[3]

سنہ ۱۴۱ء کے کتبہ میں ویجایا کا نام بھوپتی درج ہے اور اس سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ دیورائے کے نام ویجایا اور بھوپتی بھی مشہور تھے اور یہ تمام شواہد اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ بکارائے۔ دیورائے۔ ویجارائے۔ بھوپتی یہ سب ایک ہی شخص کے مختلف نام ہیں۔

(۳) دیورائے کے کتبے سنہ ۱۴۰۱ء سے سنہ ۱۴۲۱ء تک مسلسل دستیاب ہوئے ہیں سنہ ۱۴۱۵ء سے ملکارجن کے کتبوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس سے ڈاکٹر بیڈی کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ دیورائے

---

[1] Epig. Carnatica. Vol. IV. PP. 151.

[2] Rice. Mysore Inscriptions.
Kielhorn, Supplement.

[3] South Indian Paliaeography. PP. 54.

سنہ ۱۴۰۶ء سے سنہ ۱۴۱۵ء تک برسرِ حکومت رہا ہے۔

دیورائے کا سنہ انتقال

لائق معترض نے دیورائے کے سنین حکومت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اُسکے بعد اسکا بیٹا دیورائے دوم تخت نشین ہوا اور باعتبار اقوال محمد عبدالرزاق و نیونیز اسکا انتقال اوائل سنہ ۱۴۴۹ء میں ہوا"

عبدالرزاق اور نیونیز کی کتابوں میں اس بات کی کہیں بھی صراحت نہیں ہے کہ دیورائے نے سنہ ۱۴۴۹ء کے اوائل میں انتقال کیا۔

(۱) سفیر عبدالرزاق[1] سنہ ۸۴۶ھ کے اواخر ذی الحجہ میں بیجانگر میں داخل ہوا۔ یہ تاریخ اواخر مئی سنہ ۱۴۴۳ء سے مطابق ہے۔

سنہ ۸۴۷ھ مطابق سنہ ۱۴۴۳ء میں راجہ کو اُسکے بھائی نے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن قاتل ناکام رہا اور راجہ زخمی ہو کر بچ گیا اور جب صحت یاب ہوا تو مہناوی (مہانوی) کا جشن ماہ رجب سنہ ۸۴۷ھ مطابق نومبر سنہ ۱۴۴۳ء میں منعقد کیا جشن برخواست ہونے کے بعد راجہ نے عبدالرزاق سے ملاقات کی۔

۱۲ ماہ شعبان سنہ ۸۴۷ھ مطابق یکم دسمبر سنہ ۱۴۴۳ء کو عبدالرزاق بیجانگر سے واپس ہوا اور اسکے ساتھ دیورائے نے خواجہ مسعود و خواجہ محمود کو جو خراسان کے باشندے تھے اپنی جانب سے سفیر مقرر کرکے ایران کو روانہ کیا۔

عبدالرزاق نے راجہ کے مرنے کا ذکر کہیں نہیں لکھا ہے بلکہ اوسکے زخمی ہو کر صحتیاب ہونے کی کیفیت بیان کی ہے۔

(۲) نیونیز[2] نے اپنے وقائع میں بنائے بیجانگر سے دیورائے تک حسب ذیل چھہ راجاؤں کے نام لکھے ہیں۔

---

[1] عبدالرزاق کی تاریخ مطلع السعدین کے ترجمہ کیلئے دیکھئے Elliot History of India. Vol. iv.

[2] ان راجاؤں کی تفصیل کے لئے دیکھئے Chronicle of Fernao Nuniz. Chap. iv.

(۱)	دیوراؤ	بانی شہر بیجانگر	مدت حکومت ۷ سال
(۲)	بکارائے	"	۳۷ سال
(۳)	پری وری رائے		
(۴)	اوجے رائے	"	۴۳ سال
(۵)	ویجایاراؤ	"	۶ سال
(۶)	دیورائے	"	۲۵ سال

نیونیز نے پریوری رائے کی مدت حکومت بیان نہیں کی ہے اس لئے ہم اس زمانہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔ باقی پانچ راجاؤں نے ایکسو اٹھارہ سال حکومت کی ہے بیجانگر ۱۳۳۶ء میں آباد ہوا ہے اس اعتبار سے دیورائے کا انتقال بقول نیونیز ۱۴۵۴ء کے بعد واقع ہوا ہے نہ کہ ۱۴۴۹ء میں جیسا کہ لائق معترض نے نیونیز کے حوالے سے لکھا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار

مسکوکات قدیمہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی نسبت اسٹار پگوڈا کے تحت میں تحریر ہے

"یہ سکہ ۱۶۸۶ء کے بعد مضروب ہوا ہے جبکہ کمپنی نے اپنے آزادانہ انتظامات شروع کر دئے تھے اور مدراس میں انکی قوت زور آور ہوکر خود مختار حکومت کی صورت پیدا کر رہی تھی۔"

لائق مضمون نگار نے اسکی نسبت حسب ذیل ریمارک کیا ہے۔

"ستر ہویں صدی کے اختتام تک بھی کمپنی نے کوئی آزادانہ انتظام شروع نہیں کیا اور اٹھارہویں صدی کے ابتدائی نصف تک بھی انکی قوت خود مختارانہ صورت نہ تو مدراس میں اختیار کر رہی تھی اور نہ ہندوستان میں کسی اور مقام پر۔"

لائق مضمون نگار نے اس ریمارک میں دو باتیں بیان کی ہیں۔

اولاً یہ کہ ستر ہویں صدی کے اختتام یا سنہ ۱۷۰۰ء کے خاتمہ تک کمپنی نے کوئی آزادانہ انتظام شروع نہیں کیا۔

دوم یہ کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول یا سنہ ۱۷۵۰ء تک انکی قوت نے ہندوستان میں کسی مقام پر بھی خود مختارانہ حکومت کی صورت نہیں پیدا کی۔

لائق مضمون نگار کے اس ریمارک کی نسبت کسی طول طویل بحث کی ضرورت نہیں ہے ذیل میں ہم دو اقتباس درج کرتے ہیں جنمیں اس اعتراض کا تشفی بخش جواب موجود ہے۔ سر الفرڈ لایل نے اپنی مشہور کتاب دی رائز اینڈ اکسپنشن آف برٹش ڈومینین ان انڈیا the Rise and Expansion of British Dominion In India میں تحریر کرتے ہیں۔

"انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیئے سترہویں صدی کا آخر زمانہ ایک طرح کا چولا تبدیل کرنے کا زمانہ تھا یعنے اس نے ایک خالص تجارتی کارخانے سے پریشانی و مصیبت کا سامنا کر کے ایک طرح کی مقامی خودمختار سلطنت کی سی حیثیت اختیار کرنی شروع کی تھی۔ سلطنت مغلیہ کی روزافزوں کمزوری نے کمپنی کی تجارت کے خطرات کو المضاعف کر دیا تھا۔ کیونکہ جو لڑائیاں کمپنی کی نوآبادیات کے قریب ہوتی رہتی تھیں اُن سے ہر وقت اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی غارتگر اس طرف کا رخ نہ کرے اور کمپنی کے حقوق غصب نہ کر لے۔ چنانچہ کمپنی نے بالقصد یہ طرز عمل اختیار کیا کہ جہاں تک ہو سکے اپنے تئیں دیسی افسروں کے توسط و توسل سے آزاد کیا جائے اور اسی بنیاد پر اپنے عمال کو خاص طور سے یہ حکم دیا کہ تحصیل محاصل کے اضافہ کرنے کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں"۔

سنہ ۱۶۹۰ء میں کمپنی نے جو گشتی احکام اپنے عمال کے نام جاری کئے تھے انہیں یہ الفاظ تھے کہ "ہم کو اپنے مالیہ کی ترقی کی بھی اتنی ہی فکر لازم ہے جتنی اپنی تجارت کی۔ اسکے ذریعہ سے ہم اپنی فوجی قوت ایسے وقت میں قایم رکھ سکتے ہیں جبکہ بیسیوں حادثے ہماری تجارت میں خلل ڈالنے والے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے ہم ہندوستان میں ایک قوم بن سکتے ہیں ہماری غرض یہ ہے کہ وہ انتظامی اور جنگی حکمت عملی اختیار کریں اور اس قدر کثیر رقم بطور محاصل کے وصول کریں کہ زمانہ آئندہ کے لئے ایک بڑی اور مستحکم انگریزی سلطنت ہندوستان میں قایم ہو جائے"

کمپنی کی یہ ہدایات صاف ظاہر کرتی ہیں کہ اسکو حکومت کی ہوا لگ چکی تھی اور وہ علاوہ تجارت کے کسی اور بڑے شکار کی فکر میں تھی اور آہستہ آہستہ اپنے قوت عمل کو خاص سرزمین ہند میں مجتمع کرتی جاتی تھی۔ مدراس اور بمبئی میں کمپنی کے قلعہ جات خاص حالت میں تھے اور انکی

میں باستثنا چند یورپینوں کے زیادہ تر ارمنیوں، عربوں، حبشیوں اور دوغلے پرتگالیوں کی آمیزش تھی۔

سنہ ۱۶۶۱ء میں کمپنی نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے تمام مقبوضات کو ایک باقاعدہ نظام کے تحت میں مرتب کرلے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے شاہ جیمز سے اپنے گورنر کے لئے ہندوستان میں صلح اور جنگ کرنے کے اختیارات حاصل کرکے انگلستان میں ایک جنگی بحری مہم تیار کی اور سر جان چائلڈ کی سرکردگی میں اس کو یہ احکام دیکر روانہ کیا کہ دیسی عمال کے ہاتھوں جو نقصانات کمپنی کو برداشت کرنے پڑے ہیں ان سب کی تلافی کے مطالبہ میں سلطنت مغلیہ کے خلاف اعلان جنگ کردے (باب سوم فصل اول)

انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین سنہ ۱۷۴۶ء میں جو بحری معرکے ہوئے ہیں انکے شروع ہونے سے پہلے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ہندوستان میں کیا حالت تھی اُس کو مسٹر مارشمین نے اپنی تاریخ ہندوستان میں اسطرح بیان کیا ہے۔

"دونوں کمپنیوں کے گورنر ایک دوسرے کے ساتھ آویزش میں مصروف ہوگئے تھے اپنی ضروریات کے لئے فوج میں ہندوستانی تلنگے بھرتی کر رہے تھے۔ یوروپین سپاہی طلب کر رہے تھے بمقابلہ تجارت کے جنگ کی طرف انکی توجہ زیادہ مبذول ہوگئی تھی انہوں نے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اتحادی معاہدے طے کرنے شروع کردئے تھے اور انکے باہمی منازعات میں گھس پڑے تھے اور ان آویزشوں میں یوروپین سپاہیوں کی فوقیت برابر ہندوستانی سپاہیوں پر ثابت ہوتی چلی جارہی تھی جس سے ملک میں یوروپین اقتدار بڑھتا چلا جارہا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکل رہا تھا کہ اہل یورپ کے ہاتھ برابر علاقہ آتا جارہا تھا فرانسیسیوں نے جنوب میں اتنے علاقے حاصل کرلئے تھے جس کی آبادی تین ساڑھے تین کرور تھی۔ شمال میں انگریزوں نے اتنے علاقہ پر اقتدار و حکومت حاصل کرلی تھی جو باعتبار رقبہ اور آبادی کے برطانیہ عظمٰی سے بڑا تھا"

سر الفرڈ لائل کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سولھویں صدی کے اخیر میں یا سنہ ۱۷۰۰ء کے شروع ہونے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حکومت کی ہوا لگ گئی تھی دیسی حکام کے تسلط سے

آزاد ہونا چاہتی تھی اسلئے اپنے مقبوضات میں باضابطہ انتظام شروع کردیا تھا اور مقامی خودمختار حکومت کی بنیاد قایم کرلی تھی۔ اور ہندوستان میں ایک وسیع اور مستحکم سلطنت کو قایم کرنیکی تدبیریں کر رہی تھی۔

مارشمین کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ ۱۷۴۶ء سے بہت پہلے انگریزوں نے ہندوستان میں اتنے علاقہ پر اقتدار حکومت حاصل کرلیا تہا جو باعتبار رقبہ اور آبادی کے برطانیہ عظمی سے بڑا تھا۔

ان معتبر تحریرات کے مقابلہ میں لایق مضمون نگار کا بیان (جسکی انہوں نے کوئی سند پیش نہیں کی ہے) بے اصل اور ناقابل قبول ہے۔

لفظ نایک کی تحقیق۔

مسکوکاتِ قدیمہ میں تحریر ہے۔ بیجانگر کی تباہی کے بعد جنوبی ہندوؤں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قایم کرلی تھیں۔ جن کے فرمانروا نایک اور زمیندار کے لقب سے مشہور تھے ان میں میسور کے نایک زیادہ طاقتور تھے۔

لایق معترض نے اسپر حسب ذیل اعتراض کیا ہے:۔

"لفظ نایک کی تشریح میں ایک تاریخی اہم غلطی کی ہے نایک کی تعریف جو تواریخ میں کیگئی ہے ان کو ہم تواریخ ہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) نایک دراصطلاح ہنود سردار پیادہ راگویند

(۲) علاقہ جمعداری کہ دراصطلاح آں قوم نایک گویند

(۳) نایک راجہائے دکن مردذی شوکت و شجیع رامیگویند۔

لایق معترض نے بیجانگر کی تباہی کے بعد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہندوؤں نے قایم کرلی تہیں ان کے حکمرانوں کو نایک کہنا ایک اہم تاریخی غلطی سمجھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ معترض کا ایسا سمجھنا بجائے خود ایک اہم تاریخی غلطی ہے۔

مشہور فرانسیسی سیّاح ڈاکٹر برنیر جس نے شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں ہندوستان کا سفر کیا ہے۔ اپنے سفرنامہ میں دکن کے سلاطین بیجاپور و گولکنڈہ [illegible]

کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

اس جزیرہ نما کے باقی قطعات اس وقت سے ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئے جو ابتک قائم ہیں اور جنکے رئیس راجہ یا نائک کہلاتے ہیں [1]

نائک جنوبی ہند کے بہت سے فرمانروا خاندانوں کا لقب تھا۔ منجملہ انکے ذیل کے تین خاندان نہایت مشہور و ممتاز تھے۔

(۱) مدورا کے نائک۔ ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے۔

Nelson, Manual of the Madura Country.

Rangachari; Naik Kingdom of Madura, Indian Antiquary 1914.

(۲) تنجور کے نائک۔ انکے مفصل حالات کے لئے دیکھئے۔

Venka-Sami. Manual of the Dist. of Tenjore

(۳) بیدنور کے نائک۔ انکے مفصل حالات کے لئے دیکھئے۔

Rice, Mysore Gazetteer

ٹیپو سلطان کے ہون

مسکوکات قدیمہ میں تحریر ہے کہ ٹیپو سلطان کے ہون دو قسم کے تھے پہلی قسم کے نگر میں ۱۱۹۷ھ ۱۱۹۸ھ اور ۱۲۰۰ھ میں مضروب ہوئے تھے اس پر ایک جانب ہو السلطان العادل ۱۲۰۰ ہجری اور دوسری جانب ح نگر مسکوک ہے دوسری قسم کے ہون ۱۲۰۱ اور ۱۲۱۱ مولودی میں پٹن اور نگر میں مسکوک ہوئے تھے ان پر ایک جانب محمد ہو السلطان العادل ۱۲۲۱ اور دوسری جانب ح فاروقی پٹن سنہ ۹ لکھا ہوا ہے اسپر لائق مضمون نگار کا یہ اعتراض ہے کہ:۔

دو کا عدد غلط ہے ٹیپو سلطان نے کئی قسم کے ہون مسکوک و جاری کئے تھے۔ سلطانی ہون۔ فاروقی ہون صدیقی ہون۔ احمدی ہون وغیرہ۔

---

[1] برنیر جلد اول ص ۳۳۳ [2] موسیو تھیونو ص ۷۶

یہ اعتراض غلط ہے اور اس سے مضمون نگار کی عدم واقفیت کا اظہار ہوتا ہے ٹیپو سلطان نے اپنے عہد میں جو سکے مضروب کرائے تھے وہ باعتبار وزن اور قیمت کے چار قسم کے تھے اور اُن کے نام جُدا جُدا مقرر تھے۔

(۱) **احمدی**۔ یہ اشرفی تھی اور وزن اسکا کم و بیش ۲۱۱ گرین ہوا کرتا تھا۔

(۲) **صدیقی**۔ یہ نصف اشرفی تھی وزن اس کا کم و بیش ۱۰۶ گرین ہوا کرتا تھا

(۳) **فاروقی**۔ وزن اسکا کم و بیش ۵۱ر۵ گرین ہوا کرتا تھا۔ یہ اشرفی کا چوتھائی

(۴) **فنم**۔ وزن اسکا کم و بیش ۵ر۲ گرین ہوا کرتا تھا۔ یہ سکہ فاروقی کا دسواں یا مہر کا چالیسواں حصہ تھا۔ اور یہ سب سے چھوٹا سکہ تھا۔

عوام الناس احمدی اور صدیقی سکوں کو سلطانی مہر یا سلطانی اشرفی کہا کرتے تھے فاروقی کا نام سلطانی ہون مشہور تھا اور اہل یورپ اُس کو پاگوڈا Pagoda کہا کرتے تھے۔

ہُون اُن سکوں کا مخصوص نام ہے جن کی قیمت ڈھائی یا تین روپیہ کے مساوی ہوا کرتی ہے اس کو ہم نے اپنے مضمون کے ابتدائی اوراق میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے مزید واقفیت منظور ہو تو بمبئی ہائیکورٹ کے اُس فیصلہ کو پڑھنا چاہیئے جو ۲۷ جنوری ۱۸۷۹ء کو صادر ہوا ہے۔

ایسی صورت میں احمدی اور صدیقی کو جو ہون سے گراں قیمت سکے ہیں ہون سمجھنا ایک صاف و صریح غلطی ہے۔

لائق معترض کو چاہیئے کہ ہمارا مضمون مکرر غور سے پڑھیں۔ کیونکہ انہوں نے جو اعتراض کیا ہے وہ بالکل بے اصل ہے ہم نے قیمت کے لحاظ سے ہون کے دو قسم نہیں بیان کئے ہیں بلکہ ان کو عبارت یا نقش کے لحاظ سے دو قسم پر تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم میں ہم نے وہ ہون درج کئے ہیں جن پر سنہ ہجری کندہ ہے اور انکی عبارت حسب ذیل ہے۔

رُخ اول	رُخ دوم
ہُون	
السلطان	پٹن نگر
۱۱۹۸ ہجری	
العادل سنہ	

اور دوسری قسم میں اُن ہون کا ذکر کیا ہے جن پر سنہ مولودی کندہ ہے اور انکی عبارت قسم اول کے ہونوں سے مختلف ہے۔

رخ اول	رخ دوم
محمد	فاروقی
ہو السلطان	
ابو العادل ۱۲۱۶ سنہ	نگرح سنہ

سنہ مولودی

سنہ مولودی کے متعلق لائق مضمون نگار کا یہ اعتراض ہے کہ:۔

"اول تو یہ دیکھنا ہے کہ سنہ مولودی ٹیپو سلطان نے جاری بھی کیا تھا یا نہیں اسمیں شک نہیں کہ علاوہ ہجرت کے ایک الگ سنہ اس نے رائج کیا جس کا نام محمدی تھا نہ کہ مولودی اور اس میں بعثت کے حساب سے ۱۲ سالہ میں سن ہجرت سے تیرہ سال زائد آتے تھے مولودی سن اور پھر اس تعریف سے اس کی تحریر جسکا ذکر لائق مضمون نگار نے کیا ہے ٹیپو سلطان نے ہرگز رائج نہیں کیا اگر ہم اسی سن کو صحیح مان لیں تو جو ۱۲۱ سالہ مولودی لائق مضمون نگار نے بتایا ہے سرسری طور پر ہجری ۱۱۸ سالہ یا ۱۱۷۲ سالہ سے مطابق ہوگا جس زمانہ میں ٹیپو سلطان بہ مشکل سات یا نو سال کا تھا اس سنہ میں تاریخ سے نہ قابض سلطنت ہونا صحیح ہے نہ ضرب سکہ"

لائق معترض کی اس تحریر سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) ٹیپو سلطان کوئی سنہ مولودی جاری نہیں کیا تھا۔

(۲) ٹیپو سلطان نے سنہ محمدی جاری کیا تھا جس کا حساب بعثت رسول کریم صلعم سے تھا

اور ہجرت سے تیرہ سال زیادہ تھے۔

(۳) مسکوکات قدیمہ میں محمدی کو تحریف کر کے مولودی ظاہر کیا گیا ہے۔

(۴) مولودی سنہ صحیح مان لیں تو ۱۲۲۱ھ بارہ سو اکیس سنہ ۱۸۰۶ء یا ۱۸۰۷ء سے مطابق ہوگا۔ یہ ایسا زمانہ ہے کہ ٹیپو سلطان نہ برسر حکومت تھا نہ اُس نے سکہ مضروب کیا تھا۔

سنہ محمدی کی بحث ہمارے مضمون سے خارج ہے اسلئے ہم اُسے نظر انداز کر دیتے ہیں لائق معترض اپنی عدم واقفیت کے باعث کسی واقعہ سے واقف نہ ہوں تو اس کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں وہ واقعہ سرزد نہیں ہوا تھا۔ ٹیپو سلطان کے ہزارہا سکوں پر سنہ مولودی مسکوک ہے۔ نہ صرف اعداد بلکہ اس صراحت کے ساتھ کہ (۱۲۱۶ھ مولودی) اور ایسے متعدد سکے دفتر تاج میں موجود ہیں جن پر الفاظ بالا نمایاں طور پر منقوش ہیں اور اس سے ظاہر ہے کہ ٹیپو سلطان نے جو اسلامی سنہ جاری کیا تھا۔ اس کا صحیح نام سنہ مولودی تھا اب ہم لائق معترض کی مزید تفہیم کے لئے سنہ مولودی اور اُن سنین کا ایک مختصر سا تذکرہ بیان کرتے ہیں جنہیں ٹیپو سلطان نے اپنے عہد میں رائج کیا تھا اور اپنے سکوں پر مسکوک کرایا تھا۔

دکن کے ہندوؤں میں قدیم زمانہ سے ایک سنہ رائج ہے جس کو ٹامل زبان میں برہسپتی مانم کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد مشتری کے پانچ دور پر رکھی گئی ہے جو ساٹھ شمسی سال کے مطابق ہیں۔ ہر دور کے لئے ٹامل اور تلنگی میں جدا جدا نام مقرر ہیں لیکن ٹیپو سلطان نے ان ناموں کے عوض ہر سال کے لئے جدید نام مقرر کئے اور انکی ترتیب ایسی رکھی کہ اون سے ہر سال کے دور کا عدد ظاہر ہوتا تھا۔

ٹیپو سلطان اپنے والد حیدر علی کی وفات کے بعد، ۱۰ دسمبر ۱۷۸۲ء کو برسر حکومت ہوا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا پہلا سال جلوس ۱۷۸۳ء یا ۴۸۸۴ کالی یوگا کے مطابق ہے۔ تلنگی تقویم کی رو سے مشتری کا پہلا دور کالی یوگا سنہ آغاز سے بارہ سال پہلے شروع ہوا ہے۔ اس اعتبار سے ۱۷۸۲ء تک سنہ دوری کے اکیاسی ساٹھ سالہ دور گزرے ہیں جو چار ہزار آٹھ سو ساٹھ (۴۸۶۰) سنین شمسی کے مساوی ہیں ۱۷۸۲ء سے پہلے

دور شروع ہوتا ہے اور اس دور کا چھتیسواں سال سنہ ۱۷۸۲ کے مطابق ہے۔ پس ٹیپو سلطان کا پہلا سال جلوس جو سنہ ۱۷۸۳ میں واقع ہوا ہے سنہ ۳۷ دوری کے موافق ہے۔

جلوس کے پہلے چار سال تک سکوں پر سنہ دوری کے ساتھ سنہ ہجری مسکوک ہوا کرتا تھا لیکن پانچویں سال سے سنہ ہجری کے عوض سنہ مولودی مسکوک ہونے لگا۔

اس سنہ کو ٹیپو سلطان نے وضع کیا تھا اسکی ابتدا حضرت رسالت مآب صلعم کی ولادت سے کیگئی تھی۔ سنہ ہجری کا حساب قمری ہے۔ برخلاف اسکے سنہ مولودی کے لئے شمسی سال اختیار کئے گئے تھے اس جدید سنہ کے لئے ولادت سے حساب نہیں کیا گیا بلکہ سنہ عیسوی سنہ مولودی کی صورت میں تبدیل کرلیا گیا۔ جناب رسالت مآب صلعم کی ولادت سنہ ۵۷۱ء میں واقع ہوئی ہے۔

جلوس کا پانچواں سال سنہ ۱۷۸۶ء و سنہ ۱۲۰۱ کے مطابق ہے۔ ٹیپو سلطان نے جب سنہ مولودی کو وضع کیا تو سنہ ۱۷۸۶ء سے سنہ ۵۷۱ء وضع کر دئے اسکے بعد سنہ ۱۲۱۵ باقی رہے جسے سنہ ۱۲۱۵ مولودی قرار دیا۔ یہ ہے حقیقت سنہ مولودی کی اب مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ہم ایک جدول درج کرتے ہیں جس میں ٹیپو سلطان کے سنین کی مطابقت سنہ ہجری اور سنہ عیسوی سے کیگئی ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سنہ مولودی کا پہلا یوم سنہ عیسوی کی کس تاریخ سے مطابق ہے۔

سنہ جلوسی	سنہ دوری	سنہ مولودی	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
سنہ ۱	سنہ ۳۷	۰	سنہ ۱۱۹۷، سنہ ۱۱۹۸	سنہ ۱۷۸۲، سنہ ۱۷۸۳
سنہ ۲	سنہ ۳۸	۰	سنہ ۱۱۹۸، سنہ ۱۱۹۹	سنہ ۱۷۸۳، سنہ ۱۷۸۴
سنہ ۳	سنہ ۳۹	۰	سنہ ۱۱۹۹، سنہ ۱۲۰۰	سنہ ۱۷۸۴، سنہ ۱۷۸۵
سنہ ۴	سنہ ۴۰	۰	سنہ ۱۲۰۰، سنہ ۱۲۰۱	سنہ ۱۷۸۵، سنہ ۱۷۸۶
سنہ ۵	سنہ ۴۱	سنہ ۱۲۱۵، سنہ ۱۲۱۶	سنہ ۱۲۰۱، سنہ ۱۲۰۲	سنہ ۱۷۸۶، سنہ ۱۷۸۷

سنہ ۶	سنہ ۴۲	سنہ ۱۲۱۶ سنہ ۱۲۱۷	سنہ ۱۲۰۲ سنہ ۱۲۰۳	سنہ ۱۷۸۷ سنہ ۱۷۸۸
سنہ ۷	سنہ ۴۳	سنہ ۱۲۱۷ سنہ ۱۲۱۸	سنہ ۱۲۰۳ سنہ ۱۲۰۴	سنہ ۱۷۸۸ سنہ ۱۷۸۹
سنہ ۸	سنہ ۴۴	سنہ ۱۲۱۸ سنہ ۱۲۱۹	سنہ ۱۲۰۴ سنہ ۱۲۰۵	سنہ ۱۷۸۹ سنہ ۱۷۹۰
سنہ ۹	سنہ ۴۵	سنہ ۱۲۱۹ سنہ ۱۲۲۰	سنہ ۱۲۰۵ سنہ ۱۲۰۶	سنہ ۱۷۹۰ سنہ ۱۷۹۱
سنہ ۱۰	سنہ ۴۶	سنہ ۱۲۲۰ سنہ ۱۲۲۱	سنہ ۱۲۰۶ سنہ ۱۲۰۷	سنہ ۱۷۹۱ سنہ ۱۷۹۲
سنہ ۱۱	سنہ ۴۷	سنہ ۱۲۲۱ سنہ ۱۲۲۲	سنہ ۱۲۰۷ سنہ ۱۲۰۸	سنہ ۱۷۹۲ سنہ ۱۷۹۳
سنہ ۱۲	سنہ ۴۸	سنہ ۱۲۲۲ سنہ ۱۲۲۳	سنہ ۱۲۰۸ سنہ ۱۲۰۹	سنہ ۱۷۹۳ سنہ ۱۷۹۴
سنہ ۱۳	سنہ ۴۹	سنہ ۱۲۲۳ سنہ ۱۲۲۴	سنہ ۱۲۰۹ سنہ ۱۲۱۰	سنہ ۱۷۹۴ سنہ ۱۷۹۵
سنہ ۱۴	سنہ ۵۰	سنہ ۱۲۲۴ سنہ ۱۲۲۵	سنہ ۱۲۱۰ سنہ ۱۲۱۱	سنہ ۱۷۹۵ سنہ ۱۷۹۶
سنہ ۱۵	سنہ ۵۱	سنہ ۱۲۲۵ سنہ ۱۲۲۶	سنہ ۱۲۱۱ سنہ ۱۲۱۳	سنہ ۱۷۹۶ سنہ ۱۷۹۷
سنہ ۱۶	سنہ ۵۲	سنہ ۱۲۲۶ سنہ ۱۲۲۷	سنہ ۱۲۱۲ سنہ ۱۲۱۳	سنہ ۱۷۹۷ سنہ ۱۷۹۸
سنہ ۱۷	سنہ ۵۳	سنہ ۱۲۲۷ سنہ ۱۲۲۸	سنہ ۱۲۱۳ سنہ ۱۲۱۴	سنہ ۱۷۹۸ سنہ ۱۷۹۹

سنہ مولودی کا پہلا یوم

سنہ ۱۲۱۵	۲۰ مارچ	سنہ ۱۷۸۷ء
سنہ ۱۲۱۶	۷ اپریل	سنہ ۱۷۸۸ء
سنہ ۱۲۱۷	۲۷ مارچ	سنہ ۱۷۸۹ء
سنہ ۱۲۱۸	۱۶ مارچ	سنہ ۱۷۹۰ء
سنہ ۱۲۱۹	۴ اپریل	سنہ ۱۷۹۱ء
سنہ ۱۲۲۰	۲۴ مارچ	سنہ ۱۷۹۲ء
سنہ ۱۲۲۱	۱۳ مارچ	سنہ ۱۷۹۳ء
سنہ ۱۲۲۲	یکم اپریل	سنہ ۱۷۹۴ء

سنہ ۱۲۲۳ھ	۲۱ مارچ	سنہ ۱۷۹۵ء
سنہ ۱۲۲۴ھ	۸ اپریل	سنہ ۱۷۹۶ء
سنہ ۱۲۲۵ھ	۲۹ مارچ	سنہ ۱۷۹۷ء
سنہ ۱۲۲۶ھ	۱۸ مارچ	سنہ ۱۷۹۸ء
سنہ ۱۲۲۷ھ	۶ اپریل	سنہ ۱۷۹۹ء

ختم

خیالاتِ سودائی

آہ مظلوم نے جب دل سے نکالی ہوگی
نہ سمجھنا کہ یہ تاثیر سے خالی ہوگی

شیخ نے کان میں چپکے سے کہا تو حکام
میں نے سمجھا تھا نئی بات نکالی ہوگی

دھمکیاں دیتا ہی صیاد قفس دکھلا کر
آرزو اسکی مری بے پروبالی ہوگی

کوسنے بھی وہ اگر دینگے تو ہوگی وہ دعا
ہم دعا بھی جو انھیں دینگے تو گالی ہوگی

اس گرانی نے تو مفلس ہی بنا کر چھوڑا
اپنا دیوالہ ہے اوروں کی دیوالی ہوگی

نیک نیت تو بنو کہتے ہیں لیڈر تم کو
پالیسی ورنہ تمہاری۔ کوئی سالی ہوگی

قیس و فرہاد کا نالہ ہے بہت کچھ مشہور
ہم اگر عشق میں روئینگے تو نالی ہوگی

ہوم رولر تو بنے دلمیں کمینہ پن ہے
کچھ اخوت کی بنا تمنے نہ ڈالی ہوگی

دل یہ کہتا ہے پرانا ہے بہت یہ دستور
اور جنت کی حکایت بھی خیالی ہوگی

رات کی شکل بدلجائیگی دن ہے لیکن
گوری چٹی نہ کبھی شکل یہ کالی ہوگی

کھائیں ہوٹل میں ڈنر کیوں نہ سبھی جنٹلمین
گھر میں بیوی نے وہی دال ابالی ہوگی

سالانہ امپیریل موازنہ
حکومت ہند کے بجٹ کی ممتاز خصوصیات

جب سے اصلاحات کا دور اولیں شروع ہوا ہے۔ صوباتی اور امپیریل گورنمنٹ کے وسائل آمدنی ایک دوسرے سے علیحدہ کر دئے گئے ہیں یا یوں کہنا مناسب ہے کہ سیلف گورنمنٹ کے آغاز سے پہلے یہ ضرور سمجھا گیا کہ گورنمنٹ ہند اور مختلف صوبہ جات کے شعبہ ہائے انتظامی و مالی مخصوص اور واضح کر دئے جائیں۔ چنانچہ اول الذکر کی تحویل میں سپاہ بحر و بر، ڈاک خانہ و تار، ریلوے، سکہ و کرنسی وغیرہ ہیں اور وسائل آمدنی حسب ذیل معین ہیں۔

ریلوے۔ ڈاک خانہ و تار۔ محصولات بحر و بر۔ انکم ٹیکس۔ افیون اور نمک، کرنسی وغیرہ ہیں۔ مالگذاری اور انہار وغیرہ صوباتی وسائل میں شمار ہوتی ہیں۔

۲۴-۱۹۲۵ء کی آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ مارچ ۱۹۲۴ء میں لگایا گیا تھا کہ جس پر نظر ثانی کی گئی اور ۲۸ فروری کو سال رواں کا حساب اور اگلے سال کے تخمینہ جات دہلی میں اسمبلی اور کونسل عالیہ دونوں میں ایک ساتھ پیش ہوئے۔ ذیل کے معلومات اسی مالی موازنہ سے ماخوذ ہیں۔ ہمارے وزیر مالیہ سر بیسل بلاکٹ غیر معمولی لیاقت کے ماہر ہیں۔ ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے برطانیہ کے سوا یورپ کے اور ملکوں میں بھی مروج کی اقتصادی و مالی معاملات کی مہارت اور قابل تعریف عبور کی شہرت تھی۔ جس کے مبنی بر حق ہونے میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ موصوف نے مالیات ہند کی ہیئت ہی بدل ڈالی ہے کئی مالی اصلاحات رائج کر کے مالیہ ہند کو منزلی طریقہ پر ڈال دیا ہے۔ ان اصلاحات کا ذکر خصوصی مناسب ہے۔

(۱) ریلوے اور ڈاک خانہ و تار ماہروں کے نزدیک تجارتی محکمے ہیں کیونکہ ان کی بدولت ملک اقتصادی و مالی خدمات انجام پاتی ہیں۔ اسو جہ سے گئے سال ریلوں کی مد دیگر

مدات سے علیحدہ کرکے بالکل تجارتی طریقہ پر اسکا حساب قایم کیا گیا ہے تاکہ ان کی ترقی و توسیع میں کوئی رخنہ واقع نہ ہو ان کا انتظام بھی کسی بڑے کارخانے کی طرح ہو رہا ہے۔ آمدنی ہی جملہ اخراجات انتظامی و اصلاحی کی متحمل ہو گی چنانچہ ۲۰ فروری گزشتہ کو ریلوں کا جداگانہ موازنہ اسمبلی میں پیش کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں ۹۰ کروڑ ایک لاکھ روپیہ آمدنی ہوئی انتظامی مصارف پر ۶۲ کروڑ۔ متفرقات پر سوا ۲۷ کروڑ اور بائیس کروڑ ریلو کے سرمایہ کے سود پر پانچ کروڑ کی مقررہ رقم خزانہ عامرہ میں داخل کیگئی۔ ساڑھے چار کروڑ توفیر مرتب ہوئی جو محفوظ فنڈ میں جمع کر دی گئی تاکہ ناگہانی ضرورت میں صرف کی جائے اگلے سال کی آمدنی کا تخمینہ ایک ارب ایک کروڑ روپیہ ہے۔ سارے ہندوستان میں ۳۸ ہزار میل ریلوے لائن جاری ہے اور کل سرمایہ چھ ارب کے قریب ہے کہ جس کا سود بائیس کروڑ سے اوپر دینا پڑتا ہے۔ کم و بیش چالیس لائنوں کی تعمیر ہو رہی ہے جن کا مجموعی طول (۲۱۳۸) میل ہے انکی آخری تکمیل تک ۴۴ کروڑ روپیہ خرچ آجائے گا۔ اگلے سال ۲۳ کروڑ روپیہ نئے اور ابتدائی مصارف کے لئے مخصوص کیا جائے گا۔ پونے پانچ ہزار نئی مال و مسافر گاڑیاں بہم پہنچائی جائیں گی۔ ہندوستان میں پہلی لائن بمبئی و تھانہ کے درمیان ۱۸۵۳ء میں جاری ہوئی تھی۔ وہیں سے اول مرتبہ برقی ریلوے گریٹ پینن شولہ ریلوے نے شروع کی ہے جسے اگلے سال توسیع مزید دیجائیگی۔ بمبئی بڑودہ سنٹرل انڈیا ریلوے بھی اپنے حلقے میں بجلی کی ریلوے شروع کرنے والی ہے۔ اس پر ایک کروڑ اسی لاکھ روپیہ خرچ آئیگا یہ سردست بمبئی کے قرب و جوار ہی میں محدود رہے گی۔ نئی لائنیں مدراس اور برما ہی تک محدود رہتی گئی ہیں۔

(۲) ڈاک خانہ و تار کا حساب بھی اب تجارتی اصول پر قایم کیا گیا ہے ۲۵-۱۹۲۴ء میں اس سیغہ سے دس کروڑ سات لاکھ کی آمدنی اور نو کروڑ ۴۴ لاکھ کے خرچ کا اندازہ تھا ۶۳ لاکھ خالص بچت ہے۔ لیکن اس میں ان کے سامانوں کی لاگت کی رقوم کا سود شامل نہیں ہے اگر اسے شامل کیا جائے تو تین لاکھ کا گھاٹا برآمد ہوتا ہے۔ اگلے سال یہ خسارہ معقول منافع میں تبدیل ہونے کی توقع ہے۔

(۳) ہندوستان کا قومی قرضہ ادا کرنے کا علحدہ انتظام کیا گیا ہے مارچ ۱۹۲۵ء میں

ہندوستان کا کُل داخلی قرضہ تین ارب ۹۴ کروڑ ۹۸ لاکھ روپیہ تک پہنچ گیا ہے مگر اس میں سے وہ رقوم خارج نہیں کی گئی ہیں جو صوباتی گورنمنٹوں پر واجب الادا ہیں خارجی قرضہ کی جو رقم اسی مہینے پانچ ارب ۱۱ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ تک جا پہونچی ہے اس کی ادائگی کی سبیل کی گئی ہے ہر سال آمدنی میں سے چار کروڑ روپیہ کی ایک رقم معین علحدہ کیجائے۔ علاوہ ازیں ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۳ء اور سال رواں کے رقوم قرضہ کے تفاوت کا ۱/۸ حصہ کے برابر اور رقم اسی غرض سے علحدہ کیجائے گی گویا سنہ ۲۵ و ۱۹۲۶ء میں چار کروڑ اسی لاکھ روپیہ قرضہ کی ادائگی کے فنڈ میں جمع ہوگا اس طرح پر قومی قرضہ ادا ہو جائے گا اس سے ہندوستان کی ساکھ غیر ملکوں میں بہت بڑھ جائیگی۔

(۴) صوباتی قرضہ کا فنڈ۔ صوبوں کی گورنمنٹوں کو گاہے بگاہے قرضہ لینے کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ اب سے پیشتر بہت سا روپیہ صوبوں کے ذمہ ہے آئندہ کے لئے یہ تجویز ہے کہ گورنمنٹ ہند اپنے خزانہ سے رقم خاص نکال کر قرضہ دیا کرے۔ ریلوں کا قرضہ عام قرضہ سے جُدا کیا جائے گا اسطرح پر ہندوستان کے قرضہ کی ادائگی کی ایک نئی نفع آور صورت پیدا ہو جائے گی۔

اصلاحات مالی کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب مناسب ہے کہ پچھلے اور اگلے سال کے بجٹ کے تخمینہ جات پر مختصر نگاہ ڈالی جائے سنہ ۲۳-۱۹۲۴ء میں ایک ارب ۳۴ کروڑ سترہ لاکھ روپیہ آمدنی اور ایک ارب تیس کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ توفیر ۲ کروڑ ۳۹ لاکھ مرتب ہوئی سنہ ۲۴-۱۹۲۵ء میں آمدنی تخمینہ سے قدرے زیادہ ہے اور اخراجات میں کفایت رہی اسلئے توفیر چار کروڑ روپیہ کے قریب مرتب ہوئی ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ ہمارے مالیہ اور اقبالمندی کا انحصار بارش پر ہے۔ چونکہ تین سال سے مسلسل عمدہ فصلیں ہوتی چلی آتی ہیں اسوجہ سے خارجی تجارت اور ریلوے اور محصولات سے معقول آمدنی ہوتی ہے سنہ ۲۴-۱۹۲۵ء کے دس مہینوں میں ہندوستان سے دو ارب ساڑھے ۹۷ کروڑ روپیہ کا مال باہر گیا اور باہر سے ایک ارب ۹۴ کروڑ روپیہ کا مال درآمد ہوا گویا ایک ارب ساڑھے تین کروڑ روپیہ کا مال زیادہ باہر گیا۔ مگر اس میں ساڑھے ۷۶ کروڑ روپیہ کا سونا اور چاندی شامل نہیں ہے جو باہر سے اسی عرصہ میں منگالی گئی ہے۔ توازن تجارت

بحق ہند کی رقم بھاری ہے۔ اسی وجہ سے سونا اور چاندی کی غیر معمولی ارزانی ہے اور اسی وجہ سے روپیہ کی قیمت غیر ملکوں میں بڑھ گئی ہے اور پونڈ کی قیمت گھٹ گئی ہے اب روپیہ اٹھارہ پنس کا ہے اور پونڈ سوا تیرہ روپیہ کا شمار ہوتا ہے ریلوں سے دوسرے درجہ پر محصولات بحر و بر سے ۴۶ کروڑ کی بجائے ۴۸ کروڑ ۴۷ لاکھ روپیہ وصول ہونے کی توقع ہے تمباکو، دیاسلائی اور مشینوں سے کم۔ مگر کپڑے اور چینی سے زیادہ آمدنی ہوئی ہے۔ لیکن صیغہ محصولات سے ایک رقم خاص ریلوں کو واپس ادا کرنا پڑے گی۔ کیونکہ بمبئی ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ریلوے کمپنیوں کا درآمد مال محصول سے معاف ہونا ضروری ہے۔ پریوی کونسل نے بھی اسے بحال رکھا اس وجہ سے وصول کیا ہوا روپیہ واپس ادا کرنا پڑا۔ انکم ٹیکس سے اٹھارہ کروڑ بائیس لاکھ روپیہ وصول ہونے کی توقع تھی مگر پونے دو کروڑ کی کمی پائی گئی محصول نمک سے نو کروڑ کی بجائے ایک کروڑ ۳۱ لاکھ روپیہ کم آیا۔ افیون کی مد سے سوا دو کروڑ روپیہ وصول ہونے کا اندازہ تھا مگر اسمیں بھی کمی پائی گئی ایک کروڑ ۳۱ لاکھ آمدنی ہوئی۔ شرح تبادلہ کے ہیر پھیر سے دو کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ بچ گیا ہے۔ خارجی قرضہ کے سود سے ۱۵ لاکھ کی کفایت ہوئی ہے۔ اخراجات میں سب سے بھاری رقم جنگی مصارف کی ہے پچھلے سال ۵۹ کروڑ کا اندازہ تھا مگر اس میں تین کروڑ روپیہ بچ گیا اور کل فوجی خرچ سوا ۵۶ کروڑ روپیہ ہوا۔ توفیر جو بچی مترتب ہوئی ہے وہ مدراس (سوا کروڑ) یوپی ۵۶ لاکھ۔ پنجاب (۶۱ لاکھ) برما ۷۰ لاکھ کے نذرانوں کی رقوم کی تخفیف پر صرف کر دی گئی ہے۔ مگر اسمبلی اور کونسل عالیہ کے ممبر اسے بمبئی کے کارخانوں کے امتناعی محصول کی تنسیخ پر لگانا چاہتے ہیں۔ گو بظاہر ہندی کپڑے کا امتناعی محصول سراسر ظلم ہے مگر مالیہ کی مشکلات کے باعث اسے سردست منسوخ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ صوبوں کے ضروری اور اصلاحی کام روک دئیے جائیں۔

ہمارے مالیہ کے کئی پیچیدہ مسائل ہیں جن کے سلجھاؤ کی ضرورت ملکی اور قومی فلاح کی وجہ سے ضروری ہے مگر سردست ان پر بحث کرنے کی فرصت نہیں۔ شائد آئندہ رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

جے۔ آر۔ رائے

ہردلی۔ ہوشیارپور

مومن

شاعر کو جب کسی چیز کی محاکات منظور ہوتی ہے تو وہ اپنے عالم تخیل کے زور میں کسی واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے اور جدت آفرینی کے باعث لطف سخن زیادہ کرنے کے لئے اس تصویر کا بعض پہلو عمداً چھوڑ دیتا ہے ترتیب الفاظ و سلسلہ مضمون کو کچھ اس انداز سے قایم کرتا ہے کہ ناظرین کی نکتہ سنج اور متجسس نگاہ کے سامنے وہ چھوٹا ہوا پہلو صاف نظر آجاتا ہے مثلاً اس شعر میں ۔

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد　　　صبا حکایت زلف تو در میاں انداخت

اس تصویر میں جو پہلو رہ گیا ہے وہ بنفشہ کا شرما جانا ہے اور اس تمام منظر میں وہی واقعہ کی جان ہے لیکن حالت کا سماں کچھ ایسے شاعرانہ انداز میں کھینچا ہے کہ "شرما جانا" خود بخود لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہو جاتا ہے ۔

حکیم مومن خاں **مومن** کا پایۂ سخن دور سوم کے متاخرین شعرا میں بہت بلند ہے ان کے بعض بعض اشعار میں غالب مرحوم کا کچھ کچھ رنگ اور انداز بیان نظر آتا ہے ۔

رسالۂ **تاج** جلد (۱) نمبر (۴) مورخہ شہر یور ۱۳۳۲ ف جو میری نظر سے گزرا ہے اس میں بعنوان **مومن** میرے لایق دوست جناب میر مہدی علی صاحب شہید نے بعض شعر مومن خاں مرحوم کے درج کرکے گو ان کو توضیح مطالب کی خاطر استفسار کا لباس پہنایا لیکن پیرایہ سوال سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مندرجہ ذیل اشعار مہمل اور بے معنی ہیں لہذا میں ان اشعار کے مطالب و معانی کی توضیح ناظرین **تاج** کی منصفانہ نظر کے سامنے پیش کرتا ہوں ۔

(۱) لذت جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی　　　کیا اثر منتظر دعوت فریاد رہا

عبارت استفسار ۔ اگر فرہاد کو سہو کاتب سمجھ کر فریاد پڑھیں تو معنے کچھ بن جاتے ہیں ۔

جواب ۔ بجائے فرہاد کے اگر فریاد پڑھیں تو اصل مطلب اور لطیف پیرایہ کلام سے ہم کوسوں دور ہو جاتے ہیں ۔ مسلمہ امر ہے کہ انسان جب آہ و فریاد کرتا ہے تو اس کا رنج و غم ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر وہ لذت جور سے بھی مستفید ہو سکتا ہے ۔ دعوت فرہاد سے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ فرہاد نے شیریں کی نسبت خبر بد سنتے ہی لذت جور سے متاثر ہو کر فوراً

خودکشی کرلی اور دم تک لینے کی فرصت نہوئی پس وہی کیفیت وحالت حاصل کرنیکی دعوت فرہاد نے ہم کو بھی دی کہ بھئی ہم نے جیسے فوری جان دیدی ہے تم بھی ہماری پیروی کرو لہذا فوراً لذت جور سے سخت متاثر ہو کر ہمنے بھی فرہاد کی تقلید کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اثر دعوت فرہاد کا منتظر تھا اس تلمیح سے مقصود یہی ہے۔

(۲) ذکر اغیار سے ہوا معلوم — حرف ناصح برا نہیں ہوتا

عبارت استفسار - کیا ناصح نے اغیار کا ذکر بہ مذمت کیا یا اغیار نے کچھ ذکر کیا یہ معلوم نہیں ہوتا

جواب معشوق ہمارے سامنے ذکر غیر کر رہا ہے اور ہم کو اسکی گفتگو بری معلوم ہو رہی ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ حرف ناصح کی باتیں بری نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ہمارے معشوق کا کلام بھی بعض اوقات برا معلوم ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی زبان سے ذکر غیر کرتا ہے۔

(۳) رحم پر خصم جان غیر نہ ہو — سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

عبارت استفسار - کیا غیر نے رحم کھایا ہے - اور پھر اس میں لطف کیا ہے۔

جواب - نہیں بلکہ لفظ رحم خود کہہ رہا ہے کہ میں رحم معشوق ہوں مطلب یہ ہے کہ معشوق نے عاشق پر رحم کھایا ہے اسلئے غیر عاشق کا خصم جان ہو رہا ہے عاشق کہتا ہے کہ اگر میرے معشوق نے مجھ پر رحم کھایا ہے تو تم کیوں میرے دشمن جان ہوئے جاتے ہو سب معشوقوں کا دل ایک سا نہیں ہوتا ہمارا معشوق رحمدل بھی ہے غیر کو ہمارا خصم جان نہ ہونا چاہیئے۔

(۴) مجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب — لب تک غم غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

عبارت استفسار - طعنے کسنے دئیے اور کس کو دئیے ؟

جواب عاشق نے معشوق کو غیر کا طعنہ دیا ہے اور اس پر معشوق جھلا کر کوسنے اور گالیوں پر اتر آیا ہے عاشق کہتا ہے کہ اگر کچھ بھی غیر کیجانب سے وہ دل میں بھرے ہوتے تو یہ سمجھکر کہ غیر ہی کی وجہ سے میرے عاشق نے مجھے طعنے دئیے ہیں وہ شکوہ غیر کرنے بیٹھتے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ غیر کو عزیز رکھتے ہیں اور عاشق نے جو سچے کی بات کہی تو جھٹ کوسنا اور گالیاں دینی شروع کر دیں کیونکہ سچی بات کا اظہار برا ہوتا ہے یہاں غم غیر سے مراد

شکوہ غیر ہے۔

(۵) ہے صلح عدو بے خطر تھی جنگ غلط فہمی جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

عبارت مستفسر یہاں مرنا سے مرجانا مقصود ہے یا عاشق ہونا مراد ہے بہرحال معنے بن نہیں پڑتے

جواب - مرنا سے مرجانا مراد ہے۔ کیونکہ جینے کا لفظ موجود ہے یہ صنعت متضاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے عدو سے جو جنگ کی وہ ہماری غلط فہمی تھی اور اب جو ہم سے عدو نے صلح کی ہے یہ بھی بے لطف ہے دونو صورتیں ہمارے مطلب کے منافی ہیں کیونکہ ہمارا عدو ایسا شخص ہے جس کو معشوق عزیز رکھتا ہے یہ امر ہم کو ناگوار ہے تو پس اسکا جینا ہمارے لئے آفت ہے اور اگر کہیں لڑائی میں ہمارے ہاتھوں مارا جاتا یا خود مرجاتا تو ہمارے لئے بلا بنجاتا۔ کیونکہ معشوق اُسکے غم میں سوگ نشین ہوجاتا۔

(۶) روز جزا کیوں کیا خون کا میرے اتہام مہر عدو بدگمان تجھ کو یقیں ہے نہ ہو

عبارت مستفسر خون کا اتہام کسنے کیا اور کس پر اتنا معلوم ہوجائے تو پھر شاید معنے نکل آئیں۔

جواب اس شعر میں سب سے پہلے ہم ترکیبی الفاظ کی توضیح کرتے ہیں۔ مہر عدو بغیر اضافت یہ دراصل اضافت مقلوبی ہے جیسے جہاں پناہ یعنے پناہ جہاں۔ گلاب یعنے آب گل۔ اسیطرح مہر عدو یعنے عدوے مہر معنی دشمن محبت۔ مہر عدو اور بدگمان دونو معشوق کی صفتیں ہوئیں اور ترکیب میں یہ دونو مرکب الفاظ منادی واقع ہوئے ہیں معشوق کیطرف خطاب ہے کہ اے دشمن محبت اور اے بدگمان۔ بعض اوقات قاتل خود خون کا اعتراف کرجاتا ہے عاشق کہتا ہے کہ اے دشمن محبت واے بدگمان روز جزا تونے ہمارے خون کا اتہام کیوں اپنے سر لیا ہم تو خاموش تھے اور اس خون کو چھپائے تھے تونے خود اپنے آپ کو متہم کرلیا کیا تجھ کو ابھی تک یقین ہے کہ ہم اپنے قتل کا اظہار کرتے اور اپنے خون کی داد چاہتے یہ بات ہماری محبت کے خلاف تھی۔

(۷) گر نگاہِ ناز کو مشقِ ستم منظور ہے دشمن اپنی نرگسِ تربت قلم کیونکر کریں

عبارت مستفسر - اس شعر کے معنے ذہن سے بہت دور ہیں۔

جواب بیشک اس مضمون کو سمجھنے کے لئے ذہن پر زور دینا پڑتا ہے تسلسل مضمون ذرا

طول اور واقعہ طلب ہے مطلب یہ ہے کہ عاشق مرکر دفن ہو گیا ہے اور معشوق کی نگاہ ناز کو ابھی تک مشق ستم منظور ہے یا مشق ستم کو دیکھنا چاہتا ہے اسلئے اسنے ہماری قبر پر نرگس کے درخت لگا دئیے ہیں کہ بعد مُردن بھی ہم نرگس کو دیکھ کر تڑپا کریں اور نگاہِ ناز کی یاد میں زیر مشق ستم بنے رہیں ایسی حالت میں بھلا دشمن ہماری نرگس تربت کو کیوں قلم کرنے چلے تھے کیونکہ بہ سبب رقابت انکو بھی یہی منظور رہے کہ بعد مُردن بھی ہم چین نہ لیں اور قبر میں تڑپتے رہیں

(۸) تھا بہت شوق وصل تو نے تو کمی اے حسن تا نگاہ نہ کی

عبارتِ مستفسر۔ خدا جانے تا نگاہ سے کیا مراد ہے۔

جواب اس شعر میں سہو کتابت سے دو نقطوں کی پھیرنے پریشان کر دیا تا نگاہ نہیں بلکہ تا پگاہ ہے یعنی صبح تک مطلب صاف ہے کہ ہمارے دل میں شوق وصل تو بہت تھا لیکن اے حسن تو نے صبح تک کمی نہ کی کیونکہ ہم رعب حسن سے کچھ ایسے چوندھیائے کہ محو حیرت رہے اور صبح تک کھوئے گئے نہ ہوش آیا اور نہ وصل ہوا۔

(۹) نہ پائے یار کے بوسے آستاں کے لئے عبث میں خاک ہوا میل آسماں کے لئے

عبارتِ مستفسر۔ میل آسماں کا سُرمہ شاید ان کی خاک ہو گئی ہے یا کچھ اور مقصود ہے سمجھ میں نہیں آتا

جواب لفظ میل بفتح میم کی جگہ اگر آپ بکسر میم پڑھینگے تو بیشک اصل مطلب سے میلوں دور رہینگے سوائے اسکے کسی مصرعہ میں سرمہ یا چشم وغیرہ تک کے مناسبتی الفاظ نہیں ہیں جس کی رعایت سے ہم اس کو میل بالکسر سمجھیں مطلب یہ ہے کہ ہم جو خاک ہو گئے تو غرض ہماری یہ تھی کہ ہماری خاک یا تو پائے یار کے بوسے لیتی یا آستان یار پر پڑی رہتی جس سے خواہش دل پوری ہو جاتی۔ مقصود خاک ہونے کا حاصل ہو جاتا لیکن ہماری خاک برباد ہو گئی اور اس میں آسمان کی خواہش و غرض پوری ہو گئی کہ اُسنے ہماری خاک کو اصل مقصود سے محروم رکھا گویا ہم آسمان کی خواہش پوری کرنے کے لئے خاک ہوئے تھے۔

(۱۰) رہی شب کی سی بیتابی تو ہر روز چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے

عبارتِ مستفسر۔ اس شعر میں غالباً بیتابی کا تب کی غلطی ہے اگر بےخوابی ہو تو مشکل حل ہو جائے۔

جواب مطلب یہ ہے کہ ہم راتوں کو بیتاب رہتے ہیں اور صبح کو در معشوق پر آتے ہیں یہاں پاسباں کو

گمان بھی نہیں ہوتا کہ ہم عاشق ہیں اگر کسی روز دن کو بھی ہم بے تابی دکھائیں تو شاید پاسبان
اتفاقی حالت سمجھ کر ٹال دے لیکن اگر یہی رات کی سی بے تابی ہم ہر روز دکھائیں گے تو پاسبان
ضرور تاڑ جائیگا کہ یہ عاشق ہے اسوقت ہمارا راز عشق اسکے سامنے افشا ہو جائیگا ایسی حالت میں
لامحالہ پاسبان سے ہم کو آنکھیں چرانی پڑیں گی اور شرمندگی و رسوائی کا موجب ہوگا فقط

میرزا علی رضا ماہر
لکچرار نظم فارسی و اردو سٹی کالج

معلومات

سب سے زیادہ معمولی دھات

ظاہر ہے کہ لوہا ہی وہ دھات ہے جس سے انسان زیادہ کام لیتا ہے۔ لیکن وہ دھات جو زمین کے اوپری سخت طبقے میں کثرت سے پائی جاتی ہے وہ لوہا نہیں بلکہ کلشیم (Calcium) ہے۔ چنانچہ چونے کے پتھر کا ۴۰ فیصدی حصہ کلشیم دہات پر مشتمل ہوتا ہے کلشیم ایک نہایت ہلکی سی دہات ہے جسمیں تورق اور تمدد کی خاصیت اعلیٰ درجہ میں پائی جاتی ہے یعنے اس دہات کے آسانی کیساتھ تار کھینچے جاتے ہیں اور ورق بنائے جاسکتے ہیں اور اسکا رنگ بھی سونے کی طرح نہایت خوشنما ہوتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیوں پھر ہم اس دہات سے زیادہ کام نہیں لیتے؟ اسکے دو سبب ہیں اول تو یہ کہ اس دہات کو اسکے کچے معدن سے جدا کرنا نہایت مشکل کام ہے یعنے قدرتی طور پر اسکے جو مرکبات ملتے ہیں انکا تجزیہ کرکے انکی ترکیب سے اسکو حاصل کرنا نہایت دشوار امر ہے۔ اور دوسرا سبب تو اس سے بھی بدتر ہے وہ یہ کہ اگر اسکو اسکے مرکبات سے کسیطرح جدا بھی کرلیا جائے تو پانی کا ایک قطرہ بھی اگر اسکے ساتھ مس کرے وہ فوراً اسکے ساتھ ترکیب پا کر بجھے ہوئے چونے میں تبدیل ہوجاتی ہے اور خاص طور پر پانی کے قطرے کو مس کرنے

ضرورت بھی ہیں صرف ہوا میں کے آبی بخارات ہی اس کو بجھے ہوئے چونے میں تبدیل کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

کلشیم کی موجودہ قیمت سونے سے بیس گنی زیادہ ہے۔

تاروں سے محسوس ہونے والی حرارت

اس امر کا بہت کم علم ہے کہ زمین پر تاروں سے بھی حرارت پہنچتی ہے لیکن حرارت کی وہ مقدار جو ہم تک کسی قریب ترین تارہ سے پہنچتی ہے اسقدر قلیل ہوتی ہے کہ اسکے ذریعہ اگر ایک قطرہ پانی کو جوش دینا چاہیں تو اسکے لئے .... اسال درکار ہونگے اور یہ محسوس ہونے والی حرارت اس حرارت کے مساوی ہوتی ہے جو ۵۳ میل پر رکھی ہوئی ایک موم بتی سے محسوس ہوتی ہے۔ تاروں کی حرارت کا اس آلے کے ذریعہ اندازہ کیا جاتا ہے جس کو تھرموکپل (Thermocouple) کہتے ہیں اس آلے میں تار کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں جن کے سرے ایک حلقے کی شکل میں جوڑے ہوئے ہوتے ہیں تار کے یہ دو ٹکڑے دو مختلف دھاتوں کے ہوتے ہیں ایک ٹکڑا بسمتھ Bismuth کا ہوتا ہے اور دوسرا بسمتھ اور کسی دھات کا بنا یا ہوا ہوتا ہے۔

تارہ سے آنیوالی روشنی کو ایک بڑی دوربین کے عدسہ (آئینہ) میں سے تھرموکپل کے ایک جوڑ پر ڈالا جاتا ہے اور یہ حرارت ایک رَو کو پیدا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے جو ایک نہایت نازک گلوینی پیما Galvanometer کے ذریعہ محسوس کیجاتی ہے

نوٹ گلوینی پیما ایک آلہ ہے جسکے ذریعہ سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کسی تار وغیرہ میں سے رَو (current) گزر رہی ہے کہ نہیں۔

چار سطحی سڑک

"ایک ہی عام" سڑک کی وجہ سے موجودہ کاروبار میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں انکے دُور کرنے کی غرض سے جو تجویز کیگئی ہے وہ چار سطحی سڑک کی تجویز ہے۔ اگرچہ کہ جرمنی وغیرہ میں یہ تجویز صرف خیالات ہی کی حد تک محدود ہے لیکن نیویارک (امریکہ) میں "بالائی سڑکوں" کے متعلق ایک اسکیم زیر غور ہے جس کا موازنہ ۱۳۷۵۰۰۰۰ پونڈ کی رقم تک کیا گیا ہے۔

(۱) اس طرح کی چار سطحی سڑک کی نسبت یہ طے پایا ہے کہ سب سے اوپر کی سطح پر چمن آرائی

کیجائے گی۔ جہاں کسی بھی قسم کی گاڑی نہیں چلائی جاسکے گی اور یہ سڑک صرف پیدل چلنے والوں کے لئے مخصوص ہوگی جہاں وہ تکلیف دہ آوازوں اور دائمی خطروں سے بالکلیہ محفوظ رہیں گے

(۲) دوسری یعنے پہلی زمیں دوز سڑک مقامی کاروبار کے لئے مخصوص رہے گی جہاں ٹراموے گاڑیاں اور موٹریں وغیرہ چلیں گی۔

(۳) اوپر سے تیسری سڑک پر لوکل (مقامی) ریل گاڑیاں چلیں گی جنکے ذریعہ شہر کے ایک مقام سے دوسرے دور تر مقام تک جلد جاسکیں گے۔

(۴) سب سے نیچے کی چوتھی سڑک برقی قوت سے چلنے والی اکسپریس ریل گاڑیوں کیلئے مخصوص ہوگی جنکے ذریعہ شہر سے باہر دوسرے مقامات تک جاسکیں گے۔

تشنگی کی حقیقت

ہسٹل اور ہلٹ ریویو تشنگی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ واقعہ کا اظہار کرتا ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ تشنگی کا احساس یا تو پورے جسم سے تعلق رکھتا ہے جو نسوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یا اس کا تعلق صرف منہ اور حلق کی تپلی جھلیوں تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اگر موخر الذکر واقعہ ٹھیک ہو تو صرف مقامی علاج کے ذریعہ ہی اسکا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ تجربوں سے یقیناً ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک خفیف سی تشنگی کا تعلق ہے اسکی وجہ حلق کا خشک ہونا ہے جو زیادہ دیر تک گانے یا زیادہ بولنے یا متواتر منہ کے ذریعہ سانس لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تکلیف بغیر کچھ پانی نگلنے کے محض حلق تر کو بھگانے سے ہی دور ہوسکتی ہے۔ لیکن حیوانات کی صورت میں ایک عجیب تجربہ کیا گیا ہے بعض دواؤں مثلاً پائیلوکارپائن Pilocarpine وغیرہ سے جو منہ میں تھوک کی پیدائش کو بند کردیتی ہیں۔ جانوروں کے جسم میں ٹیکا لگایا جاتا ہے تو کچھ دیر کے لئے اس جانور میں جو اس سے پہلے پانی کے لئے چلا رہا تھا تشنگی کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی مختصر یہ کہ اس عمل کے ذریعہ اندرونی طور پر فطری احساس کو دبا دیا جاتا ہے۔

میر غوث الدین علی سانٹ

انتقادات

تاریخ الحرمین الشریفین یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے تاریخی حالات ۔ اہل مکہ و مدینہ کے اخلاق و عادات ۔ خانہ کعبہ ۔ مسجد نبوی ۔ حج ۔ قربانی ۔ اور حجر اسود وغیرہ کی مفصل تاریخ بیان کیگئی ہے ۔ مولوی عبد السلام صاحب ندوی کی تصنیف ہے ۔ اور مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے اسپر بیس صفحے کے مقدمہ میں ارض حرم اور اسکے احکام اور اسکی مذہبی حیثیت کو نہایت خوبی اور عالمانہ تحقیق سے لکھا ہے ۔

یہ کتاب جس طرح تاریخی اور تمدنی نظر سے جامع اور مکمل نظر آتی ہے اسیطرح مذہبی نظر سے بھی یہ کتاب حجاج اور زائرین روضہ مطہرہ نبویہ کے لئے ایک بہتر اور واقف رہبر کا کام دیتی ہے اور مذہبی نقطۂ نظر سے اکثر و بیشتر مناسک و شعائر اسلام پر نہایت عمدہ وجوہ اور محققانہ و فلسفیانہ دلائل و براہین سے روشنی پڑتی ہے علاوہ اور امور کے احرام حج کی نسبت قابل مصنف نے جو وجہ بتلائی ہے ہم اس کو ذیل میں مصنف ممدوح ہی کے الفاظ میں درج کرتے ہیں ۔

"جامۂ احرام"

"فنون لطیفہ کے جو عجائب خانے دنیا میں موجود ہیں انمیں عہد قدیم کے انسانوں کی بکثرت تصویریں ہیں اُن کے سادہ لباس میں موجود ہیں اور یہ لباس جامۂ احرام سے بالکل مشابہ بلکہ بعینہ جامۂ احرام ہے آج قدیم یونانی اور رومانی دور کا جو ایکٹ تھیٹروں میں کیا جاتا ہے اسمیں یہ لباس پوری طرح پر نمایاں نظر آتا ہے بالخصوص انبیا اور حکما کی جو تمثیل کیجاتی ہے اس میں اس کو خاص طور پر نمایاں کیاجاتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہود پہلے اپنی عبادت گاہوں میں بے سلا ہوا کپڑا پہنتے تھے لیکن اب صرف ایک ادنی چادر جسکو تلیت یا تیسوت کہتے ہیں اپنے کندہوں پر ڈال لیتے ہیں اور اس طرح لباس کی سادگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت پیدا کرتے ہیں ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم بلکہ گزشتہ زمانہ کے تمام دوروں میں یہانتک کہ اسکے تمدنی دور میں بھی لوگوں کا لباس اسی قسم کا سادہ تھا کیونکہ اس زمانے تک سینے کے آلات کا رواج نہیں ہوا تھا بلکہ اوائل اول لوگ مچھلی اور کھجور کے کانٹوں سے اپنے کپڑے سیتے تھے اسکے بعد

لوہے کی سوئیوں کا رواج ہوا۔ آلات خیاطہ کی بقیہ ترقیاں چودھویں صدی عیسوی سے لیکر سولھویں صدی عیسوی تک میں ہوئیں۔

ان قوموں کے لباسوں میں سب سے زیادہ سادہ لباس اشوری قوم کا تھا جو قومی حیثیت سے کلدانیوں کے بھائی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کلدانی قوم سے تعلق رکھتے تھے اس بنا پر جامۂ احرام بعینہ وہی سادہ لباس ہے جسکو حضرت ابراہیم علیہ السلام اسوقت پہنے ہوئے تھے جب خداوند تعالیٰ نے انکو اعلان حج کا حکم دیا تھا"

اُن کے بعد خانہ کعبہ کے حج میں ہمیشہ یہی سنت قائم رہی اور آجتک قائم ہے جامۂ احرام کا رنگ سفید اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ سفیدی طہارت و لطافت کی علامت ہے ورنہ احرام کا اصلی مقصد بن سلا ہوا کپڑا پہننا ہے جس سے اشارۃً اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان زخارف دنیوی سے نکل کر ایک سادہ اور بدویانہ زندگی میں اپنے خدا کے پاس آیا ہے اور اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی شان و شوکت سے آزاد ہو کر اپنے خدا کے سامنے ایسی حالت میں کھڑا ہوا ہے جسمیں انسانی زندگی کی شکل اپنی پوری سادگی کیساتھ نظر آتی ہے اور اس سے ایک ایسی شکل اور رہبانانہ اشتراک کا ظہور ہوتا ہے جس میں ایک فقیر اور ایک بادشاہ دونوں برابر ہیں یہی وہ وضع ہے جو کفن کے کپڑوں سے شروع ہوتی ہے اور قبر کے گوشہ میں جا کر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اسلئے جامۂ احرام کو پہن کر گویا انسان اپنی زبان حال سے خدا کی طرف مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ خداوندا میں نے اپنے نفس کے ظاہر و باطن سے اس چادر کو اُتار دیا ہے جس میں رباعیات کے نقش و نگار اور گمراہیوں کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے تیرے پاس اپنی تمام مملوکات و مغبوضات سے دست بردار ہو کر اسلئے آیا ہوں کہ جو نعمتیں مجھے میسر نہیں انکو حاصل کروں اگر میں زندہ رہونگا تو اُن نعمتوں کی بدولت مجھے ایک نئی زندگی حاصل ہوگی جو سراپا خیر و برکت ہوگی اور اگر مر گیا تو تیری راہ تیری محبت اور تیری طاعت میں مرونگا اور اس کے ذریعہ سے حقیقی دارالسعادت میں پہونچکر مقبولین اور صدیقین کے زمرہ میں محشور ہونگا یہ گروہ ان لوگوں کا ہے جن پر تونے احسان کیا ہے۔ نہ اُن کا جنپر تیرا غضب نازل ہوا نہ یہ لوگ گمراہ ہیں۔

اسکے علاوہ تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ اطباء کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ انسان کو سال میں ایک مہینا اپنے جسم کو کھلی ہوئی ہوا اور مہوشات فضائیہ میں رکھنا چاہئیے تاکہ اسمیں ان کا اثر اسکے

تمام مسامات میں پہنچ جائے اور اس طرح جسم اپنی قوت ونشاط کو دوبارہ واپس کرسکے اس اصول کے موافق خون میں کاربونک کے جواجزا شامل رہتے ہیں وہ جل جاتے ہیں اور اس کے دورہ کے ساتھ جسمانی فضلات کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے اسلیئے قلب میں پاک وصاف خون دوڑ جاتا ہے اور اس سے کامل صحت حاصل ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ یوروپین لوگ بالخصوص انگریز جو اور قوموں سے زیادہ صحت کا خیال رکھتے ہیں ہر سال پہاڑوں اور سمندر کے ساحلوں پر جاکر بجز ستر عورت کے اپنے تمام کپڑے اتار ڈالتے ہیں اور اسی حالت میں ایک مہینا یا اس سے زیادہ رہ کر اپنی وہ تمام قوت دوبارہ واپس کرلیتے ہیں جس کو سال بھر کی عملی زندگی نے فنا کردیا ہے میں نے ساحل سمندر پر ان صحت بخش مقامات میں اکثر انگریزوں کو دیکھا ہے کہ برہنہ پا اور برہنہ تن ہوکر اپنے جسم کو ہمہ وقت ہوا یا فضا کی برودت یا آفتاب کی حرارت میں رکھتے ہیں اور انکے جسم پر بجز ستر عورت کے اور کوئی کپڑا نہیں ہوتا ان لوگوں نے اسکا نام علاج فطری یا علاج بالہواد رکھا ہے چونکہ قدیم زمانہ میں لوگ جس قسم کی بدویانہ اور وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے تمدن جدید نے بھی اُن میں اکثر خصوصیات وعوائد کی تقلید کی ہے اسلیئے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں اس بنا پر متعصب اشخاص کا یہ اعتراض کہ "مکہ اور عرفہ میں حاجیوں کو جو امراض لاحق ہوجاتے ہیں اُس کا سبب زیادہ تر یہی احرام ہے" قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر ان معترضین نے انصاف سے کام لیا ہوتا تو انکو معلوم ہوجاتا کہ موسم سرما میں حاجیوں کو جو برودت لاحق ہوجاتی ہے یا گرمی میں احتقان دماغی ہوجاتا ہے اسکا اصلی سبب فقر وافلاس ہے اور اسی کی بدولت یوروپ کے دارالسلطنتوں میں ہزاروں آدمی روزانہ عام گزرگاہوں پر مرجاتے ہیں اسلیئے جو مُحرِم (احرام باندھنے والا) صرف ایک کپڑے پر اکتفا کرتا ہے اسکی یہی علت ہوتی ہے ورنہ وہ ہر قسم کے سلے ہوئے کپڑے پہن سکتا ہے یا اپنے سر پر چھتری لگا سکتا ہے یا سلے ہوئے کپڑوں کو پہن کر اسکا کفارہ دے سکتا ہے"

غرض یہ کتاب اس قسم کے بیسیوں فلسفیانہ نکات سے بھری ہوئی ہے چونکہ ایک مختصر ریویو ہے اسلیئے اسمیں اس سے زیادہ امور کا بیان کرنا موجب تطویل مخل ہے۔

یہ کتاب (۲۳۰) صفحات پر ختم ہوئی ہے جسکو صوفی پرنٹنگ وپبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب نے چھاپکر شایع کیا ہے۔ قیمت بلا جلد ؏۔ مجلہ ؏۔ پتہ بالا سے ملسکتی ہے۔

نفریح دل ظرافت اور ظرافت کا یہ ایک مختصر رسالہ ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اسکے مولف حاجی قادر بادشاہ صاحب مرحوم ہیں ظرافت اور مذاق کے خیالات اور جذبات جو انسان کو بالطبع مرغوب ہیں وہ اس رسالہ میں سلیقہ کے ساتھہ ترتیب دئیے گئے ہیں جیسا کہ مولف نے دیباچہ میں بیان کیا ہے اس میں یہ تین امور۔

(۱) لطیفہ کا فحش اور نا مہذب الفاظ سے پاک ہونا۔

(۲) لطیفہ کے مضمون کا اس حد تک نہ پہنچنا جس کو ناممکن الوقوع کہا جاسکے۔

(۳) ان لطائف کا درج رسالہ کیا جانا جن کو مصنف کے دماغ نے اچھا جانا۔

التزاماً ملحوظ ہیں۔

مولف نے انہیں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مضامین رسالہ کو انکی مناسبت سے تین ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور وہ ان امور کے نباہ میں ایک بڑی حد تک کامیاب ہے یہ رسالہ مدراس کے مطبع نامی میں مولف مرحوم کے فرزند خطیب محمد عبدالرشید صاحب نے چھپواکر شایع کیا ہے مدراس کے کار طباعت کو اگر صفائی اور نفاست کے دائرہ میں کوئی چیز داخل کر سکتی ہے تو اس رسالہ کی چھپائی ایک بڑی حد تک اسکی معین اور مددگار ہو سکتی ہے رسالہ کی قیمت علاوہ محصول ۶ آنہ ہے اور خطیب محمد عبدالرشید صاحب گوڈون اسٹریٹ مدراس سے ملسکتا ہے

درس عشق۔ مولوی محمد مرزا خانصاحب آزاد دہلوی نے ولیمسن کے ناول "ڈمی ہینڈ" کی تلخیص و ترجمہ کیا ہے۔ اس ناول کا پلاٹ نتیجہ خیز سبق آموز ہونے کے علاوہ اخلاق انسانی کو تہذیب کا درس دیتا ہے اور اوضاع ظاہری و نفاست اور پاکیزگی اخلاق پر مختلف پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت فی جلد ۸/ مترجم موصوف نے اسکے چند نسخے دفتر تاج میں بغرض فروخت رکھہ چھوڑے ہیں۔

دریائی خاتون۔ ابسن کے انگریزی ڈرامہ "دی لیڈی فرم دی سی" کی تلخیص و ترجمہ کا نام ہے جس کو مولوی رشید احمد صاحب حیدرآبادی نے جنکو ترجمہ کرنے میں اچھا سلیقہ ہے تاج پریس میں چھپواکر شایع کیا ہے۔ یہ ڈرامہ دلچسپ ہونے کے علاوہ انسانی زندگی کے مختلف مناظر پیش کرتا اور علم النفس کے کئی عقدے حل کرتا ہے۔ قیمت کاغذ چکنا ۸/ کاغذ کھرا ۶/ دفتر رسالہ تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن سے ملسکتا ہے۔ راقم (ج - ر) ب (ی)

روح ادب

انتخاب مشاعرہ منعقدہ مکان حضرت باغ مد کرمہ

حضرت اختر

دمِ زندگی سے رہا ہوا غمِ زندگی سے گزر گیا
یہ حیات قابلِ رشک ہے وہی جی رہا ہے جو مر گیا

وہی سوز سوزِ حیات ہے جو رگوں میں گرمیٔ خوں ہوا
وہی نالہ نالۂ درد ہے جو کسی کے دل میں اتر گیا

جو بہار آئی بھی اب تو کیا کہ وہ دل میں ذوقِ طرب کہاں
وہ جو روحِ لذتِ دید تھا وہ لطیف کیف نظر گیا

ہمہ تن حقیقتِ سوز ہیں وہ سرود کیا سرِ انجمن
جو نوائے رازِ بنا رہا جو درونِ ساز ٹھہر گیا

اثرِ بہار طرب فزا یہ حسین دائرۂ فضا
دلِ زار تو بھی ہو شادماں کہ وہ غم کا وقت گزر گیا

حضرت اصغر

ہے عجب زمانہ شباب کا کہ اسی زمانہ میں اصغرا
جو بگڑ گیا وہ بگڑ گیا جو سنور گیا وہ سنور گیا

حضرت اصغر (بیارسٹر ایٹ لا)

مجھے کیفِ جامِ الست ہے جسے چھوڑ کر نہ اتر گیا
یہ نشہ نہیں ہے شراب کا کہ سرور آیا اتر گیا

دلِ زار پر یہ کرم کرو انہیں چھلکیوں سے نمک بھرو
کوئی اور زخم میں درد ہو کہ وہ اپنا دردِ جگر گیا

جو میں کہہ رہا ہوں اسے سنو مری ایک بات یہ مان لو
چلو گھر کو بہرِ خدا چلو کہ سرورِ آتشِ تر گیا

یہ دعا ہے پیرِ مغاں کی تھی نہ یہ میگساروں کی بد دعا
یہ خدا کی مار تھی محتسب جو شراب خانہ میں مر گیا

کبھی سرخ تھا مرا پیرہن کبھی لال تھی سرِ آستیں
مری آنکھ سے جو لہو بہا تو وقارِ دیدۂ تر گیا

یہی شغل ہوگا شباب کا وہی مشغلہ ہے شباب کا
وہی نغمہ ہوگا رباب کا میں بہشت میں بھی اگر گیا

کبھی اشک آنکھوں سے ہیں رواں کبھی آنکھیں ہیں اپنی خوں چکاں
شب و روز رونا پڑا مجھے کہ شعارِ اہلِ نظر گیا

حضرت الم

جو دکھا کے حسن کی جھلکیاں سرِ بام سے وہ اتر گیا
گری ہا مجھ پہ وہ بجلیاں کہ تڑپ تڑپ کے ... [illegible]

شبِ غم کا ذکر نہ کیجیے دمِ عیش رنج نہ دیجیے
کہ جو ہونا تھا وہی ہو چکا جو گذرنا تھا وہ گذر گیا

شبِ وصل کی تھی غضب سحر ہوئے چاک اذاں سے دل و جگر
کوئی اٹھ کے خواب سے گر گیا کوئی دردِ ہجر سے مر گیا

کیا مجھ پر ابر نے کیا کرم دم رخصت آگیا ایک دم — یہ اٹھا اٹھ کے برس گیا کہ وہ جاتے جاتے ٹھہر گیا

نہ کچھ اس پہ دعوہ اکمل مرا نہ ہے اسکو مجھ سے کوئی گلہ — گیا وعدہ رات کا کر گیا سر شام آہ میں مر گیا

حضرت بلغ

جو کہا کسی نے کہ آپ پر کوئی مٹ گیا کوئی مر گیا — تو وہ بولے چھوڑو یہ تذکرہ جو گزر گیا وہ گزر گیا

تمہیں حسن حیات پہ ناز ہے یہ صحیح اوسکی مثال ہے — کہ ہوا تمہارا رات کو میہمان سحر وہ اٹھ کے وقت سحر گیا

جو عذاب ہے وہ عذاب ہے اسی انحطاط کا نام ہے — وہ شباب تھا وہ شباب تھا جو بہار بن کے گزر گیا

دل و دیدہ تیرا مقام ہیں ترے آنے کا یہ انتظام ہے — کہ نگاہ بن کے سما گیا کہ خیال بن کے اتر گیا

کہیں طور کی تھی تجلیاں کہیں حسن حور کی بجلیاں — شب غم تصور یار میں کہاں کہاں سے گزر گیا

ترے نازنین جو نیاز ہے وہ نیاز حسن کا راز ہے — یہ نگاہ شرم سے جب جھکی ترا رنگ اور نکھر گیا

وہ چلی ہوائے مخالفت کہ ملے جلے بھی بچھڑ گئے — گل مدعا کا ورق ورق جو بندھا ہوا تھا بکھر گیا

ہیں مجھ سے تجھ سے مناسبت میں زوال ہوں تو عروج ہے — میں وہ حال ہوں جو بگڑ گیا تو وہ حسن ہے جو سنور گیا

کبھی یاس آکے مٹا گئی تو امید آکے جلا گئی — تری عمر بلغ یہیں کٹی کبھی جی اٹھا کبھی مر گیا

حضرت زیرک

ہوس نمود کی لہر تھا جو حباب بن کے ابھر گیا — ہوا غرق بحر عدم تھا جو فنا کے گھاٹ اتر گیا

شب انتظار کا ماجرا کہوں کیا کہ طرفہ تماشا تھا — کبھی دل دھڑکنے لگا مرا کبھی خود ہی ٹھہر گیا

کبھی نبضیں ڈوب گئیں مری کبھی سانس اکھڑی ہوئی سی تھی — اسی کشمکش میں تھی زندگی چلی روح جو دم ٹھہر گیا

دل انقلاب پسند کا ترے ہجر میں یہی حال تھا — کبھی زخم بن کے یہ دب گیا کبھی داغ بن کے ابھر گیا

نظر آیا زیرک اگر کہیں تو نگاہیں دیکھ کے پھر گئیں — یہ کبھی خیال کیا نہیں کہ یہاں کھڑا تھا کدھر گیا

حضرت ضامن

کوئی سینہ سے نکل گیا کوئی لے کے درد جگر گیا — وہی باریاب حضور تھا جو خلوص دل سے ادھر گیا

ترے عشق واہمہ سوز نے مجھے فارغ دو جہاں کیا — سر نفع و بیم ضرر کہاں سر نفع و بیم ضرر گیا

یہ سرا تھی منزل ابتلا مجھے بیخودی نے بچا لیا — وہ ہجوم خوف و خطر ہوا کہ خیال خوف و خطر گیا

تری جلوہ گاہ [illegible] — [illegible]

دلِ سنگ سے جو نکل پڑا وہ شرار جذب ہوا ہوا کیا جس نے عشق کو برملا حدِ عاشقی سے گزر گیا

مری عرضِ شوق بھی کوئی شے مجھے اتنا اسے بھی ناز ہے عرقِ حیا کے وفور سے ترا رنگ اور نکھر گیا

یہ ہیں شکلیں عرضِ نیاز کی یہ ہیں نذریں در گہ ناز کی کہیں دل گیا کہیں دیں گیا کہیں جاں گئی کہیں سر گیا

مری کشت زار امید بھی سے اضطراب امینِ طور تھی کہ ادھر گرا گیا بجلیاں تو ادھر اڑا کے شرر گیا

حضرت عالی

وہ مئے نشاط سے مست ہیں شب و روز جام بدست ہیں انہیں اسکی بھی تو خبر نہیں کہ یہاں سے کون گزر گیا

کوئی جا کے اس سے کہے ذرا یہ سنا کہ تو نے نہیں سنا وہ جو تیرا عاشق زار تھا ترے غم میں جی سے گزر گیا

وہ شجر ہوں جس کا ثمر نہیں وہ صدف ہوں جس میں گہر نہیں وہ دہن ہوں جس میں زباں نہیں وہ سخن ہوں جس کا اثر گیا

کہا جب کسی نے وہ کون جو ہمیشہ تیرا فدا رہا کہا اس نے عالی خستہ جاں مگر اس جہاں سے گذر گیا

حضرت عیش

زہے ہمت دل پر الم کہ نہ ڈگمگایا ذرا قدم جو گرا تو صورت اشک غم جو اٹھا برنگ نظر گیا

ہے ہوائے نفس بندھی ہوئی نہیں عیش قدر کمال کی جو رہی وہ بے ہنری رہی جو گیا جہاں سے ہنر گیا

حضرت لبیب

لحد شکستہ کو دیکھ کر مرا قلب درد سے بھر گیا کہ وہ داغ جس کا تھا عرض پر وہ یہاں سے خاک بسر گیا

دم تیغ جادۂ عشق تھا یہ گزر نیوالا گزر گیا نہ رہے جو قیس کے دست و پا تو لگا کے پائے نظر گیا

نہ ادائے بادہ دوز تھی نہ صدائے سامعہ سوز تھی وہ تو ایک غیب کا تیر تھا کہ جو سیدھا دل میں اتر گیا

رہ دور منزل یار تھی رگ برق جائے قرار تھی ابھی نا درہ کی تلاش تھی کہ میں دو جہاں سے گزر گیا

ہوا بزم یار میں جب گزر تو ہزار طرح کے تھے خطر رہا وہم غیر جو عمر بھر تو میں اپنے آپ سے ڈر گیا

نہ سرشک ہو نہ شرارہ بن برنگ نور سحر سے چھن وہی گاڑا جاتا ہے بے کفن کہ جو اپنی حد سے گزر گیا

نہ مرے ہزار جتن کئے نہ بن آئی ہمکو بجز جیے وہ تو دل ہی مرد نبرد تھا جو اشارہ پاتے ہی مر گیا

نہیں جانتا جو وہ دلربا نہیں کام اپنی وفا سے تھا کہ معاملہ یہ خدا سے تھا وہ مکر گیا تو مکر گیا

نہ لبیب وقف نیاز ہے نہ کسی کا کشتۂ ناز ہے

وہ شہید زلف دراز ہے جو فقط خیال سے مر گیا

حضرت مفید

ترا وعدہ آج کا ٹل گیا، کوئی انتظار میں مر گیا
مرے دوست کام نکل گیا، مرے یار وقت گزر گیا

جو کسی کو دیر کی لو لگی تو کسی نے کعبہ کی راہ لی
ترے در کی جس نے گدائی کی وہ ادھر گیا نہ ادھر گیا

کوئی آس ہو تو جیا کروں، یہی زندگی ہے تو کیا کروں
کوئی تو ادا دیکھ کے پلٹ گیا، کوئی وعدہ کرکے مکر گیا

اُسے دل لگی کا مزا ملا، اُسے عاشقی کا مزا ملا
اُسے زندگی کا مزا ملا جو تری ادا پہ مر گیا

یہ مفیدؔ! ایسا برا ہوا یہ اے بیوفا تجھے کیا ہوا
یہ کل تھا دل پہ چڑھا ہوا، یہی آج دل سے اتر گیا

حضرت واقف

تجھے میرے غم کا رنج کیا، مجھے مرنا ہی تھا میں مر گیا
اثر ملال کی حد ہے کچھ کہ یہ گل سا چہرہ اتر گیا

یہ نصیب عاشقِ زار ہے کہ خزاں میں رنگ بہار ہے
کبھی حسن بن کے جھلک گیا، کبھی زلف بن کے بکھر گیا

یہ فسوں گری ہے جمال کی کہ کرشمہ سازیٔ عشق ہے
تیرے دل سے خود وہ فنا گئی مگر جذبِ دل کا اثر گیا

اُسے بھول جائیں مجال کیا، یہ وہ یاد ناوکِ ناز ہے
جو جگر پہ رہا تو خلش گئی، جو خلش گئی تو جگر گیا

دلِ زار واقفؔ خستہ سے جو نکل کے نالہ ہوا بلند
نہ کسی کو اس کی خبر ہوئی کہ یہ لینے کس کی خبر گیا

حضرت واثق

ہیں بہت حسیں تو میں کیا کروں، دلِ زندہ تو ہی جو مر گیا
ترے دم کے ساتھ تھے شوق سب تو گیا تو وہ بھی گزر گیا

نہ تڑپ رہی نہ جنوں رہا، ترے ہاتھ چوم لوں تیغ زن
مرے دل کا درد بھی کم ہوا، مرا سر بھی تن سے اتر گیا

مرے خون دل کے جو پھول تھے نہ رہیں گے شوخ اب اس قدر
نگہِ یاس نے کیا کیا کہ وہ دامن اشکوں سے بھر گیا

نہ خبر ہے عالم ہست کی، نہ خبر ہے عالم نیست کی
یہ تری نظر نے کہاں گرا دیا، کہ میں دو جہاں سے گزر گیا

ہے اسی کی اصل میں زندگی، ہے اسی کو موت کا لطف بھی
جو تری گلی میں پڑا رہا، جو تری گلی میں گزر گیا

مرے دل کے زخم ہرے ہوئے، یہ نشان فصل بہار ہے
کوئی جا کے دیکھ لے باغ میں کہ خزاں کا دور گزر گیا

وہ کسی کا وعدہ غلط سہی، وہ نہ آئے کوئی نہیں سہی
مرے دل کو کچھ تو ہوا سکوں، مرا حال کچھ تو سنور گیا

ترے دل کو واثقؔ مبتلا کوئی دیکھتا تھا کہ ڈھونڈتے
کوئی کیا بتائے کہاں گیا، کوئی کیا کہے کہ کدھر گیا

حضرت وصفی

سہی مجھ سے تیرے بس مرگ ہم غم عشق کا اب اثر گیا
نہ ہمارا داغ دل مٹا نہ ہمارا درد جگر گیا

مرے دل کا حال بھی ہے عجب کہ بساط عشق پہ اٹھ کے اب
کبھی یہ سنور کے بگڑ گیا کبھی یہ بگڑ کے سنور گیا

انہیں رنگ کھانا تھا انہیں حال رنج سنانا تھا
جو گیا یہاں سے پیامبر تو نہ لے کے دیدۂ تر گیا

یہ نہ پوچھو بلبل زار کا ہوا درد رنج سے حال کیا
کبھی صحن باغ سے توڑ کر کوئی ایک پھول اگر گیا

وہ ہوائے کوچۂ یار تھی مرے سر میں مر کے بعد بھی
جو مرا غبار اڑا کبھی تو اسی گلی میں ٹھہر گیا

مجھے کام دیر سے وصفی نہ حرم سے ہے کوئی واسطہ
در یار ہی پہ جما رہا نہ ادھر گیا نہ ادھر گیا

حضرت ہاشمی

ترا عشق رنگ کے رنگ میں مرے ساز روح میں بھر گیا
ترا حسن شعر لطیف تھا مرا ذوق جس سے سنور گیا

بر و بار و برگ و درخت سے ہے طویل باغ کی داستاں
مگر عطر اس کا وہ نکتہ ہے جو بشکل غنچہ نتھر گیا

مری قوتوں کا نمود کیا جو نہو نمود وجود کیا
تہ تیرگی دن کا چراغ ہوں کہ جو زندگی ہی میں مر گیا

ہے جوش وسعت دریں فرق کچھ نہ پڑیگا بحر خود آزما
خس ناتواں بھی اگر کبھی تری رو میں پار اتر گیا

یہ پیام دید کی چھیڑ ہے کہ وہ جلوہ منظر آزما
کبھی اشک بن کے جھلک رہا کبھی جو اچٹ کے گزر گیا

مرض دروں کا مرا لغو بھی مری موت ہو گیا ہاشمی
کہ شکنج سینہ اک آہ تھی وہ کھنچی تو سانس بکھر گیا

بہترین کتابیں

عروج السعادت - علامۃ العلما حاجی ملا احمد نراقی کی معرکۃ الآرا کتاب معراج السعادات (جو علم الاخلاق کی مفید ترین کتاب ہے) کا ترجمہ ہے - جو دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول طبع ہو گیا ہے - جو ۴۱۰ صفحات پر ختم ہوا ہے - علم الاخلاق کے دلدادگان کے لیے نادر و نایاب کتاب ہے - قیمت فی جلد عا

دریائی خاتون - مشہور ڈراما نویس ابسن کے ڈرامہ "دی لیڈی فرم دی سی" کی تلخیص و ترجمہ ہے - جس میں علم النفس کے کئی پیچیدہ عقدے حل ہو گئے ہیں قابل دید ڈرامہ ہے - قیمت فی جلد کاغذ چکنا ۸ کاغذ کھرا ۶

درس عشق - مشہور فسانہ نگار ولیم سن کے ناول "ڈمی ہینڈ" کی تلخیص و ترجمہ ہے یہ قصہ نہایت سبق آموز، عبرت خیز، زبردست ترین اخلاق کا سبق دیتا ہے قیمت ۸ عہ

رجسٹرڈ آصفیہ نشان ۳۲

رجسٹرڈ انگلشیہ ایم

حیدرآباد دکن کا مشہور علمی ماہوار رسالہ

تاج

جلد (۳) نمبر (۳ و ۴)

ماہ امرداد و شہریور ۱۳۳۴ف

مدیر

غلام محمد انصاری وفا

رفیق مدیر

رگھناتھ راؤ درد

تاج پریس میں چھپ کر

دفتر رسالہ تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن سے شایع ہوا

قیمت سالانہ مع محصولڈاک صہ

غیر اصحاب سے اس نمبر کی قیمت عہ

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار
تقریب بر مضامین صدیق اکبرؓ و ذوالنورینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	مولانا سید ہاشمی فریدآبادی رکن دارالترجمہ سرکار عالی
صدیق اکبرؓ	مولانا عبداللہ العمادی صاحب ناظر شعبۂ دینیات سررشتۂ تالیف و تراجم
ذوالنورینؓ	مولوی فدا علی صاحب طالب مترجم سررشتۂ تالیف و تراجم سرکار عالی
دعا	مولانا سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی
حیات خلیق	مولوی سید عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی
مغارات ایلورا	مولوی سید تفضل حسین صاحب ناثر ناظر مدارس ملک سرکار عالی
اسمشان	رفیق مدیر
مسلمانوں کی تجارت	مولوی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی (منشی فاضل)
مہاتما تلسی داس	پنڈت راجندر راؤ صاحب حیدرآبادی
روح ادب	مشاعرہ منعقدہ مکان جناب باغ مدظلہ

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ ۶۴ صفحے پر ہر ماہ الٰہی میں ایک بار شایع ہوتا ہے۔

(۲) اسمیں مشرق و اہل مشرق خاصکر ہند اور اہل ہند سے متعلق مباحث ذیل پر مضامین شایع ہوتے ہیں۔

(۱) تاریخ و جغرافیہ (۲) آثار و عتایق (۳) ادبیات السنہ

(۴) اقوام و قبائل اور انکے مقامی روایات، ضرب الامثال وغیرہ کی تحقیقات

(۳) اشاعت کے لیے صرف وہی مضامین انتخاب ہوا کرتے ہیں جو مباحث مذکور پر کمال تحقیق و تدقیق کے بعد لکھے گئے ہوں

(۴) جن مضامین میں مذہبی اور سیاسی مباحث پائے جاتے ہیں وہ نظر انداز کردیئے جاتے ہیں

(۵) رسالہ کی قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے بنظر احتیاط پرچہ بذریعہ سرٹیفکیٹ آف پوسٹ بھیجا جاتا ہے پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر ماہ الٰہی کے آخر ہفتہ میں ناظم صاحب پرچہ اور نیز دفتر ڈاکخانہ کو دینا چاہیے تاکہ رفع شکایت کا انتظام کیا جائے۔

(۶) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر غلام محمد انصاری وفا مدیر تاج چھتہ بازار حیدرآباد دکن کے نام ہوا کرے اور جواب طلب امور کے لیے کارڈ جوابی یا نیم آنہ کا ٹکٹ بھیجنا چاہیے۔

بقلم

مولانا عبداللہ العمادی صاحب

ناظر شعبۂ دینیات سررشتۂ تالیف و تراجم سرکار عالی

و

مولوی فدا علی صاحب طالب

مترجم سررشتۂ تالیف و تراجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ عرصہ ہوا سر سید احمد خاں مرحوم کے خطوط کا ایک مجموعہ مرحوم کے لائق پوتے مسعود جنگ بہادر نے شائع کیا ہے۔ اس کے ایک خط میں (صفحہ ۳۸ پر) سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں "میں تو اون صفات کو جو ذات نبوی میں جمع تھیں۔ دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں ایک سلطنت اور ایک قدوسیت۔ اول کی خلافت حضرت عمرؓ کو ملی دوسری کی خلافت حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کو۔ مگر یہ کہنا تو آسان ہے مگر کس کو جرات ہے کہ اس کو لکھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب چیزوں کو غارت کر دیا حضرت ابوبکرؓ تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا زیر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے جو ہوا سو ہوا جو گزرا سو گزرا"

آخری فقرے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ عین مصلحت پر مبنی ہے لیکن افسوس ہے کہ عام علمائے اسلام کی اس مصلحت اور مصالحت اندیشی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے چالاک دشمنوں کی سازشیں اور کوششیں کامیاب ہوئیں اسلامی ادبیات میں عجمی ملاحدہ اور منافقین کے عقائد و آرا، شعر و تصوف اور قصص و حکایات کے پیرایوں میں اس طرح پھیلے کہ تیرہویں صدی میں سید احمد خاں جیسے روشن دماغ اور منصف مزاج شخص کو ہم ایسے خیالات کا اظہار کرتے دیکھتے ہیں جو تاریخی اعتبار سے نہ صرف خلاف واقعہ اور قابل شرم پریشان خیالی کی

دلیل ہیں بلکہ ان سے اسلام کا وہ مبارک و منور عہد تاریک و آلودہ ہوجاتا ہے
جس کا دامن مسلمانوں کے مذہبی عقائد سے ہم گرہ ہے۔

سید صاحب کے مذکورہ بالا جملے میں اگرچہ چاروں خلفائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہے لیکن سب سے زیادہ تنقیص سیدنا حضرت عثمانؓ
اور سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی لازم آتی ہے، جب یہ مجموعۂ خطوط چھپکر آیا تو
بعض علم دوست احباب میں سید صاحب کی اس عبارت کا چرچا ہوا نواب مسعود جنگ
سے تحقیق کیا گیا کہ اس خط کے اصلی ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ پھر تجویز ہوئی
کہ لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے اور اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کا ذکر جمیل تازہ کرنے
کی غرض سے مخدومی مولوی عبد اللہ العمادی (متعنا اللہ بفیوضہ) اور مخدومی
مولوی فدا علی صاحب طالب سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت ذوالنورینؓ
کی مبارک سیرت پر مختصر مضامین تحریر کریں۔ مولوی عمادی صاحب جن کی
وسعت نظر اور تبحر اہل علم میں مسلم ہے، نسباً صدیق اکبرؓ کی اولاد میں ہیں۔
اس موقع پر جو مضمون انہوں نے تحریر فرمایا گو بہت مختصر ہے لیکن جامعیت
اور دلکشی کی وہ شان ضرور رکھتا ہے جو مولوی صاحب ممدوح کی عالمانہ تحریر
کی خصوصیت بن گئی ہے۔ اگرچہ جی چاہتا ہے کہ فاضل مضمون نگار اسبات کی
ذرا زیادہ صراحت فرما دیتے کہ حضرت ابوبکرؓ کی ذات نبوی صلعم سے عقیدت و
شیفتگی، کمال پرہیزگاری و نفس کشی اور انتہائی زہد و ورع ہی مسلمانوں کی دانست
میں ان کی بہترین عقل و فراست کی دلیل ہے قرآن حکیم نے انسانی فضیلت کا
معیار تقوی کو قرار دیا ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم" اور جس نا فہم نے سچے اتقاء
کو بیدار مغزی اور عالی دماغ کے منافی یا معارض جانا وہ حقیقت میں اسلامی تعلیم کا
منشاء سمجھنے سے قاصر رہا۔

دوسرا مضمون ہمارے کرم فرما مولوی فدا علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے جو سیدنا
حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں ہیں اور عہد صحابہ اور بعد کے نزاعی مباحث سے

نہایت عمدہ واقفیت رکھتے ہیں۔ آیندہ اوراق میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ
مولوی صاحب موصوف نے فضائل عثمانؓ کو کس خوبی اور تحقیق کے ساتھ ایک مختصر مضمون
میں جمع کر دیا ہے کہ بے اختیار آفریں کہنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر بھی حضرت عثمانؓ
کی انتظامی قابلیت اور فتح ممالک اور ان کی تنظیم و استحکام کے متعلق جس قدر تفصیل
سے لکھنے کی ضرورت تھی اس میں کمی نظر آتی ہے اور ہمیں توقع ہے کہ مولوی فدا علی صاحب
اس کمی کو آیندہ دوسرے مضمون سے پورا کر دیں گے۔ اسی طرح حضرت ذوالنورین
کی شہادت کے واقعات پر خاص طور پر زور دینے کی ضرورت ہے کیونکہ جس طرح
سیدنا حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہمیں یہ ولولہ انگیز سبق دیتی ہے کہ اہل ایمان جان دینا
پسند کرتے ہیں لیکن جو کچھ دل میں ہے اس کے خلاف زبان سے کہنا یا کرنا کسی حال میں
گوارا نہیں فرماتے۔ اسی طرح شہادت عثمانؓ مسلمانوں کے واسطے صبر و استقامت،
ایثار و بے نفسی اور حقیقی محبت اسلام و ملت اسلام کی عدیم النظیر مثال ہے کہ انسانیت
کا سب سے بڑا سردار، کامل قوت و اقتدار رکھنے کے باوجود ہر طرح کی تکلیف و سختی
حتیٰ کہ اپنا سر عزیز کٹوا دینا۔ کمال صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتا ہے لیکن یہ
گوارا نہیں کرتا کہ اپنی ذات کی خاطر مسلمانوں کے ایک گمراہ و شوریدہ سر گروہ پر
تلوار اٹھائے"! دنیا کی تاریخ ایسی سچی بہادری ایسی پاک و بے لوث
جوانمردی ایسے کامل ایمان و احسان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ والذین اتبعوہ باحسان۔ فقط

خاکسار

سید ہاشمی۔ فرید آبادی

(رکن دار الترجمہ سرکار عالی)

نبوتِ عظمیٰ کا جانشین اول

ساقیِ کوثر کا پہلا دائم مقام

عبد اللہ ابی بکر الصدیق بن عثمان ابی قحافہ التیمیؓ

بدایوں کے مطبع نظامی نے سید احمد خان مرحوم کے خطوط شائع کئے ہیں۔ ایک خط عماد الملک بہادر کے نام ہے جس میں سید صاحب نے خلافت نبوی کے دو حصے قرار دیئے ہیں۔

(۱) قدوسیت ۔ جس کے وارث حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے

(۲) سلطنت ۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی

گویا اون کی رائے میں حضرت ابوبکر رضوان اللہ علیہ ان دونوں سے بے بہرہ "ایک مرد بزرگ" تھے اور بس۔ نظر اول کا نیاز مندیہی جزو آخر ہے۔

(۱)

اللہ تعالیٰ ایک برگزیدہ بندہ کو اپنا پیغام ہدایت دیکر بھیجتا ہے۔ دنیا اس کے صدق و صفا کو بخوبی جانتی پہچانتی ہے مگر اس پیغام نجات کو نہیں مانتی ہے۔ مرور ایام و خلوص پیغام آخر اپنا کام کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے گرویدہ بن جاتے ہیں۔ مگر یہ لوگ کمزور ہیں اور ظاہری عظمت کا اثاثہ نہیں رکھتے۔ منکرین طعنہ دیتے ہیں کہ اِن اتبعک الا الارذلون (صرف ادنیٰ درجہ ہی کے لوگوں نے تو آپ کی پیروی کی ہے) سرداران ملت میں فقط ایک شخص ہے اور آزاد و باثر و ذی اقتدار و عاقل و بالغ الکمال نفوس میں سب سے پہلا وہی ہے جو اس پیغام کو قبول کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس پیغام بر کے حوالہ کر دیتا ہے۔ یہ وہی مرد بزرگ تھا جس کی زندگی السابقون السابقون اولئک المقربون کی تفسیر بالعمل ثابت ہوئی۔

دعوۃ حق کیلئے اب دوسرا میدان منتخب ہوتا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کا رسول اب دعوت کا رخ
کرتا ہے۔ میر سامان یہی "مرد بزرگ" ہے جو خود رکاب سعادت کا ردیف بنا ہوا ہے۔ یہ دونو
ہستیاں گنج خدا آورد لیے ہوئے ایک غار میں پناہ لیتی ہیں (ثانی اثنین اذ ھما فی الغار) اپنے ہادی کی
یہ ظاہری بے کسی دیکھ دیکھ کر اس پر حزن غالب آتا ہے تو آسمانی آواز اس کو تسلی دیتی ہے کہ
لاتحزن، ان اللہ معنا (رنج نہ کر حقیقت شناس بن ہمارے ساتھ تو اللہ ہے۔ خدا داری چہ
غم داری) فانزل اللہ سکینتہ علیہ (اللہ اپنا سکینہ، اپنی تسلی اپنا سکون خاطر اس پر نازل فرماتا ہے)
یہ نزول سکینہ کس پر تھا؟ کیا پیغمبر اعظم پر تھا۔ آئینہ رسالت کا جوہر وثوق باللہ گرد آلود کدورت کب
ہوا ہے۔ وہاں تو حزن وملال و بے اطمینانی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ پھر کیا یہ سکینہ اسی "مرد بزرگ" پر
نازل ہوا؟ بہرحال یہ یادگار واقعہ قرآن مجید میں ہمیشہ کے لیے آگیا۔ وہی قرآن جس کی سید صاحب نے
بھی تلاوت کی ہے اور اپنے انداز میں تفسیر بھی لکھی ہے۔

(۲)

پیغمبر اعظم جب رفیق اعلیٰ سے جاملے تو مسلمانوں میں ایک فتنہ پیدا ہوگیا۔ اسوقت وہی "مرد بزرگ"
اٹھتا ہے اور قوم کو بیدار کرتا ہے کہ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
جو پرستش کر رہا ہو اس کو سن لینا چاہیے کہ آنحضرتؐ انتقال کر گئے) ومن کان یعبد اللہ فان
اللہ حی لایموت (اور جو اللہ کا عبادت گزار ہے تو اللہ تو زندہ جاوید ہے) وما محمد الا
رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (محمد تو صرف ایک پیغمبر تھے۔ ان سے
پہلے بھی پیغمبر گذر چکے ہیں وہ انتقال کریں یا قتل ہوں تو کیا تم لوگ پیٹھ پھیر لوگے)
اس آواز کا سننا تھا کہ فتنہ ہوتے ہوتے رک گیا اور مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہو گئے
وفات نبوی کی خبر سے تمام عرب میں ایک طوفان آجاتا ہے۔ ارتداد کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس
بلوائے عام میں صحابہ عدم تعرض کو مصلحت سمجھتے ہیں کہ مدینہ مبارک تو محفوظ رہ سکے۔ مگر وہ خدا
کا بندہ عزم صدق کا اظہار کرتا ہے کہ أجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام (جاہلیت میں جبار اور
اسلام میں خستہ وخوار؟ یہ ممکن نہیں) واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لجاھدتہم
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو کچھ وہ گزرانتے تھے اگر اب اس سے ایک اونٹ کی رسی بھی نہ دینگے

تو میں اُن سے لڑوں گا) یہ کہتا ہے محض اللہ کے بھروسے پر تمام عرب سے لڑتا ہے اور سب کو
پھر دین حق میں واپس لاتا ہے ۔

(۳)

(الف) قرآن جو آسمانی قانون ہے یہی مرد بزرگ اس کا پہلا جامع ہے۔
(ب) حدیثیں جو اوس سے مروی ہیں اتفاق عام کی سند اُن کو حاصل ہے
(ج) فقہ کے جو مسائل اجماعی ہیں وہ ان کی روایتوں سے مستنبط ہیں۔
(د) علم انساب کا وہ سب سے بڑا ماہر تھا حسّان کا کلام اُسی سے مستفیض تھا جو آنحضرت
علیہ السلام کے حکم سے انساب کی تحقیق اُس سے کرتے تھے ۔
(ﮦ) علم تعبیر میں تمام عرب اس کو امام فن مانتا تھا

(و) عراق و ایران و شام و مصر غرض وہ تمام ممالک جو عہد فاروقی میں فتح ہوئے۔ ان سب پر
اسی نے لشکر کشی کی اور فتح کی بنیاد ڈالی۔
(ز) تمام انتظامات جو عہد فاروقی میں ہوئے سب کے آثار اور داغ بیل ڈالنے کا موسس
اول اسی کا ہاتھ تھا۔
(ح) وہ خود صحابی۔ اس کے دو بیٹے صحابی ۔ اس کی بیٹی ام المومنین ۔ اس کے پوتے
فقہ کے بانی۔ اس کی یادگار (رازی) فلسفہ کی امام (سہروردی) طریقت کی پیشوا
اور اس کا ایک فرزند آصفجاہ سابع آج اسلام کا بادشاہ ہے خلد اللہ ملکہ و سلطانہٗ

(۴)

اس " مرد بزرگ " کی عجیب شان تھی کہ اپنے ہادی کے دائرہ کبریائی میں بالکل جذب ہو گیا۔ زمین
و آسمان کے اندر جتنی خوبیاں نظر آتی ہیں وہ اپنے ہادی ہی کو ان سب کا مجمع الاوصاف سمجھتا
ہے ۔ مرض الموت لاحق ہے ۔ سکرات کا عالم ہے ۔ بیہوشی طاری ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا سرہانے بیٹھی ہیں اور بے ساختہ فرماتی ہیں

وابیض یستسقی الغمام بوجهه (وہ گورا وہ سفید رنگ کہ ابر باراں اسکے چہرہ سے فیض آب ہوتا ہے

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل (یتیموں کا ملجا، بیواؤں کا دستگیر اور انکی عصمت کا محافظ)
وہ آنکھ کھول دیتا ہے۔ فرط غضب سے چہرہ پر شکن پڑجاتی ہے۔ مونھ سرخ ہوجاتا ہے۔
اور اس عالم میں کہتا ہے ذاک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی)
ولکن قولی وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذٰلک ما کنت منہ تحید (کہنا ہو تو یہ کہو کہ سامان مرگ
آپہونچا، موت کا نشہ چڑھ گیا۔ یہ وہی تو ہے جس سے تو بچتا تھا، کنارہ کرتا تھا۔) ان حالات
کے ہوتے ہوئے بھی یہ "مرد بزرگ" میراث نبوت سے اگر بے بہرہ تھا تو اس دنیا میں کون ہے
جسے بہرہ ور مان سکتے ہیں؟

از سخن سازیش من سودائیم
وز سخن سوزیش سوفسطائیم

عبادی

خالق نے جنہیں دیا ہے زر دیتے ہیں
زر کیا ہے خدا کی رہ میں گھر دیتے ہیں

اپنا سرمایہ رکوع و سجدہ ہے
سامان نہیں رکھتے ہیں سر دیتے ہیں

امجد حیدرآبادی

نبوت عظمیٰ کا جانشین ثالث

عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ الاموی العبشمی

حضرت عثمانؓ کی شرافت خاندانی اور قومی وجاہت عام طور پر مسلم ہے خاندان بنی امیہ کا اقتدار
اور ان کی سیادت و وجاہت تاریخ میں اس شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے کہ اس پر زیادہ
لکھنے کی ضرورت نہیں ہے حضرت عثمانؓ کا نسب باپ کی طرف سے چار واسطوں سے
اور ماں کی طرف سے دو واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے
عثمانؓ عبد الشمس بن عبد مناف کے پوتے ہیں اور رسول ہاشم بن عبد مناف کے فرزند ہیں
حضرت عثمانؓ کی والدہ ام حکیم بنت عبد المطلب کی بیٹی ہیں اکثر مورخین کی رائے ہے کہ
ام حکیم اور رسولؐ کے پدر بزرگوار سیدنا عبد اللہ توام پیدا ہوئے تھے۔ سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی قرابت دار ہونے کے علاوہ عثمانؓ کو رسولؐ کی دامادی کا
فخر بھی حاصل ہے۔ اور اس شرف میں ان کو ایسی خصوصیت ہے کہ بنی آدم میں کوئی اس شرف
میں ان کا شریک نہیں ہے۔ رسولؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد نکاح میں
آئیں سنن بیہقی میں منقول ہے کہ خلقت آدم سے لیکر عہد رسولؐ تک سوا حضرت عثمانؓ کے اور
کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں اُس کے نکاح میں آئی ہوں حضرت
ام کلثومؓ کی وفات کے بعد رسولؐ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں اُس کا نکاح بھی
عثمانؓ کے ساتھ کرتا۔ اسد الغابہ میں حضرت علیؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ
اگر میرے چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان سب کا یکے بعد دیگرے عثمان کیساتھ نکاح کرتا یہاں تک
کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہتی۔ حضرت علیؓ سے کسی نے عثمان غنیؓ کے بابت کچھ پوچھا
علیؓ مرتضےٰ نے جواب دیا کہ عثمان ملاء اعلیٰ میں ذی النورین مشہور ہیں اسلئے کہ وہ پیغمبر کی
دو بیٹیوں کے شوہر تھے (سیوطی) رقیہ بنت نبی صلعم کی وفات کے بعد ایک دن عثمانؓ مغموم و
ملول رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرور کائنات نے عثمان غنی کو رنجیدہ دیکھکر

ان کے حزن وملال کا سبب پوچھا۔ عثمان غنی رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے وہ شاید دنیا میں کسی پر نازل ہوئی ہوگی۔ بنت رسول نے دنیا سے رحلت کی اور میرے اور آپ کے درمیان جو رشتہ تھا وہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ سرور عالم ص نے فرمایا کہ عثمان رض تم یہ کہہ رہے ہو اور جبرئیل امین خدا کا حکم لیکر آئے ہیں کہ میں رقیہ کی بہن ام کلثوم کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں (ابن خلدون) عثمان رض کو یہ جواب دیکر رسول کریم نے فرمایا کہ خیر الشفیع لعثمان وما انی ازوج تبانی ولکن اللہ یزوجہن (ریاض)

اسامہ ابن زید سے روایت ہے کہ رسول نے گوشت کا ایک ٹکڑا بطور ہدیہ عثمان رض کے پاس بھیجا۔ اسامہ رض خود رسول کے قاصد تھے اسامہ رض ابن زید فرماتے ہیں کہ میں عثمان ذو النورین رض کے پاس آیا شمع جل رہی تھی اور رقیہ بنت رسول اپنے شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور شمع کی روشنی سے ان دونوں کا چہرہ منور ہو رہا تھا میں ان کے حسن کو دیکھکر حیران ہو گیا۔ جب واپس آیا تو رسول کریم نے مجھ سے پوچھا کہ ھل رایت زوجا احسن منہما قلت لا یا رسول اللہ (سیوطی) حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رض کا نکاح عثمان رض کے ساتھ کیا اور بیٹی سے فرمایا کہ یا قرۃ عینی لعلک اشبہ الناس بجدک ابراہیم وابیک محمد (سیوطی)

ان روایتوں سے جو مشتے نمونہ از خروارے بیان ہوئیں حضرت عثمان رض کا مرتبہ اور تقدس روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہے۔ نبی فخر اور اعزاز کی جو انتہائی خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ تمام وکمال ان کی ذات میں جمع ہیں۔

---

(۲) اسلام لانے میں عثمان رض غنی کا چوتھا نمبر ہے عثمان رض کے مشرف بہ اسلام ہونیکی روایت طبقات ابن سعد میں اس طرح منقول ہے کہ عثمان رض اور طلحہ رض و زبیر کے ساتھ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم نے ان کو اسلام لانے کی ہدایت فرمائی اور قرآن کی چند آیتیں ان کو پڑھکر سنائیں عثمان رض اور طلحہ رض دونوں صاحب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حبیب رب العالمینؐ کی دست بوسی کرنے بعد عثمان غنیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم شام کے سفر سے آرہے ہیں۔ اثنائے سفر میں ہم ایک جگہ مقیم ہوئے اور سو گئے خواب میں ہم نے ایک منادی کرنے والے کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ سونے والو اٹھو اور دوڑو احمد مرسلؐ مکہ میں مبعوث بہ رسالت ہو چکے ہم یہ خواب دیکھکر اٹھے اور جلد سے جلد خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں دس خصوصیتیں ایسی ہیں جو دوسروں میں جمع نہیں ہیں اسلام لانے میں میرا چوتھا نمبر ہے نبی کی دو بیٹیاں میرے نکاح میں آئیں علاوہ مشہور بالجنتہ ہونے کے میں نے تین مرتبہ رسولؐ کے ہاتھ سے جنت خریدی۔ جس ہاتھ سے میں نے رسولؐ سے بیعت کی اس کو کمر کے نیچے نہیں لے گیا۔ مجھے اسلام کیطرح جاہلیت کے زمانہ میں بھی خدا نے کبائر سے محفوظ رکھا۔ اسلام میں بر بنائے تقویٰ اور جاہلیت میں بوجہ ناپسندیدگی میں نے زنا سرقہ اور شرب خمر وغیرہ معاصی سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ قرآن کو جمع کیا۔ اور رسولؐ کو سنایا ساری امت کو ایک قرآن کی تلاوت پر جمع کیا۔ بیعت الرضوان کا باعث ہوا اور میرا ہی ہاتھ رسول کا ہاتھ قرار پایا۔ جب سے ایمان لایا۔ کوئی جمعہ خالی نہیں گیا۔ کہ میں نے ایک بندہ خدا کے نام آزاد نہ کیا ہو (ابن خلدون۔ ابن الاثیر۔ استیعاب)

اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں عثمانؓ اغنیائے قریش سے سمجھے جاتے تھے سخا کے گروہ میں عثمان غنیؓ ہمیشہ بیحد معزز و مکرم رہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سابقین مہاجرین کی فضیلتوں اور حفظ مراتب کا خیال کر کے ہمیشہ عہد نبوت میں یہی کہا جاتا تھا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ"۔ (تہذیب التہذیب و صحیح البخاری)

عبداللہ ابن عباسؓ وابن عمر وغیرہ اجلّہ صحابہ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ امن ھو قانت اناء اللیل ساجداً وقائماً یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ عثمان ذوالنورین کی شان نازل ہوئی (سیوطی تاریخ الخلفاء) کلبی اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر سے مراد عثمان ذی النورینؓ ہیں (تاریخ الخلفاء)

ابن عساکر بسند صحیح حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے

فرمایا کہ عثمانؓ میرے قریب سے گذرے اور میرے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس ملک مقرب نے عثمان کو دیکھکر مجھ سے کہا کہ یہ شخص اپنی قوم کے ہاتھ سے شہید ہوگا حالانکہ ہم ملائکہ بھی اس سے حیا کرتے ہیں (تاریخ الخلفاء، فتح الباری) (جزری)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ ان الملائکۃ تستحی من عثمان کما تستحی من اللہ ورسولہ

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے عثمانؓ کو دیکھکر فرمایا کہ الا استحی من رجل تستحی منہ الملائکۃ (فتح الباری)

ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلعم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ ان اللہ یقمصک قمیصا فان ارادک المنافقون علی خلعہ فلا تخلعہ حتے تلقانی

جامع ترمذی میں مرۃ بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے ایک شخص کپڑے سے اپنے منہ کو ڈھانکے ہوئے ادھر سے گذرا رسولؐ نے فرمایا یہ شخص اس فتنہ میں حق پر ہوگا۔ میں نے اٹھکر اس آنیوالے کو دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ میں نے عثمانؓ کا چہرہ نبی صلعم کی طرف پھیرا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص حق پر ہوگا آپ نے فرمایا کہ ہاں (تلخیص المستدرک)۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ عثمان غنیؓ نے جیش عسرۃ کی مدد کی اور رسولؐ نے فرمایا ما علی عثمان ما عمل بعد الیوم

حضرت ابو ہریرہؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں اختلاف و فتنہ پیدا ہوگا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس وقت کیا کریں آپ نے فرمایا کہ تم امیر اور اس کے ساتھیوں کے بہی خواہ رہنا۔ یہ فرمایا اور عثمانؓ کی طرف اشارہ کیا (تلخیص المستدرک) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ ہل یستوی ہو ومن یامر بالعدل وہو علی صراط المستقیم عثمان ذی النورینؓ کی شان میں نازل ہوئی (تاریخ الخلفاء)

حضرت انسؓ ابن مالک سے مروی ہے کہ رسول کریم فرمایا کرتے تھے اشد امتی حیاء عثمان ابن عفان (اصابہ۔ تہذیب التہذیب)

ابن عون فرماتے ہیں کہ اعلم الصحابۃ بالمناسک عثمانؓ وبعدہ ابن عمرؓ (تاریخ الخلفاء)

قرآن کریم کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو ایک خاص خصوصیت ہے۔ عثمان ذوالنورینؓ کا جامع ہونا اور شبانہ روز قرآن کی تلاوت میں بسر کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو معتبر اسناد سے تاریخ و حدیث میں مرقوم ہے۔ تمام صحابہ رسولؐ میں یہ امتیاز انہیں کو حاصل ہے کہ ایمان لائے تو قرآن کو تمام ساری زندگی قرآن کی تلاوت میں بسر کی۔ قرآن کریم کو جمع کیا۔ اختلاف قرات کو رفع کیا۔ تمام مسلمانوں کو ایک قرآن کی تلاوت پر راضی کیا اور قرآن ہی کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

بیعتہ الرضوان کا واقعہ تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات میں ہے۔ اس بیعت کے کرنے والوں سے خدا نے اپنی کامل خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ صحابہ رسولؐ میں اہل بدر و احد کے بعد اصحاب بیعتہ الرضوان کا مرتبہ ہے۔ اس بیعت سے عثمان غنیؓ کو ایک خاص تعلق ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس بیعت کا اصل سبب ہی عثمانؓ ذی النورین ہیں تو بالکل بجا اور درست ہے۔ رسول خدا نے عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ کے مکہ پہونچنے کے بعد مسلمانوں میں یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔ حبیب رب العالمین اس خبر کو سنکر بیحد رنجیدہ ہوئے۔ اور وفور غم میں عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے اپنے شیدائیوں سے ایک درخت کے نیچے مشرکین مکہ سے لڑنے اور خدا کی راہ میں اپنی جان فدا کرنے کی بیعت لی۔ بیعت مکمل ہو چکی تو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ اور عثمان غنیؓ زندہ اور صحیح و سالم موجود ہیں۔ چونکہ یہ بیعت خدا کی بارگاہ میں بیحد مقبول ہونے والی تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ نہ چاہا کہ خود ان کا رسول اس بیعت کے برکات سے محروم رہے۔ صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ عثمانؓ خدا اور رسول کے کام کے لئے گئے ہیں۔ میں ان کو اس سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔ یہ فرمایا اور اپنا دست راست اٹھایا اور کہا کہ یہ ہاتھ عثمانؓ کا ہے اور اپنے ہاتھ سے دست چپ پر عثمان غنیؓ کی طرف سے خود بیعت فرما لی۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ کا ہاتھ سارے بائعین کے ہاتھوں سے افضل و اعلیٰ ہے جسطرح عثمان غنیؓ اس بیعت کے بانی ہیں۔ اسی طرح ان کی بیعت بھی سارے صحابہ کی بیعت سے کہیں زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے (فتح الباری۔ استیعاب)

عثمان ذی النورینؓ اپنے خصوصیات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جس ہاتھ سے رسول سے بعیت کی ہے اس ہاتھ کو کمر کے نیچے نہیں لے گیا۔ اس روایت سے حضرت عثمان کا تقدس اور طہارت ظاہر ہے۔ سچ ہے کہ جب طاہر اور مطہر انسان کا ہاتھ سرور عالمؐ کا دست اقدس ہو جو پروردگار کے نزدیک ید اللہ کا مرتبہ رکھتا ہو اس کی فطری اور خلقی طہارت کا مقتضی یہی ہے کہ وہ اسی مرتبہ کا پاکباز ہو اس بعیت کے بعد تو عثمانؓ کا اس احتیاط کو مد نظر رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے قبل سے ان کا اپنے ہاتھ کی اسقدر نگہداشت کرنا حضور کا ایسا تقدس و عرفان ہے جس کی مثال مشکل سے کسی شخص کے حالات میں ملسکیگی۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبوی صلعم کی روایت میں بھی حضرت عثمان کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ عثمان غنیؓ نے تقریباً دو سو حدیثیں رسول کریمؐ سے روایت کی ہیں۔ اور حسن خوبی کیساتھ احادیث نبویؐ کو سامعین تک پہونچایا اس کے بابت معتبر اقوال احادیث و رجال میں منقول ہیں۔ طبقات ابن سعد میں عبد الرحمٰن ابن حاطب سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے سنا کہ حاطب فرمایا کرتے تھے کہ ما رائیت احداً من اصحاب رسول اللہ کان اذا حدث اتم حدیثا ولا احسن من عثمان بن عفان (طبقات ابن سعد)

جن صحابہ اور تابعین نے حضرت عثمانؓ سے حدیثیں روایت کیں ان کے اسماء حسب ذیل ہیں

ابان بن عثمان۔ سعید بن عثمان۔ عمرو بن عثمان۔ حمران ہانی البربری۔ ابو صالح۔ ابو سہلہ یوسف۔ مروان بن الحکم۔ عبد اللہ بن مسعود۔ زید ابن ثابت۔ عمران بن حصین۔ ابو قتادہ ابوہریرہ۔ انس ابن مالک۔ سائب بن یزید۔ ابو امامہ۔ ابو امامہ بن سہل۔ طارق بن شہاب۔ عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن زبیر۔ عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ عبد اللہ بن عدی۔ عبد الرحمٰن بن حارث۔ ابو عبید۔ احنف بن قیس۔ سعید ابن المسیب ابو ساسان حصین ابن المنذر۔ سعید ابن العاص۔ شقیق بن سلمہ۔ ابو عبد الرحمٰن علقمہ بن قیس عبد اللہ بن شقیق۔ عمرو بن سعید۔ مالک بن ادیس۔ مالک بن ابی عامر۔ محمد بن علی۔ محمود بن لبید الانصاری۔ ابو سلمۃ بن عبد الرحمن بن عوف و اخرون (تہذیب التہذیب)

(۳) امیر المومنین عمر فاروق کی شہادت کے بعد عثمان ذی النورینؓ خلیفہ رسول مقرر ہوئے

عمر فاروقؓ نے جن لوگوں پر خلافت کو محول کیا تھا۔ ان میں عثمانؓ بھی شامل ہیں۔ قرعۂ انتخاب انہیں کے نام پڑا۔ اور تمام اکابر مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عثمان غنیؓ کے خلافت کی خبر تمام ممالک اسلام میں شایع ہوئی۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اہل کوفہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ ہم اصحاب رسولؐ نے پسماندگان میں بہترین شخص کو اپنا حکمران اور رسول کریمؐ کا جانشین تسلیم کیا ہم نے سب نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تم بھی میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرو (استیعاب ابن الاثیر)

حضرت عثمانؓ نے گیارہ روز کم بارہ برس خلافت کی اون کی حکومت کا اول نصف حصہ اچھا سمجھا جاتا ہے اور اخیر نصف کے بابتہ عام طور پر مشہور ہے کہ خراب رہا ۳۴ھ ہجری ان کی خلافت کا وہ پر آشوب سال سمجھا جاتا ہے جن واقعات کا نتیجہ ۳۵ھ ہجری میں خود خلیفہ کی شہادت تسلیم ہوا ۳۴ و ۳۵ھ ہجری کے واقعات کچھ اس پیرایہ میں رونما ہوئے کہ عوام کے نزدیک ساری خرابیوں اور فتنہ انگیزی کی بنا خلیفہ وقت کی کمزوری اور غلط حکمت عملی قرار پائی اور یہی لغو اور مہمل خیال آجتک لوگوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہے فتنہ انگیزی کے اسباب جو مورخین نے لکھے ہیں وہ صرف یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے اقربا اور اعزہ کو حکومت کے بڑے بڑے عہدے عنایت کئے اور بیت المال کا کچھ روپیہ اپنے قرابتداروں میں تقسیم کیا ان اصل اعتراضات کے دو ضمیمے اور مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بہترین لوگوں کے ہوتے ہوئے کم مرتبہ اشخاص کو عمال مقرر کیا۔ اور صحابہ رسولؐ نے ان کو اس غلطی پر متنبہ کیا۔ معزز صحابۂ رسولؐ کے ساتھ سختی سے پیش آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر اور عمار جیسے جلیل القدر صحابی ان سے ناخوش ہوگئے اور ان بزرگوں کی ناخوشی اور عمال عثمان کی نااہلی نے دنیائے اسلام میں فساد برپا کیا۔ مروان کو اپنا دست راست اور کاتب و وزیر بنایا اور اس کی انتہائی خطا پر بھی اسے سزا نہ دی جس کی وجہ سے ساری خرابیاں رونما ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ عثمانؓ نے شیخین کی اتباع سنت کا اگرچہ اقرار کرلیا تھا لیکن اوسپر کاربند نہ رہ سکے شیخین نے اپنے قبیلے کے کسی فرد کو حاکم و عامل نہیں مقرر کیا بخلاف اسکے عثمانؓ نے اکثر امویین کو حکومت پر فائز کیا۔

لیکن فی نفسہ نہ تو ان اعتراضات میں کوئی اہمیت ہے اور نہ ان کے ثابت ہو جانے پر خلیفہ وقت پر کسی طرح کی کمزوری یا غلطی کا الزام عاید ہو سکتا ہے۔ ہم ان تمام اعتراضات کو فرداً فرداً لغو اور مہمل ثابت کرتے ہیں اور اسی کی ضمن میں یہ بھی بتلاتے ہیں کہ فتنہ انگیزی کا اصل راز کیا ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اگرچہ ان تمام اعتراضات کا مختلف کتابوں سے اقتباس کرنا اور ان کی روایتوں کو رجال اور نیز درایت سے جانچنا اور ان پر صحیح انتقاد کرنا تو اسباب کا مقتضی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی ایک مکمل سوانحعمری تیار کی جائے لیکن اسوقت نہ اوس کا موقع ہے اور نہ اوس کا کافی سامان موجود ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ چلکر خدا اسباب کی توفیق عطا کرے اور موافق سامان و اسباب پیدا ہو جائیں۔

(۱) یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ اور قرابت داروں کو حکومت میں بڑے بڑے عہدے عنایت کئے۔ قبل اسکے کہ ہم اس اعتراض کو غلط ثابت کریں۔ ہم حضرت عثمان غنیؓ کے تمام عمال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ میں حضرت عثمانؓ کے حالات کے ضمن میں کہتے ہیں کہ عثمانؓ کے آخر عہد میں چار رکن عثمانؓ کے اعزہ میں بر سر اقتدار تھے۔ یعنے شام پر معاویہ ابن سفیان۔ بصرہ پر سعید ابن العاص۔ مصر پر عبد اللہ ابن سعد اور خراسان پر عبد اللہ بن عامر اس تحریر کے مطابق جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ الزام بالکل لغو اور مہمل ہے اس لئے کہ ان چار امیروں میں معاویہ بن ابی سفیان اور سعید ابن العاص تو عمال عمرؓ میں داخل ہیں جو عثمانؓ کے وقت میں بھی اپنی اپنی خدمتوں پر بحال رہے صرف عبد اللہ ابن عامر اور عبد اللہ بن سعد دور عثمانی کی یادگار ہیں اور اگر یہی دونو عامل سارے فساد اور کل فتنہ انگیزیوں کا باعث سمجھے جاتے ہیں تو واقعہ یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی خالص اموی نہیں ہے۔ ایک صاحب یعنے ابن سعد عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی ہیں۔ اور دوسرے عامل یعنے عبد اللہ ابن عامر عثمانؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی کے فرزند ہیں ابن عامر کو ماں کی طرف سے جو قرابت عثمانؓ سے تھی وہی تعلق رسولؐ اور اور علیؓ کے ساتھ بھی ہے۔ عامر عبد المطلب بن ہاشم کے نواسے ہیں۔ اور عبد الشمس بن عبد مناف کے پوتے ہیں۔ یعنے عامر عثمانؓ کے حقیقی ماموں کے فرزند اور رسول خداؐ اور علی مرتضیٰؓ کی

حقیقی پھوپی کے بیٹے ہیں۔ باپ کی طرف سے ابن عامر کو ہم مجازاً اموی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقۃً کیونکہ ان کے اسلاف امیہ بن عبدالشمس کی اولاد میں نہیں ہیں بلکہ امیہ کے بڑے بھائی کی نسل سے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر اموی تو ضرور عبشمی ہے۔ لیکن ہر عبشمی اموی نہیں ہے۔ عبداللہ ابن سعد کو خاندان بنی امیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بزرگ قبیلہ بنی عامر کے ایک رکن ہیں اور بنی عامر کا قبیلہ قریش ظواہر میں داخل ہے نہ کہ قریش بطحی میں عسقلانی کا اصابہ۔ جزری کا اسد الغابہ اور ابن عبدالبر کا استیعاب رجال کی معتبر کتابیں موجود ہیں جن میں ابن عامر اور ابن سعد کا نسب اور ان کے حالات تفصیل سے مرقوم ہیں۔ ان کتابوں کے دیکھنے سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ دور عثمانی کے پرآشوب زمانہ میں خود عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال میں کوئی بھی خالص اموی النسل نہ تھا بلکہ عبداللہ بن سعد ابی سرح بھی عمال فاروقی میں داخل ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد معدلت میں عمرو بن العاص فاتح مصر ملک کے گوالی تھے ان کی ماتحتی میں بالائے حصہ مصر پر جس کو سعید کہتے ہیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حاکم تھے۔ اور نشیبی حصہ مصر پر ایک دوسرا شخص حکمران تھا۔ معترضین کو ان کے بابت صرف یہ اعتراض تھا کہ جس شخص کا خون سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح کردیا تھا۔ اوس کو مسلمانوں پر حکمران مقرر کرنا نازیبا ہے ورنہ انکی سیاست اور ان کا تدبر موافق اور مخالف ہر شخص کے نزدیک مسلّمہ ہے ظاہر ہے کہ جس شخص نے افریقہ جیسے ملک کو اس خوبی اور تدبر کے ساتھ فتح کیا ہو کہ جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں موجود نہیں ہے اس پر کون نااہلی کا الزام قایم کرسکتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ یہ اون لوگوں میں داخل ہیں جن کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا تھا تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے گذشتہ خطاؤں سے توبہ کرکے اعمال صالحہ کی برکت سے اپنے کو ایک سچا اور پکا دیندار بنا لیا ہو اس کا تقویٰ محض اس وجہ سے کہ کسی زمانہ میں یہ شخص فاسق تھا۔ ہرگز ہرگز قابل نظر اندازی نہیں ہے۔ ''آدمی را بچشم حال نگر'' ان بزرگ نے رسولؐ کے دست مبارک پر دوبارہ توبہ کرنے کے بعد جس سلامت روی کے ساتھ زندگی بسر کی اور جس زہد و تقویٰ پر اخیر عمر تک قایم رہے

اور جس طرح وفات پائی اوس کا مفصل حال اسد الغابہ۔ اصابہ اور استیعاب میں مفصل مرقوم ہے
ابن عامر کی سخاوت شجاعت اور وجاہت سارے قبائل عرب میں مشہور رہے اسد الغابہ
اور استیعاب وغیرہ کتب رجال میں مرقوم ہے کہ بنی عبد شمس میں انہی کو یہ شرف
حاصل تھا کہ ہم شکل پیغمبر تھے۔ علامہ جزری کہتے ہیں کہ ابن عامر جب پیدا ہوئے تو نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے گئے۔ سرور عالم نے ان کو اپنے آغوش رحمت میں
لیا پیار کیا۔ اور اپنی زبان مبارک ان کو چوسائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ یہ ضرور
ہے کہ عثمان غنی کے عہد میں عمال میں تغیر و تبدل ہوتا رہا لیکن یہ انتظام اور تبادلہ قطعاً سیاست کے
منافی نہیں ہے۔ خلیفہ وقت نے جس شخص کو جہاں اور جب مناسب سمجھا عامل اور حکمران مقرر
کیا۔ امیر المومنین کے ان دو نو عمال پر بھی بہت سے بیجا الزامات عاید کئے جاتے ہیں لیکن
ان کے کارنامے سارے شبہات کو دور کر دیتے ہیں اور ہر شخص کا اپنے فرائض منصبی کو
پورے طور پر ادا کرنا اس کی قابلیت اور دیانت کا سب سے بڑا ثبوت ہے ابن سعد اور
ابن عامر دونوں صاحبوں نے جس قابلیت اور دیانت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا
اوس نے موافق اور مخالف سبھوں کو بتا دیا کہ عثمان غنیؓ کے یہ دونوں عامل سیاست
و تدبر اور دانائی میں فاروق اعظمؓ کے کسی عامل سے کم مرتبہ نہیں ہیں۔ ابن سعد کے ہاتھوں
افریقہ کا سا ملک فتح ہوا۔ ابن عامر نے خراسان جیسے ملک کو فتح کر کے مسلمان کی شوکت و
عظمت کو دو چند بلند و بالا کیا۔

(۲) یہ کہ عثمانؓ نے بیت المال کا کچھ روپیہ اپنے قرابتداروں میں تقسیم کیا۔ یہ اعتراض
بھی بے معنی اور مہمل ہے کہ عثمان غنیؓ نے اپنا حق بیت المال سے لیا اور بجائے اس کے کہ اس کو
خود اپنے گھر میں رکھتے صلہ رحم کے لحاظ سے اپنے اعزہ میں تقسیم کر دیا۔ سچ ہے کہ شیخین نے
ایسا نہیں کیا۔ لیکن اگر کسی جائز شئے کو ابو بکرؓ اور عمرؓ نے نہیں کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ ان کا وہ جانشین اس جائز امر سے فائدہ نہ اٹھائے عثمان غنیؓ نے تو اپنا حق بیت المال
سے لیکر اپنے اعزہ میں تقسیم کیا۔ لیکن ان کے پیشتر دو حاکم وقت نے نیک نیتی اور مصلحت کے
لحاظ سے خالص بیت المال کے روپیہ سے اس طرح کی رعایتیں مدنظر رکھیں شیخین کا عہد تو

در کنار خود عہد رسالت میں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔ خلافت اولی میں بھی ایک مسلمان کے عوض بیت المال کو مقتول کا خون بہا ادا کرنا پڑا اور خلیفہ رسولؐ نے نیک نیتی اور مصلحت وقت کا لحاظ کرکے اس امر کو جائز رکھا کہ ضرورت کے وقت اگر بیت المال پر اس قسم کا بار پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ خود بدولت جناب سرور کائناتؐ اور نیز صدیق اکبرؓ نے جن لوگوں کے ساتھ اس قسم کی رعایتیں کیں وہ علاوہ مسلمان ہونے کے رسولؐ اور ابو بکرؓ کے قرابتدار بھی تھے۔ اس مبحث پر زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے صرف اسیقدر عرض کرنا کافی ہے کہ حاکم اور امیر مصلحت ملکی یا اور کسی وجہ سے جو نیک نیتی پر مبنی ہو ہر وقت اس قسم کی رعایتیں کرنے کے مجاز و مختار ہیں۔

(۳) عثمانؓ نے عالی مرتبہ لوگوں کے ہوتے ہوئے کم پایہ اشخاص کو عامل اور حاکم مقرر کیا۔ یہ اعتراض بھی پہلے دو اعتراضوں کی طرح بے معنی ہیں۔ عمال شیخین کے نام تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ابو بکرؓ و عمرؓ نے بھی جن لوگوں کو عامل مقرر کیا ان سے بھی بہتر لوگ صحابۂ رسولؐ میں موجود تھے لیکن حاکم وقت نے مصلحت ملکی کا لحاظ کرکے جس فرد کو جہاں کے لئے مناسب سمجھا وہاں اسکو مقرر فرمایا جس شخص نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اُسے بخوبی معلوم ہے کہ شیخینؓ کے عمال بھی سابقین و مہاجرین و انصار پر حکمراں تھے خلیفہ اول کے عہد میں خالد ابن ابو لید سارے صحابہ کے افسر لشکر تھے اور ظاہر ہے کہ خالد نہ اصحاب بدر میں شامل ہیں اور نہ احد و اہل بیعت الرضوان میں آپ کا شمار ہے اسی طرح فاروق اعظم کے بعض عمال بھی جن میں امیر معاویہ عمرو ابن العاص۔ یزید بن ابو سفیان۔ سعید ابن العاص وغیرہ داخل ہیں سابقین مہاجرین و انصار میں شامل نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عثمانؓ کے عاملوں میں ابو ذرؓ و عمارؓ وغیرہ حضرات کا سا زہد و تقوی نہ تھا لیکن سارق و زانی۔ بد دیانت۔ دغا باز اور مکار بھی نہ تھے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے امیر کے حکم کے مطیع اور غیر مسلموں کے سرکوب تھے۔ ان کی سیاست اور قابلیت ان کی فتوحات سے ظاہر ہے فاروق اعظمؓ کی فتوحات دنیائے اسلام میں مشہور ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو عثمان ذی النورینؓ کا زمانہ بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور ملکی فتوحات کی کثرت

کے اعتبار سے دور فاروقی سے کچھ کم مبارک نہیں ہے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جو
ثروت مسلمانوں کو حاصل ہوئی اوس کی مثال مشکل سے کسی اور زمانہ میں مل سکتی ہے اکثر
ایسا ہوا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں ہر مسلمان کو لاکھوں درہم و دینار ملے ہیں۔ ولید
ہوں یا ابن عامر۔ ابن سعد ہوں یا ابن ابی سفیان۔ حضرت عثمانؓ نے ان صاحبوں کو
خانہ کعبہ کا متولی۔ آستانہ رسولؐ کا جاروب کش اصحاب صفہ کا نگراں کار یا حجاج کا ساقی نہیں
مقرر کیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ صوبوں کے عامل اور فوجی حاکم تھے اگر خالص دینی خدمت پر
ان کا تقرر ہوتا۔ اور مسجد کے امام یا اوقاف کے متولی مقرر کئے جاتے تو البتہ یہ کہنا صحیح
ہوتا کہ ان کے عمال میں عمارؓ و مقدادؓ کا سا زہد و تقویٰ نہیں ہے اور اس لئے ان کا تقرر
موزون و مناسب نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس خدمت پر یہ مامور کئے گئے اس کو انہوں نے
خوبی اور دیانت کے ساتھ انجام دیا یا نہیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آخری دور سنہ
اکتیس ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رحلت فرمائے
ہوئے بیس سال گذر چکے تھے جدید ممالک کی فتوحات سے مسلمانوں کی تعداد میں بے حساب
اضافہ ہو چکا تھا۔ مصر و شام کوفہ اور بصرہ کے مسلمان رسولؐ کی صحبت سے مستفید نہیں ہوئے تھے
جدید ممالک جن حکومتوں کے زیر اثر تھے وہاں کے حکام اور امراء دنیاوی جاہ و جلال
کے شیدائی اور ظاہری عظمت و شان کے دلدادہ تھے ان ممالک کے عاملوں کو بوریا نشین
اور محض متوکل علی اللہ ہونا زیادہ مناسب اور موزوں نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فاروق
اعظم نے بھی اپنے بعض عمال کے ظاہری جاہ و جلال پر ان سے زیادہ باز پرس نہیں کی
عثمان ذی النورین کے عہد میں اسلامی عاملوں کو ان جدید ممالک میں اپنی عظمت برقرار
رکھنے کے لئے جاہ و حشمت کے سامان مہیا کرنے پڑے خلیفہ وقت نے ان سے باز پرس
کی اور عمال نے مناسب الفاظ میں امیر المومنین کو مطمئن کر دیا خلیفہ رسولؐ ان کے معروضات
سنکر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن صحابہ نے اپنی ریاضت اور عبادت کی وجہ سے اپنے
کو بالکل دنیا سے کنارہ کش کر لیا ہے وہ دنیاوی مصلحتوں پر توجہ نہیں فرماتے اور عمال
کو اپنا سا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان صحابہ کو اس کوشش میں ناکامی ہوتی ہے اور یہ حضرات

عمال اور کارکنان خلافت پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کے اعتراض سے وہ مسلمان جو خلیفہ وقت کی وقعت اور ذاتی عظمت اور بزرگی سے واقف نہیں ہیں۔ امیرالمومنین سے برگشتہ ہوجاتے ہیں اور دنیائے اسلام میں فساد برپا ہوجاتا ہے فتنہ و فساد کے اسباب کا یہ خلاصہ ہے جسے محض اجمالی طور پر میں نے بیان کیا ورنہ اس بحث پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے ابن سبا کے واقعات تاریخ میں مفصل موجود ہیں۔ اس یہودی نے اسلام کی تباہی پر کمر باندھی اور بڑے غور و فکر کے بعد وہ اس تہ کو پہونچا کہ اسلامی سیلاب فتوحات کو روکنے کی اس سے بڑھکر اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ خود مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جس سے کارخانہ خلافت درہم و برہم ہو کر مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوجائے یہ منافق اس راز کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھا کہ امیرالمومنین عثمانؓ کی ذات ایک حصن حصین ہے جس کی وجہ سے اسلام میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہوسکتا ان کا قدم درمیان سے اٹھ جائے تو اختلاف اور عناد کا دروازہ مسلمانوں پر کھل جائے گا۔ اور بالآخر اس کی ریشہ دوانی کارگر ہوئی اور شہادت عثمانؓ کے ساتھ اسلام کا شیرازۂ اتحاد بکھر گیا۔

(۴) عثمانؓ نے ابو ذرؓ عمارؓ اور ابن مسعودؓ جیسے صحابہ رسول کیساتھ سخت کلامی کی اور ان میں سے ایک صاحب کو حکومت سے معزول اور دوسرے کو مدینہ سے خارج البلد کر دیا بظاہر تو اس اعتراض سے جس قدر ان صحابہ کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہے اسیقدر حضرت عثمانؓ کی طرف سے انسان بدگمان ہوتا ہے۔ لیکن غور و فکر کے بعد ہر شخص کو اسبات کا کامل یقین ہوتا ہے کہ امیرالمومنین نے جو کچھ کیا وہ عین دانائی اور تدبر پر مبنی تھا۔ ابن مسعود کے بابتہ تو صحیح روایت یہ ہے کہ اگرچہ عثمانؓ نے ان کو خدمت سے معزول کرکے مدینہ واپس بلا لیا۔ لیکن ابن مسعود نے نہ کبھی خلیفہ کی شکایت کی اور نہ انکو کبھی نشانہ ملامت بنایا۔ ابن عبدالبر استیعاب میں اور ابن سعد طبقات الکبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ ابن مسعود کو طلب کیا مسلمانوں نے ابن مسعود سے کہا کہ تم نہ جاؤ اور خلیفہ کی طرف سے مطمئن رہو تم کو کوئی نقصان نہ پہونچیگا۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ امیرالمومنین کے احکام کی تعمیل کرنا ہمارا فرض ہے یہ کہا اور مدینہ طیبہ میں حاضر ہوگئے

ابن مسعود فرماتے تھے کہ لوگ عثمانؓ کو برا کہتے ہیں۔ لیکن میں ان کو نشانۂ ملامت نہیں بناتا خدا کی قسم اگر یہ لوگ عثمانؓ کو قتل کریں گے۔ تو مسلمانوں کو عثمانؓ کے بعد ان کا سا آدمی خلافت کیلئے میسر نہ آنے کا۔ ابن مسعود مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور امیرالمومنین ان کی عیادت کو گئے دونوں صاحب گلے ملے اور ایک نے دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

ابوذرؓ اور عمارؓ کے بابت ہم کو معتبر تاریخوں اور روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں صاحبوں پر اور بالخصوص حضرت ابی ذر الغفاری پر انتہائی خلوت نشینی اور زہد و ورع کی وجہ سے جذبی حالات طاری ہوگئے تھے اور اللہ و رسولؐ کی محبت نے ان کو عالم اسباب اور اس کے ماحول سے ایسا بے نیاز کر دیا تھا کہ یہ حضرات اپنی تقریروں اور فتووں میں دنیاوی مصلحتوں پر بہت کم توجہ فرماتے تھے امیرالمومنین نے ان کے حالات پر نظر کر کے ان کو فتویٰ دینے سے روکا۔ لیکن یہ صاحب کچھ ایسے مغلوب الحال ہو چکے تھے کہ خلیفہ کی ممانعت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا حضرت عثمانؓ نے بارہا ان کو روکا لیکن ان صاحبوں نے خلیفۂ وقت کی ممانعت پر توجہ نہ کی بلکہ خود امیرالمومنین سے سخت کلامی اور اپنے خیال کے مطابق ان پر اعتراضات کئے امیرالمومنین نے دنیاوی مصلحتوں کے لحاظ سے ان میں سے ایک صاحب کو خود ان کی خواہش کے مطابق مدینہ سے علیحدہ کر دیا اور دوسرے صاحب یعنے عمار کو اور زیادہ سختی کے ساتھ ممانعت کی۔ ابوذر الغفاری جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو امیرالمومنین نے ان کے زاد سفر اور سواری کا انتظام فرما دیا اور اون کا معقول وظیفہ مقرر فرمایا۔ ابوذر نے ربذہ میں قیام کیا اور تھوڑے دنوں میں رحلت فرمائی۔ امیرالمومنین نے ابوذر کی وفات کی خبر سنی اور اون کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت ابوذر کی صاحبزادی۔ یا تو خود امیرالمومنین کے حکم اور انہی کے زیر انتظام اور یا حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ہمراہ مدینہ حاضر ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ نے بنت ابی ذر کو اپنے عیال میں داخل فرمایا ان کے کفیل اور مربی رہے (استیعاب۔ ابن الاثیر) فاروق اعظم نے ابوہریرہؓ اور ابوالدرداء جیسے جلیل القدر صحابۂ رسولؐ کو روایت حدیث سے روکا تھا بلکہ ایک بار ابوہریرہ سے سخت باز پرس کی اور ان کو عدو اللہ اور عدو الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا

فاروق اعظم کے اس سلوک سے ابو ہریرہ وغیرہ بھی ان سے ناراض رہے ابو ہریرہ سے جب کبھی کوئی عمر فاروق کا ذکر کرتا تو وہ یہ کہکر خاموش ہو جاتے۔ اللھم اغفر لامیر المومنین ابو ہریرہ۔ ابو سعید۔ ابو ذر۔ اور عمار کے جلیل القدر ہوتے ہیں شبہ نہیں لیکن فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین ان صاحبوں سے بہ مراتب افضل و اعلے ہیں۔ جس طرح ابو ہریرہ وغیرہ اصحاب رسولؐ کی ناراضی سے فاروق اعظم کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ابوذر اور عمار کے کبیدہ ہونے سے عثمان ذی النورین کی منقصت بھی لازم نہیں آتی

(۴) یہ اعتراض کہ عثمان نے شیخین کی حکمت عملی کے خلاف بنی امیہ کو برسر اقتدار کیا حالانکہ ابوبکر و عمر نے کسی تیمی اور عدوی کو حاکم و عامل مقرر نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس اعتراض کو بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ابوبکر تیمی تھے اور عمر عدوی تھے لیکن عثمان اموی تھے بنی تیم اور بنی عدی دونوں قبیلے اگرچہ شرافت اور طہارت نسب کے اعتبار سے بنی امیہ اور بنی ہاشم سے کم مرتبہ نہیں تھے لیکن حکومت اور سیادت ہمیشہ آل عبد مناف کے پاس رہی اور آل عبد مناف میں بنی امیہ رؤسائے قریش اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا رہے ہیں جس طرح ابوبکر اور عمر کی انتہائی دانائی تھی کہ انہوں نے تیمی اور عدوی کو عامل نہیں مقرر کیا اسطرح عثمان اور نیز علی کی انتہائی فراست تھی جو انہوں نے آل عبد مناف کو اپنے اپنے دور خلافت میں حاکم و عامل بنایا جاہلیت میں ابوسفیان سردار قریش اور رئیس مکہ تھے اسلام میں ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور یہ خود بھی مشرف بہ اسلام ہوئے ابوسفیان اور نیز دیگر اموی ہر زمانہ میں اپنے کو مستحق سیادت اور امارت کا اہل سمجھتے رہے۔ سرور کائنات اور شیخین کے زمانوں میں بھی اس خاندان کے افراد معزز اور برسر اقتدار رہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عتاب خالد ابان۔ عمرو و ابوسفیان پانچ اراکین قبیلہ بنی امیہ کے عہد رسالت میں عامل اور حاکم تھے۔ فتح مکہ کے بعد عتاب یہاں کے حاکم مقرر ہوئے عتاب جس وقت حاکم مقرر کئے گئے ان کا سن بیس سال سے کچھ زاید تھا ابوسفیان صدقات کے عامل تھے اور خالد یمن کے ابان بحرین کے اور عمرو خیبر کے حاکم تھے۔ خالد و ابان و عمرو تینوں بھائی عہد رسالت میں

معزز عامل کی حیثیت سے اپنے اپنے صوبوں پر برسر اقتدار رہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تینوں بھائی مدینہ طیبہ واپس آئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان صاحبوں سے فرمایا کہ تم لوگ کیوں واپس آئے تم تو رسول کے عامل ہو بھلا ہمارے عمال رسول سے بہتر ہم کو کون حاکم مل سکتا ہے۔ تم تینوں بھائی اپنے اپنے مستقر کو واپس جاؤ میں تم کو تمہاری خدمتوں پر بحال رکھتا ہوں۔ لیکن ان صاحبوں نے عرض کیا کہ ہم بنو ابی احیحہ اور عبد الشمس بن عبد مناف کے فرزند ہیں ہم رسول کے عامل رہنے کے بعد کسی اور شخص کی ماتحتی میں حاکم رہنا پسند نہیں کرتے یہ کہا اور شام کو چلا گئے اور وہیں تینوں بھائی جہاد میں شہید ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ کے علاوہ جو گھر کہ دار امن قرار دیا گیا وہ ابو سفیان کا مکان تھا۔ خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو جب شام کا عامل مقرر کیا تو پاپیادہ ان کے ساتھ مشایعت کی۔ عتبہ۔ یزید اور معاویہ ابو سفیان کے تینوں بیٹے عمر فاروق کے عامل تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بنی امیہ میں سوا عثمان ذی النورین کے بنی ہاشم کا سا تقویٰ او ورع نہ تھا لیکن سیاست تدبر اور انتظام مملکت میں یہ لوگ ہمیشہ دیگر قبائل قریش سے بہتر سمجھے گئے۔ فارقی عہد سلطنت خلافت راشدہ کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس بابرکت عہد میں ہی جو لوگ برسر اقتدار اور بہترین عامل تسلیم کئے گئے وہ اسی خاندان کے افراد یعنے معاویہ۔ یزید اور سعید ابن العاص ہیں۔ عشرہ مبشرہ کے علاوہ کوئی تیمی رسول کے عہد میں اور کوئی عدوی رسول اور ابوبکر کے زمانہ میں ممتاز اور برسر اقتدار نظر نہیں آتا بہ خلاف امویین کے جو عثمانؓ سے پیشتر بھی ہر زمانہ میں معزز عہدوں پر فائز اور سارے قبائل قریش میں ممتاز و سرفراز رہے اگر ابوبکر نے بنی تیم کو جو ان سے پیشتر رسول کے عہد میں اور عمر نے بنی عدی کو جو ان سے قبل رسول اور ابوبکر کے زمانوں میں بھی برسر اقتدار نہ تھے اپنی حکومت میں بھی شریک کار نہیں بنایا تو ان کے اس طرز عمل سے نہ تو ان اعزہ کو ان سے شکایت کا موقع مل سکتا تھا اور نہ خود ان کو کسی قسم کی دقت کے پیش آنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ بہ خلاف عثمان کے کہ اگر یہ امویین کو جو ان کے قبل ہی سے

عامل اور حاکم ہوتے چلے آئے تھے اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی برسر اقتدار نہ رکھتے تو اگر
تو ان کے بھائی ان کو قاطع رحم کے لقب سے یاد کرتے اور دوسری طرف وہ حکومت
بعض قابل ترین کارکنوں کی امداد سے محروم ہوجاتی۔ آل عبد مناف کی موجودگی
میں شیخین کا حاکم اور برسر اقتدار ہونا بنی تیم اور بنی عدی کے لئے کچھ کم باعث تقویت نہ تھا
جو وہ اور کسی فرد کی حکومت یا امارت کی تمنا کرتے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض کرتا
ہوں جس سے میرے قول کا پورا ثبوت ملجاتا ہے۔ رسولؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی
اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر کئے گئے۔ کسی بہی خواہ نے ان کے باپ ابو قحافہ کو صدیق اکبر
کی خلافت کی مبارک دی۔ حضرت ابو قحافہ مبارکباد دینے والے کو کاذب سمجھے اور فرمانے
لگے کہ تم جھوٹ بولتے اور مجھ سے مزاح کرتے ہو۔ یہ امر ممکن ہی نہیں کہ آل عبد مناف
سوا اپنے کسی دوسرے قریشی کے سامنے سر جھکائیں مبارکباد دینے والے نے شدید قسمیں
کھائیں جب جاکر ان کو یقین آیا کہ ابوبکر صدیق مسلمانوں کے سردار تسلیم کرلئے گئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد تیرہ برس کا زمانہ ایسا ملتا ہے جب کہ عرب
وحجاز پر تیمی اور عدوی حکمرانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ قلیل مدت ہی آل عبد مناف
پر گراں گذرتی مگر شیخین کا اقتدار ان کا تقدس ان کا تقویٰ و ورع ان کی دھاک اور
شخصیت ان کا اسلامی اور ایمانی امتیاز ان کی صداقت اور راستی ان کا عدل و انصاف
ایسا زبردست اور قوی تھا کہ آل عبد مناف میں کسی فرد کو بھی چون و چرا کی گنجائش
نہ ہوئی لیکن جہاں ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے حالات اور اپنی شخصیت سے بخوبی واقف تھے وہاں
یہ بھی جانتے تھے کہ ہر تیمی صدیق اکبر اور ہر عدوی فاروق اعظم نہیں ہے۔ جو سادات
قریش کو اپنی شخصیت سے قابو میں رکھ سکے۔ لیکن عثمان یہ جانتے تھے کہ ہر اموی
سید قریش اور رئیس بطحیٰ ہے اور اس قبیلہ کے ہر فرد میں حکومت اور سیادت کرنے کے
جوہر موجود ہیں۔ فرماں روائے وقت کی انتہائی دانائی اور فراست یہ ہے کہ
وہ قوم کے بہترین ہاتھوں کو اپنا شریک کار بنائے اور عثمان غنیؓ نے یہی سمجھ کر اموی
افراد کو اپنا دست راست اور حکومت کا کارکن بنایا لیکن افسوس کہ خلیفہ وقت کو ناہموار

اعتراضات اور نومسلم اعراب کی حرص و طمع اور بعض صحابہ کے زہد اور دنیاوی بےتعلقی نے اس بات کا پورا موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنی اس دانشمندانہ سیاست سے اسلام اور فتوحات اسلام کو پورا فائدہ پہونچاتے۔ رہی یہ بات کہ امیرالمومنین کا یہ خیال غلط اور ان کی پالیسی تباہ کن یا یہ کہ ان کی رائے بالکل صحیح اور ان کی سیاست باعث ترقی و فلاح تھی اور بنی امیہ حاکم ہونے کی قابلیت رکھتے تھے یا یہ کہ محکوم رہکر اپنی زندگی بسر کرنے کے لائق تھے اس کا فیصلہ تاریخ کے صفحات کر سکتے ہیں۔ امیر معاویہ کی سطوت و سیاست ان کا تدبر و جاہ و جلال ان کے فتوحات کی کثرت۔ ولید و ہشام کے کارنامے اور زوال سلطنت عرب کے بعد عبدالرحمن الداخل کا اندلس پہونچنا اور وہاں کی خود مختار سلطنت کا سنگ بنیاد رکھنا اموی حکمرانوں کی شوکت و عظمت اور ان کے عہد کی علمی ترقیاں یہ ایسے اقعات ہیں جن کا زبان سے اعتراف نہ کرنا ممکن لیکن ان کو تاریخ کے صفحوں سے مٹانا محال ہے

امیرالمومنین عثمان کی فتوحات دو قسم کی ہیں ایک قسم یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی شہادت کے بعد بعض بعض شہروں میں بغاوت پھوٹ نکلی ذوالنورین نے ان بغاوت کو فرو کرنے اور ان ممالک کو دوبارہ فتوحات اسلامیہ میں داخل کرنے کی کوشش فرمائی اور اس میں انتہائے سیاست و تدبیر سے کام لیکر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اس قسم کے ممالک کے نام حسب ذیل ہیں۔

ہمدان۔ مرے۔ اسکندریہ۔ آذربائیجان اسی کے ساتھ بلاد آرمینہ وغیرہ فتح ہو کر دائرہ اسلامی میں داخل ہوئے دوسری قسم فتوحات کی وہ ہیں جو خود ان کے عہد میں حاصل ہوئیں اس سے پیشتر یہ ممالک اسلامی حلقہ مملکت میں داخل نہ تھے یہ فتوحات حسب ذیل ہیں۔

افریقہ جو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اندلس جس کو عبداللہ بن نافع القیس نے فتح کیا۔ قبرص جس کی مہم امیر معاویہ کے ہاتھوں سر ہوئی۔ فارس اور خراسان کا زور ٹوٹا۔ یزدجرد کی زندگی کا خاتمہ انہیں کے زمانہ میں ہوا۔ کابل۔ زابلستان

ہرات ۔ طالقان ۔ فاریاب ۔ اور طبرستان کے میناروں پر انہیں کے زمانہ خلافت میں اسلامی علم نصب کیا گیا (ابن خلدون ابن الاثیر ۔ مراۃ الجنان)

کتب سیر اور معتبر تاریخ کی کتابوں مثلاً ابن سعد ۔ ابن الاثیر اور ابن خلدون کی ورق گردانی سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رض کو ہو رسیاسی میں بہت اچھا ملکہ تھا حضرت عثمان نے وظائف اور نیز مایحتاج زندگی کی تقسیم کرنے کے دن مقرر کر رکھے تھے ۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کا منادی آواز دیتا اور لوگوں کو ضروری چیزوں کے لینے کی دعوت دیتا ۔ سلمان صبح کو جاتے اور جو دن جس چیز کی تقسیم کا معین ہوتا اسے لے آتے ۔ خدا کی قسم اس خیر و برکت کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایسی ثروت اور مرفہ الحالی نصیب ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی ۔ رزق کے دروازے کشادہ ہو گئے اور سارے بلاد اسلام میں امن و امان کا سکہ جاری ہو گیا ایک مسلم کو دوسرے سے سوا امداد و نصرت کے کبھی بدخواہی کی امید نہ تھی ۔ لیکن ناشکروں اور سفلہ مزاج افراد نے امیرالمومنین کی ذات اور ان کی شخصیت کی قدر نہ کی اور اپنی تلوار نیام سے نکالی جس کی سزا یہ ملی کہ وہی تلوار جو کفار کو مغلوب اور مقہور کر کے دائرہ اسلامی کو روز بہ روز بڑھا رہی تھی خود مسلمانوں کے درمیان چلنے لگی امیرالمومنین کی شہادت سے اسلام کا حصن حصین ٹوٹ گیا اور ہم پر قیامت تک کے لئے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا (استیعاب)

امیرالمومنین عثمان ذی النورین ہر ممکن طریقہ سے رعایا کی خبر گیری رکھتے اور عمال اور بلاد اسلام کے حالات ہر ممکن طریقہ سے دریافت فرماتے اور عمال سے پرسش اور رعایا کی اصلاح کرتے رہتے تھے طبقات ابن سعد میں منقول ہے کہ نماز جمعہ میں مسلمان دور دور سے آتے اور امیرالمومنین سے اپنی حاجتیں پیش کرتے ۔ جمعہ میں اسقدر حاجتمندوں کا ہجوم ہوتا کہ اکثر خطبہ کے درمیانی وقفہ میں بھی امیرالمومنین حاجتمندوں سے ان کے حالات دریافت فرماتے تھے ۔

ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے بلاد اسلام میں عام فرامین جاری کر دئیے تھے کہ جس شخص کو میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج میں

حاضر ہو کر اپنی شکایت پیش کرے۔ اسکے ساتھ عمال کو یہ حکم تھا کہ ہر ذمہ دار افسر موسم حج میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو۔ مکہ معظمہ میں عمال اور رعایا کے مقدمات پیش ہوتے تھے اور امیرالمومنین ہر شکایت کو اس خوبی سے رفع فرماتے تھے کہ عمال اور رعایا دونوں بالکل مطمئن ہو جاتے تھے۔ ہر سال معتبر صحابہ رسولؐ عمال کے حالات دریافت کرنے کے لئے بلاد اسلام میں روانہ کئے جاتے تھے محمد بن مسلمہ اور عبداللہ بن عمرو غیرہ جلیل القدر صحابہ رسولؐ کو یہ خدمت سپرد کر دی گئی تھی۔ چنانچہ زمانہ خلفشار میں بھی یہی حضرات عمال کے حالات دریافت کرنے کے لئے ممالک اسلام میں بھیجے گئے تھے۔ ان صاحبوں نے مدینہ منورہ واپس آ کر عمال کی طرف سے امیرالمومنین اور دیگر صحابہ کو مطمئن کر دیا تھا ریاض وابن خلدون میں حضرت حسنؓ کی روایت سے مرقوم ہے کہ امیرالمومنین عثمانؓ دوپہر کا کھانا کھا کر مسجد نبوی میں قیلولہ کے لئے لیٹ جاتے تھے لوگ یکے بعد دیگرے ان کے پاس آتے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اس طرح برابر سائلوں اور حاجتمندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس طرح مسجد میں لیٹے رہنے سے ان کے بازو پر سنگریزوں کے نشانات بن جاتے تھے۔

عثمان ذی النورینؓ کے مزاج میں باوجود دولت و ثروت کے بیحد سادگی تھی ابن خلدون میں شرحبیل بن حسنہ کی روایت سے مرقوم ہے کہ امیرالمومنین مہمانوں اور سائلوں کو نفیس کھانے کھلایا کرتے تھے اور خود شہد اور زیتون کا تیل کھایا کرتے تھے کبھی کبھی محض بھنے گوشت اور سرکہ پر اکتفا فرماتے تھے عبداللہ ابن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنین کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے دیکھا۔ بخدا ان کو دیکھکر مجھے بیحد عبرت ہوئی۔ کہ جس امام عادل کے دروازے پر ہزار ہا روپیہ کی جنس اور کپڑے محتاجوں کو تقسیم ہوتے تھے خود اس کے جسم پر جو کپڑا تھا اس کی قیمت پانچ درہم سے زاید نہ تھی۔

اسی کتاب میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ عثمان غنی کی چادر ان کی خلافت کے زمانہ میں آٹھ درہم سے زاید کی نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ ان کے دروازے پر صدہا روپیہ

روز آنہ کی خیرات ہوا کرتی تھی اور ان کی جوتیاں وسط سے کٹی ہوئی باریک تسمہ دار ہوتی تھی۔

ابن خلدون اور سیوطی نے لکھا ہے کہ صدقات میں ان کا یہ عالم تھا کہ صحابہؓ میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جب سے اسلام لائے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ اگر اتفاق سے کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکتے تو دوسرے جمعہ کو دو بردہ اللہ کے نام آزاد فرمایا کرتے تھے۔

ابن خلدون اور ریاض وغیرہ معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ بہت بڑا قحط پڑا ایک روز شام کو اہل مدینہ حضرت خلیفہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ صبر کرو خدا کے ایک محبوب ترین بندے کے ہاتھوں تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔ اسی رات ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے حضرت عثمان غنی کے یہاں آئے اور باوجود اس کے کہ تجار مدینہ پندرہ گنے قیمت پر خریدنے کے لئے تیار تھے لیکن ذی النورین نے مال فروخت کرنے سے قطعی انکار کیا اور سارا غلہ صدقہ میں دیدیا اس واقعہ سے جس طرح کہ خلیفہ رسولؐ صدیق اکبر نے حضرت عثمان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔ وہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے بسند صحیح تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

امیرالمومنین کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ اپنی خلافت میں بھی حج ہر سال کرتے اور موسم حج میں سارے حجاج کو کھانا کھلاتے اور اس مد میں جو رقم صرف ہوتی اُسے خود ادا فرماتے بیت المال کو ان مصارف سے کوئی تعلق نہ تھا چنانچہ یہ واقعات ابن خلدون اور ریاض وغیرہ معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں۔

سرور عالم صلعم کے بابرکت عہد میں اپنی سیرچشمی اور دریا دلی کی وجہ سے حبیب رب العالمین کے ہاتھوں بارہا جنت خریدی اور مغفرت کا وہ مژدہ سنا جو کسی صحابی کے لئے منقول نہیں ہے۔ جن الفاظ اور جس آواز میں خود خدا نے سرور عالم کو مژدہ مغفرت سنایا انہی الفاظ میں پیغمبر خدا نے عثمان ذی النورین کو جنت اور مغفرت کی

بشارت دی۔ ابن عبدالبر استیعاب میں علامہ جزری اسد الغابہ میں باسناد صحیح روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان غنی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یا عثمان غفر اللہ لک ما قدمت وما تاخرت وما اسررت وما اعلنت وما ھو کائن الی یوم القیامہ۔

احیاے علوم دین میں جمع قرآن کا کارنامہ مشہور و معروف ہے جس طرح امیر المومنین نے ساری امت کو ایک قرآن اور ایک قرات کی تلاوت پر جمع کیا اور جس جرات اور شفقت اور جس حسن انتظام کے ساتھ اس کام کو انجام دیا اس کا حال تمام معتبر کتب احادیث و حال میں صحیح روایات سے منقول ہے حقیقت یہ ہے کہ عثمان ذی النورین نے احسان ایسا امت محمدی پر کیا ہے کہ شکریہ ادا کرنا درحقیقت خدا کی ناسپاس گذاری ہے۔ استیعاب اسد الغابہ فتح الباری اور ابن جریر طبری وغیرہ مستند کتابوں میں اس کارنامہ کے حالات اور اس کے فوائد و برکات تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں محققین صحابہ اور تابعین فرمایا کرتے تھے کہ دو خصلتیں عثمان رض میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ ابوبکر و عمر میں ان کا وجود نہیں ہے ایک راضی برضائے الہٰی ہو کر انتہا صبر و استقلال کے ساتھ خدا کی راہ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کرنا دوسرے ساری امت کو ایک قرآن کی تلاوت پر جمع کر دینا۔

جمع قرآن کے علاوہ حضرت عثمان رض خود قرآن کی قرات اور تلاوت کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ تابعین میں بہت سے حضرات عثمان ذی النورین کے شاگرد تھے جن کی قرات کا سلسلہ آج تک دنیا میں رائج ہے۔ چنانچہ اس کا تفصیلی حال ابن جریر طبری اور نیشاپوری کی معتبر تفسیروں میں ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت عثمان رض کی شہادت کا واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخوں میں مرقوم ہے۔ اسباب شہادت میں سب سے بڑا سبب مروان کا لکھا ہوا خط ہے جو محمد ابن ابی بکر کے خلاف عامل مصر کے نام خلیفہ وقت کی طرف سے لکھا گیا تھا۔

محمد ابن ابی بکر نے راستہ میں قاصد کو گرفتار کیا اور اس کی تلاشی لینے کے بعد اس سے خط کو حاصل کیا اور اسے لیکر مدینہ واپس آئے۔ صحابہ رسول نے حضرت عثمان رض سے اس خط

کی بابت دریافت کیا انہوں نے اس تحریر سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور یہ قسم بیان کیا مجھے اس خط کی کوئی اطلاع نہیں۔ صحابہ رسولؐ اور نیز دیگر بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ سے مروان کو طلب کیا تاکہ اُسے کذب آمیز تحریر لکھنے کی سزا دی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے مروان کو ان صاحبوں کے حوالہ کرنے سے انکار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلوائیوں نے ہجوم کرکے خود امیرالمومنین کو شہید کیا۔

اسبات کی تحقیق کرنا کہ در اصل مروان ہی اس خط کے کاتب تھے یا خود ملزم کے تولی بنا پر دشمنان خلافت کی کسی سازش سے یہ کارروائی کیگئی۔ بعید مشکل امر ہے۔ عثمان ذی النورین سے جب لوگوں نے مروان کو طلب کیا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ اگر میں مروان کو تم لوگوں کے سپرد کروں تو تم اسے قتل کر ڈالوگے۔ اور کسی مشتبہ شخص کو جبتک اوسپر پورا جرم ثابت نہ ہو سزا دینا شریعت کے بالکل خلاف ہے جس طرح میں اس خط کے متعلق بہ حلف اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہوں۔ اسی طرح مروان بھی شرعی قسم کھا کر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نئے قاصد کو نہ عامل مصر کے پاس بھیجا اور نہ ابن سعد کے نام کوئی نامہ لکھا۔ تم پیشتر اسے مجرم ثابت کرلو اس کے بعد مجھ سے اسے مانگو اور سزا دو کیا معلوم کہ یہ کام کسی دوسرے نے کیا ہو۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور خلیفہ کے مکان کا محاصرہ کرکے انہیں شہید کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل شر اور منافقین کو مروان کا نہ قتل مقصود تھا اور نہ اُسے تباہ کرنے کے لئے وہ مدینہ میں آئے تھے ان کا مقصود تو اسلام کے حصن حصین کو توڑنا اور اس میں فتنہ و فساد کو ہمیشہ کے لئے داخل کرنا تھا۔ جس کا بدیہی اور بین ثبوت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مروان بھی اس مکان میں موجود ہیں۔ لیکن ان سے کوئی باز پرس نہیں کرتا محمدؐ بن ابی بکر کے ساتھ ان کے دو ساتھی مکان میں داخل ہوتے ہیں لیکن مروان کی نہ کوئی تلاش و جستجو کرتا ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا تعرض کیا جاتا ہے جامع القرآنؓ کلام الہی کی تلاوت میں مشغول ہیں اور اسی حالت میں ان پر وار کیا جاتا ہے۔ بلوائیوں کے اس طرز عمل سے کہ انہوں نے مروان کو زندہ اور صحیح و سالم چھوڑا اور عثمان غنی پر تلوار و نیزے کی بوچھار کی ضرور اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ

عجب نہیں کہ یہ خط جس کی بناء پر خلیفۂ مظلوم شہید اور ان کے بعد مسلمان تباہ و برباد ہوئے کسی مدعی خلافت اور دشمن اسلام ہی کی سازش کا نتیجہ ہو۔ اگرچہ یہ مبحث دقیق ہے اور ایک مقبول عام خیال کو خواہ وہ کتنا ہی غلط اور لغو کیوں نہ ہو رد کرنا اور حقیقت واقعی کو ظاہر اور دلایل سے انکشاف کرنا دقت اور تفصیل کا محتاج ہے اور اس کا اس وقت موقعہ نہیں ہے لیکن اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ جس طرح کسی جرم کا ارتکاب کرنا مذموم ہے اسی طرح مجرم کی بیجا حمایت بھی قبیح اور ہر طرح پر ناپسندیدہ ہے اگر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتا کہ کاتب تحریر مروان ہیں اور عثمان اپنے ایک عزیز قریب کی بیجا حمایت کر رہے ہیں تو امیرالمومنین سے باغیوں کے مقابلہ میں قتال کی رائے دیتے وقت عبداللہ بن سلام عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ ابن عباس۔ ابوہریرہ۔ زید ابن ثابت وغیرہ جلیل القدر اصحاب رسول امیرالمومنین سے یہ کہتے کہ انت علی الحق وھم علی الباطل۔ اور نہ علی مرتضی

بلوائیوں کا خلیفۂ برحق پر ہجوم ہوا صحابہ رسول میں بہت سے حضرات جانبازی کے لئے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن سبھوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے مسلمان پر تلوار چلانا منظور نہیں ہے میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد بدترین زمانہ اسلام کا وہ ہوگا جب مسلمان خود ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں گے میں نہیں چاہتا کہ میرا عہد زمانہ شر سے تعبیر کیا جائے۔

مغیرہ بن شعبہ زمانہ محاصرہ میں خلیفۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیرالمومنین آپ امام المسلمین ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے اوپر کیسی مصیبت نازل ہے میں تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک پر عمل فرمائیے اول یہ کہ ان باغیوں سے جو اہل شر اور منافق ہیں قتال کیجئے۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو مدینہ کو چھوڑ دیجئے اور یا تو مکہ معظمہ میں کچھ دن قیام فرمائیے۔ اور یا شام میں معاویہ کے پاس چلے جائیے امیرالمومنین نے جواب دیا کہ تمہاری یہ رائے کہ میں ان بلوائیوں سے لڑوں یہ تو ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ کیا رسول کے بعد میں پہلا شخص ہوں جو ان کی امت پر تلوار اٹھائے اور صرف ایک جان کے بچانے کیلئے ہزارہا کلمہ گو افراد کو خاک و خون میں ملائے

حاشا وکلا، یہ تو مجھ سے کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ تمہاری دوسری رائے کہ میں مکہ معظمہ چلا جاؤں میں عمل نہیں کر سکتا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ میں پناہ گزیں ہوگا۔ اسپر نصف عذاب عالم نازل ہوگا۔ تمہاری تیسری رائے کہ میں شام میں معاویہ کے پاس چلا آؤں اسپر بھی میں عمل نہیں کر سکتا مجھے اپنے دار ہجرت اور اپنے حبیب کے آستانہ کی مجاورت چھوڑ کر سوا خدا کے اور کسی بندے کے پاس جانا منظور نہیں ہے (تاریخ الخلفاء۔ استیعاب۔ ابن خلدون۔ ابن الاثیر)

عبداللہ بن سلام امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ ابن سلام کیوں آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں۔ امیرالمومنین نے کہا کہ تم ان اشرار اور بلوائیوں کو اگر کچھ سمجھا سکتے ہو تو سمجھاؤ مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے عبداللہ ابن سلام خلیفہ کے مکان سے باہر آئے اور انہوں نے بلوائیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں رسولؐ نے میرا نام عبداللہ رکھا خدا نے میرے حق میں فرمایا کہ شھد شاھدٌ من بنی اسرائیل ومن عندہٗ علم الکتاب میں تم لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ یہ وہ سرزمین ہے جس کے جوار میں ملائکہ رہتے ہیں۔ تم لوگ خدا کے غضب سے اب تک محفوظ ہو اللہ کے قہر کی تلوار تمہارے لئے اب تک نیام میں ہے دیکھو اس شخص کو کوئی صدمہ نہ پہونچاؤ خلیفہ وقت کی ذات اسلام کے لئے حصن حصین ہے اگر ان کا قدم درمیان سے اٹھا اور تم نے ان کو قتل کیا تو واللہ تم ملائکہ کے جوار سے محروم ہو جاؤ گے۔ اور خدا کے غضب کی تلوار نیام سے نکل آئے گی اور تم قیامت تک فتنہ و فساد میں مبتلا ہوگے اگر تم نے عثمانؓ کا خون زمین پر گرایا تو تم پر آسمان سے خون برسے گا اور تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔ لیکن ابن سلام کی اس تقریر کا بھی بلوائیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور حضرت ابن سلام روتے ہوئے اپنے مکان واپس گئے (ترمذی۔ ابن الاثیر۔ ابن خلدون) بلوائیوں کا ہجوم دیکھکر خود امیرالمومنین ان کے سامنے آئے اور اشرار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایھا الناس تم جانتے ہو کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص بیر رومہ کو خرید کر اس کا پانی مسلمانوں پر وقف کر دے اسکے لئے جنت ہے میں نے اس کنوئیں کو اپنے خالص مال سے خریدا اور اسے تمہارے لئے وقف کیا۔ سارے مجمع سے آواز آئی اللھم نعم امیرالمومنین نے فرمایا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ

آج اسی کنوئیں کا پانی تم نے میرے اوپر بند کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ جو مسلمان فلاں ٹکڑا زمین کا خرید کر اسے مسجد میں شامل کر دے اس کیلئے قصر جنت ہے میں نے اس زمین کو خریدا اور اسے تمہارے لئے عام کیا سبھوں نے جواب دیا کہ اللھم نعم حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ کسقدر افسوسناک ہے کہ تم اسی مسجد میں مجھے دو رکعت نماز تک ادا نہیں کرنے دیتے۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص جیش عسرۃ کی امداد کرے اس کے لئے جنت ہے میں نے اپنے خالص مال سے مجاہدین کے لئے ساز و سامان مہیا کیا اور رسولؐ نے میرے حق میں فرمایا کہ رفیقی فی الجنۃ عثمان بلوائیوں نے جواب دیا کہ اللھم نعم امیر المومنین نے ان اشرار کو سمجھایا اور ان سے کہا کہ دیکھو مجھے بے گناہ قتل نہ کرو اگر تم نے میرا قدم درمیان سے اٹھایا تو خدا کی قسم تم پھر کبھی جمع نہ ہوگے اور اسلام میں فتنہ و فساد داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ لیکن اشرار نے بجائے اس نصیحت پر عمل کرنے کے امیر المومنین پر پتھر پھینکے۔ حضرت عثمانؓ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئے (ابن سعد۔ ابن الاثیر ابن خلدون۔ استیعاب وغیرہ)

زید ابن ثابتؓ جیسے جلیل القدر صحابی انصار کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ لیکر آستانۂ خلافت پر حاضر ہوئے اور امیر المومنین سے کہا کہ انصار دروازے پر حاضر ہیں اگر آپ حکم دیں تو ہم دوبارہ خدا کی راہ میں اپنی جانیں قربان کریں۔ امیر المومنین نے جواب دیا کہ اگر تمہارا اشارہ قتال سے ہے تو یہ مجھے منظور نہیں ہے (ابن سعد)

حضرت ابوہریرہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان اشرار کا فتنہ دفع کیجئے۔ ہمیں حکم دیجئے کہ ہم ان کو مدینہ کے باہر کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگر یہ امر بغیر قتال کے ممکن ہے تو ایسا کرو ورنہ ہرگز اس کا ارادہ نہ کرو (ابن سعد و ابن خلدون)

خلیفہ خود محصور ہیں اور حج کا زمانہ آگیا حضرت عثمانؓ۔ عبداللہ ابن عباس کو امیر الحج مقرر کر کے مکہ روانہ کرتے ہیں عبداللہ ابن عباس خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ امیر المومنین مجھے ان اشرار اور منافقین سے جہاد کرنا طواف بیت اللہ سے زیادہ عزیز ہے۔ عثمان ذی النورینؓ انہیں مناسب الفاظ میں سمجھا کر واپس کر دیتے ہیں

امیرالمومنین اپنے غلاموں کو بھی جن کی تعداد تقریباً چار سو ہے آمادۂ قتال دیکھکر فرماتے ہیں کہ من اغمد سیفہ فھو حر اور اس طرح سارے غلام آزاد ہو جاتے ہیں (طبقات ابن سعد)

شہادت سے دو روز قبل بلوائیوں کا اور زیادہ ہجوم ہوا۔ حضرت حسن سبط رسولؐ حسین ابن علیؓ۔ محمد بن طلحہ۔ عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر خلیفہ رسول کی محافظت کیلئے ان کے مکان پر آئے۔ اور برابر بلوائیوں کو دفع کرتے رہے (ابن الاثیر)

عین شہادت کے روز امیرالمومنین نے روزہ رکھا اور صبح کو آرام فرمایا خواب سے جاگے تو اپنے چند ہمنشینوں سے فرمایا کہ اگر لوگ یہ نہ کہیں کہ عثمانؓ نے اپنے قتل کی تمنا اور اس فتنہ کی آرزو کی تھی تو میں تم لوگوں سے ایک بات کہوں۔ ان صاحبوں نے عرض کیا کہ معاذ اللہ خلیفہ رسول اللہ کے بابت کبھی ایسا خیال قایم نہیں کر سکتے۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں نے ابھی اپنے حبیب کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائے اور ان کے ہمراہ میرے دونوں بھائی ابوبکر و عمر بھی تھے رسولؐ نے مجھ سے فرمایا کہ عثمان آج شام کو تم ہمارے پاس آکر روزہ افطار کرو۔ ابوبکر و عمر نے بھی مجھ سے کہا کہ آؤ اور ہمارے پاس روزہ افطار کرو اب تم لوگ میرے پاس سے جاؤ اور اپنے اپنے مکانوں میں آرام سے بیٹھو۔ امیرالمومنین نے ان صاحبوں کو رخصت کیا اور خود قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔

بلوائیوں کے ہجوم کے وقت امیرالمومنین سے جو صحابہ کرام ان اشرار سے قتال کرنیکے بابت زیادہ اصرار کرتا تھا اس سے آپؐ فرما دیتے تھے کہ میرے حبیب جو عہد مجھ سے لے چکے ہیں میں اسپر قایم ہوں۔ یہ عہد بھی عثمانؓ اور رسولؐ کے درمیان ایک عجیب راز و نیاز ہے جو ام المومنین صدیقہ طاہرہؓ سے بسند صحیح اس طرح مروی ہے کہ رسول کریم صلعم نے رحلت سے ایک روز قبل کچھ افاقہ پاکر فرمایا کہ کاش میرا کوئی محبوب صحابی اسوقت میرے پاس آتا عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابوبکرؓ کو بلائیں۔ رسولؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ عمر کو بلائیں آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے علیؓ کا نام لیا! ابھی آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ آخر میں نے پوچھا کہ عثمانؓ کو بلوائیں آپ نے فرمایا کہ اللھم

عثمانؓ حاضر ہوئے اور آپ نے اشارہ سے ہم سب کو اپنے پاس سے دور ہٹا دیا۔ رسولؐ نے اپنے ہاتھ سے عثمانؓ کا سر جھکایا اور دیر تک ان سے سرگوشی فرماتے رہے میں دیکھ رہی تھی کہ رسولؐ کچھ باتیں کر رہے ہیں اور عثمانؓ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا ہے رسولؐ کی وفات کے پچیس برس کے بعد ہم پر کھلا کہ یہ سرگوشی اسی واقعہ کی بابت تھی اور یہ وہی عہد تھا۔ جس کے بابت عثمانؓ بار بار ذکر کیا کرتے تھے (طبقات ابن سعد)

امیر المومنین شہید ہوئے آپ کی بی بی نے کوٹھے پر چڑھ کر آواز بلند کہا کہ قُتِلَ امیرُ المومنین صحابۂ رسولؐ اپنی اپنی جگہ سے دوڑے امیر المومنین علی مرتضےٰؓ نے اپنے صاحبزادوں اور طلحہ اور زبیر کے بیٹوں کو سخت وسست الفاظ سے یاد کیا اور افسوس کرتے ہوئے واپس گئے۔ (ابن الاثیر)

عبد اللہ ابن سلام نے شہادت کی خبر سنی اور رو کر فرمایا کہ الیوم ھلکت العرب (طبقات ابن سعد)

زید بن ثابت نے شہادت کی خبر سنی تو اسقدر روئے کہ روتے روتے بیہوش ہو گئے (طبقات ابن سعد)

ثمامہ بن عدی رسولؐ کے معزز صحابی کو شہادت کی خبر پہونچی اور انہوں نے فرمایا کہ آج خلافت نبوت کا خاتمہ ہوا اور حکومت جبری ہو گئی۔ اب جس کا غلبہ ہو گا۔ وہ اپنا بھلا کرے گا (طبقات ابن سعد)

سعد ابن ابی وقاص نے جب سنا کہ امیر المومنین شہید ہوئے تو رو کر فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ ہم اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کیلئے مدینہ میں آئے تھے۔ ایک آج کا دن ہے کہ ہم اپنے ایمان کو بچانے کیلئے مدینہ سے بھاگتے ہیں (تاریخ الخلفاء)

ابو ہریرہ نے شہادت کی خبر سنی اور واویلا مچانے لگے۔ جب گریہ وزاری سے فاقہ ہوا تو فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ سچے صادق القول تھے حضور نے فرمایا تھا کہ ۳۵ھ میں اسلام کی چکی کا رخ پھر جائے گا۔ واللہ اس مظلوم کی شہادت نے ہم کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ خذیفہ بن یمان صاحب سر رسولؐ اللہ نے واقعہ شہادت کو سنا اور رو کر فرمایا کہ اسلام میں

پہلا فتنہ عثمانؓ کا قتل ہے اور آخری فتنہ دجال کا خروج ہوگا۔ خدا کی قسم جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی قتل عثمان کی محبت ہوگی وہ اگر دجال کو پائیگا تو زندگی میں اسپر ایمان لائے گا۔ اور اگر نہ پائے گا تو قبر میں اوسپر ایمان لائے گا (تاریخ الخلفاء)

امام ذہبی نے حضرت عثمان کے فضائل اور ان کی خصوصیات کو نہایت مختصر جامع اور دلچسپ پیرایہ میں لکھا ہے۔ میں امام موصوف کی عبارت بجنسہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

امیر المومنین عثمان ابن عفان ذو النورین ومن تستحیی منہ الملئکۃ ومن جمع الامۃ علی مصحف واحد بعد الاختلاف ومن افتتح عمالہ اقلیم المغرب واقلیم الخراسان وکان من السابقین الاولین الصادقین القانتین المنفقین فی سبیل اللہ ومن شہد لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجنۃ وھو افضل من قرء القران علی النبی صلعم وذو الھجرتین وافضل الصحابۃ بعد الشیخین اکمل الحیاء والایمان جامع ایات القرآن وکان ممن جمع بین العلم والعمل والصیام والتہجد والجہاد فی سبیل اللہ وصلۃ الارحام والاحسان حاصرہ رؤس الفتنۃ والشر وقاتلوہ قتلھم اللہ تعالی فصبر وکف نفسہ وعبیدہ حتی قتل صبرا فی دارہ والمصحف بین یدیہ۔

محمد فدا علی عفی عنہ

دعا

خدا اور بندے میں رشتہ دعا ہے
دعا جس کو کہتے ہیں خود مدعا ہے

ترے دست قدرت میں کیا کچھ نہیں ہے
مرے ہاتھ میں کیا ہے صرف اک دعا ہے

دعا ہی میں کٹ جائے دن رات یارب
یہی تجھ سے دن رات میری دعا ہے

ہمارا وسیلہ بحق محمد
دعا ہی۔ دعا ہی۔ دعا ہی۔ دعا ہی

پہنچ جاتی ہی پاک قدموں تک اسکے
دعا ہے کہ امجد کا بخت رسا ہی

حیاتِ خلیق

ہم دل کے قدرداں تھے دل قدرداں ہمارا
اب اُس کے مخبروں میں ہے رازداں ہمارا

گھونٹے ہوئے ہے دم کو ضبطِ فغاں ہمارا
سُلگا رہا ہے دل کو سوزِ نہاں ہمارا

منزل پہ کیوں نہ پہنچے پھر کارواں ہمارا
ہو شوقِ کوئے جاناں جب سارباں ہمارا

ہمدرد بن رہا تھا جب آسماں ہمارا
سارے جہاں میں ہم تھے سارا جہاں ہمارا

ہر روز عید کی تھیں خوشیاں ہمیں میسّر
جھنڈا ہلال کا تھا قومی نشاں ہمارا

ہر ملک نے بنایا اپنا عزیز ہم کو
یوسف کو ساتھ لایا ہر کارواں ہمارا

آہِ رسا سے دم میں تیرے دھوئیں اڑادیں
جلتا ہوا یہ جادو ہے آسماں ہمارا

بلبل مثال قیدی ہیں دم بند ہے قفس میں
اب کون ہے جہاں میں ہم داستاں ہمارا

ہمی تو دینی کیسی تربت کی خاک اڑادی
رکھا نہ نام کو بھی نام و نشاں ہمارا

الفت میں گیسوؤں کی ہوش و حواس کھو کے
اِک شب میں لٹ گیا ہے سب کارواں ہمارا

اسکی گلی میں ہمدم ہم جیسے خاک جائیں
نقشِ قدم عدو کا ہے پاسباں ہمارا

کشتی ہماری تو نے اے چشمِ تر ڈبو دی
ورنہ کبھی نہ کھلتا رازِ نہاں ہمارا

تیرِ نگہ نے اُسکے لاکھوں دلوں کو چھیدا
گزرا ہے جس طرف سے ابروکماں ہمارا

ہر پھر کے آزمانا کِسنے تمہیں بتایا
سو بار لے چکے ہو تم امتحاں ہمارا

اپنا قدم زمیں پر اِک دم نہیں ٹھہرتا
دشمن ہوا ہے جب سے یہ آسماں ہمارا

نبضیں بھی جا چکیں جب آیا ہے دیکھنے کو
کب مہرباں ہوا ہے نا مہرباں ہمارا

دہلی کو لوگ اب بھی کہتے ہیں رشکِ جنت
اجڑا ہوا ہے کب سے یہ بوستاں ہمارا

ہم سے خلیق سیکھیں اُردو زباں کو شائق
ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

عبدالخالق خلیق دہلوی

شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی ایم اے۔ ڈی لٹ

کے

کیوٹمپلز آف ایلورا

کا ترجمہ

جس کو

مولوی سید تفضل حسین صاحب ناشر

ناظر تعلیمات ضلع کریمنگر

نے ترجمہ کیا

ماخذ مضمون

شرو ڈر   انڈین لٹریچر اینڈ کلچر

لاسین   انڈش الٹر ڈوم کنڈے جلد ۲

وبر   ہسٹری آف انڈین لٹریچر

برگین   لا ریلیجن ویدک

فرگسن اینڈ برگس۔ دی کیو ٹمپلز آف انڈیا

برگس دی راک ٹمپلز آف ایلورہ (یا ویرول)

سید حسین بلگرامی۔ دی ولسٹ ہسٹاریکل اسکیچز آف ہز ہائینس دی نظامس ڈومینینس

مقدمہ

قدیم ہندو مذہب جو ویدک دھرم کے نام سے بھی مشہور رہے اور جس کی حقیقت ہم پر رگ وید کے بھجنوں سے منکشف ہوتی ہے فطرت کے عظیم الشان اور محیر العقول مظاہر کی پرستش پر مشتمل تھا لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ مظاہر ذیشعور اور ایسی قوتوں کے حامل ہیں جن پر انسان کو دسترس نہیں ہے البتہ دعاؤں اور تعریفوں کے افسوں سے رام ہو سکتے ہیں اہل یونان در وما کی طرح یہاں ہم کوئی ایسا مندر نہیں پاتے جس میں قسم قسم کے دیوتاؤں کا جمگھٹا ہو بلکہ خالص اور سادہ فطرت پرستی پاتے ہیں جس میں قوت اور فعل ایک خدا سے نکلکر دوسرے خدا کی طرف دوڑتے رہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ آریاؤں کی ان قدیم تحریروں سے پرستش کا جو طریقہ ظاہر ہوتا ہے وہ بقول پروفیسر میکسمولر کے ہینوتھی ازم ہے۔ یعنے جب کسی خاص دیوتا کی پرستش کی جارہی ہو تو اس وقت وہی برتر و اعلیٰ اور ستایش و نیایش کا سب سے زیادہ سزاوار ہے اور وہی عبادت کنندہ کی حمد و ثنا اور دعا و مناجات کا قبول کرنے والا ہے صرف رگ وید کے آخری باب اور اتھر وید میں خدائے واحد و لاشریک کے تصور کی موہوم سی جھلک نظر آتی ہے جسے ایک عرصہ دراز کے بعد نشو و نما نصیب ہوا۔

ویدک طریقہ پرستش کی بڑی خصوصیت دعاؤں اور قربانیوں کے اثر کو ماننے میں ہے پرستش کرنے والوں کی زبان پر جو کلمات حمد جاری ہوتے ہیں دیوتا نہ صرف انہیں کو سنتا ہے بلکہ ان کی طرف سے جو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے اسے بھی قبول کرتا اور صلہ میں ان کو دشمن پر غلبہ پانے کی طاقت بخشتا ہے۔ دعاؤں کے موثر ہونے کا یہی اعتقاد آگے چل کر ان لوگوں کی عزت و حرمت کا باعث ہوا جو عبادت کے طریقوں سے آگاہ ہوتے اور اس زبان پر کامل عبور رکھتے تھے جس میں عبادت ادا کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ برہمن جو ابتدائی بھجنوں میں دعا و مناجات یا پرارتھنا کیلئے استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ تعلیماً پنڈت پروہت اور مہنت

کا نام و لقب قرار پا گیا۔

بس ایک قدم اٹھانے کی دیر تھی کہ برہمن اس معمولی تعظیم سے بڑھ کر فضیلت کی مسند پر متمکن ہو گئے۔ ابنائے جنس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی ممتاز قوت نے جو ہر قوم و ملت کی مذہبی جماعت کا عام خاصہ ہے جدید ہو یا قدیم بہت جلد ان کو پروہتی کے معمولی درجہ سے ترقی دیکر تمام معاملات پر حاوی کر دیا۔ اور انجام کار دینی پیشوا تو تھے ہی وہ دنیاوی سردار بھی بن گئے برہمن خدا کا اوتار ہی نہ تھا بلکہ حاکم وقت کا رہنما وزیر اور ندیم بھی ہوتا تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ ادب و حکمت کا منبع وہی تھا برہمنوں کی اسی برتری سے پھر ذات پات کا شگوفہ بھی پھوٹ نکلا۔ رگ وید میں اس کا مجمل ساذکر آیا ہے۔ ذات بندی میں جو لوگ ادنیٰ درجوں میں ڈالے گئے تھے ان کو یکسر تمام معاشرتی اور سیاسی فوائد سے محروم رکھکر پیٹ بھر کے پامال کیا گیا۔ بس ایک تناسخ کا عقیدہ ہی ان کے دل کی تسلی کا واحد ذریعہ تھا۔ یہ زود فہم مسئلہ برہمنوں نے ہی تراشا تھا اس کی آڑ میں لوگوں کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ اُن کا موجودہ دکھ درد ان اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے جو اُن سے گزشتہ زندگی میں سرزد ہوئے تھے اور جس کی شامت سے وہ برہمنوں کو خاطر خواہ دان پن دیکر آیندہ جنم میں نجات پا سکتے ہیں۔

مذہبی جماعت کی اس فوقیت کے برخلاف ناراضی کے علامات ابتدا ہی میں تپسیا جوگ رونما ہو گئے تھے۔ کچھ اشخاص جو نام نہاد ادنیٰ طبقے میں رکھے گئے تھے عام راسخ عقیدہ سے منحرف ہو گئے اور انھوں نے ترک علائق کر کے گاؤں گاؤں پھرنا اور وعظ و پند کرنا اپنا شعار بنایا۔ یہ جوگی جہاں جاتے لوگ ان کی آؤ بھگت کرتے اور ادب سے پیش آتے تھے۔

یہی انحراف اگر ابتدا تھی تو بودیت کا ظہور اس کی انتہا۔ بدھ مت۔ برہمنوں کے تقدس اور جبر و تشدد کے خلاف طبعی اور نہایت ہی زبردست احتجاج ہے۔ اس کا بانی گوتم ایک چھتری خاندان ساکیہ کا راجکمار تھا۔ برہمنوں کے علم و حکمت میں اُسے پوری دستگاہ تھی۔ لوگوں کو ایسی ذلت و پستی میں مبتلا پا کر اُسے سخت صدمہ ہوا اور لالچی پروہتوں کے خود غرضانہ ہتھکنڈے اس کے دل میں کھٹکنے لگے۔ وہ شاہی محل کو خیر باد کہکر جنگل میں نکل گیا اور ساری عمر سیر و سیاحت، مجاہدہ و ریاضت اور وعظ و نصیحت میں بسر کر دی اس نے

لوگوں کو اس بات کی تلقین کی کہ خیرات و مبرات اور پاکبازی و مساوات کو زندگی کا مقصد قرار دیں۔

نئے جنموں کے نہ ٹوٹنے والے دور میں انسان کے کرم پر جو گویا اس کے کسی گزشتہ جنم میں کئے ہوئے اچھے اور برے کاموں کا مجموعہ ہے اب اس بات کا انحصار ہے کہ اس کے آیندہ جنم کی نوعیت کیا ہو گی۔ اور اسی کرم کو فنا کر دیا جائے تو نت نئے جنم میں منتقل ہونے کا نا متناہی سلسلہ ختم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ آخری منزل مقصود یعنے نروان کی غیر مترقبہ نعمت اب کسی خاص فرقے کا پیدائشی حق نہیں رہا۔ بلکہ ہر نیک کردار بودھی جو ضبط نفس پر قادر ہو اور سب کے ساتھ نیکی برتے اس دولت میں برابر کا حصہ پا سکتا ہے

کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایک ایسا مذہب جو مثل بودیت کے یوں صاف صاف تمام بنی نوع انسانی کی کامل مساوات کو تسلیم کرتا ہو جس کے نزدیک کام کا انجام ہر شخص کے لئے یکساں ہو اور جس نے نجات کا دروازہ ہر کس و ناکس پر بلا لحاظ امیری غریبی کے کھول دیا ہو لوگوں کے دل میں جگہ نہ پاتا۔ بودیت کا سرعت کیساتھ تمام ملک میں پھیل جانا ہی اس کے ہر دلعزیز ہونے کا بین ثبوت ہے راجہ اشوک کے عہد میں (۲۶۳-۲۲۵ ق۔م) یعنے گوتم بدھ کی وفات (۴۸۱ء ق۔م) سے دو سو برس کے اندر بودھیت ہندوستان کا شاہی مذہب قرار پا چکی تھی اور لنکا برما تبت جیسے ملحقہ ممالک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی بلکہ چین و جاپان تک بھی اس کا اثر پہنچ گیا تھا۔ ہندوستان میں بودیت کی ترقی چندروزہ ثابت ہوئی۔ برہمنی مذہب نے سنبھالا لے کر اسے اپنے جنم بھوم سے بہت جلد نکال باہر کیا۔ سری کرشن جی کی پوجا اور طرح طرح کے تہواروں تیرتھوں میلوں ٹھیلوں برتوں جاتراؤں کو رواج دیکر جن کا ایک لازمہ بھڑکیلے کپڑے پہننا اور گانا بجانا بھی تھا عوام کے دلوں کو برہمنوں نے پھر اپنی طرف کھینچ لیا اور بودیت جیسے سادہ اور روحانی مذہب سے جس کا ضابطۂ عمل نہایت سخت تھا لوگ ارتباً سے روگرداں ہو گئے۔ ساتویں صدی میں ایک چینی سیاح ہیون سانگ نام جو بودھی تھا سیاحت کی غرض سے ہندوستان آیا۔ وہ افسوس کرتا ہے کہ بہت سے مندر کھنڈر ہو گئے بہت ساری خانقاہیں اجڑ گئیں اور منکرین کی تعداد آئے دن ترقی پر ہے۔ جدید برہمنی مذہب کے مدون شنکر آچاریہ کے زمانہ یعنے آٹھویں صدی میں بودیت بہت جلد جلد تنزل کی منزلیں طے

کررہی تھی اور چند صدی بعد تو ہندوستان میں اس کا چراغ بالکل ہی گل ہوگیا ایک نیپال کے سوا جہاں اسے آج تک فروغ حاصل ہے مگر جین مت جو بودیت کی ایک ابتدائی شاخ ہے اسوقت تک زندہ سلامت ہے اور اپنے پیردوں کے تمول اور مرتبہ کی بدولت اس کا شمار ممتاز فرقوں میں کیا جاتا ہے۔

بودیت نے برہمنوں سے جو میدان جیت لیا تھا اگرچہ وہ اس پر قابض نہ رہ سکی مگر اس نے ہندو مذہب پر ایسا نشان چھوڑا ہے جو کبھی مٹنے والا نہیں اور اس کا ہمدردانہ اثر ہر کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔

ہندؤں نے بھی خانقاہی درگاہوں کی بنا ڈال دی جو بودیت کا لازمہ تھیں اور ملک کے طول وعرض میں جگہ جگہ مٹھ قائم کردئے جہاں مہنتوں کی جماعتیں اپنے اپنے گرو کی سرکردگی میں رہا کرتی ہیں۔ خود شنکر آچاریہ نے بھی ایسے کئی مٹھ قائم کئے جن میں سے سرینگر کا مٹھ آجتک سنسکرت کتابوں کے نادر ذخیرہ کی وجہ سے شہرہ آفاق ہے۔

اس کے علاوہ بودھیوں کے بنائے ہوئے غاری مندروں کے پہلو بہ پہلو برہمنی منادر بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض ہم ایلورا میں دیکھ سکتے ہیں پیروان بدھ دو شاخوں میں تقسیم ہیں۔ ایک شاخ ہنایانا (یعنے چھوٹی گاڑی والے) اور دوسری مہایانا (یعنے بڑی گاڑی والے) کے نام سے موسوم ہے۔ ہنایانا فرقے کے عقاید قدیم اور سادہ ہیں عمدہ اخلاق برتنا اور سیدھی سادی رسمیں بجالانا ہی ان کا اصل اصول ہے۔ بڑی گاڑی والے فرقے کا بانی ناگارجونا بودیت کا چودھواں گرو تھا۔ اس شخص نے بودھ کی وفات سے ۴۰۰ یا ۵۰۰ برس کے بعد اور کنشکا کے عہد حکومت سے کچھ پہلے عروج پکڑا تھا جس طرح ہر مذہب میں مرور زمانہ سے تبدیلیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اسیطرح بڑی گاڑی والے ابتدائی بودیت کے پاکیزہ طریقہ پرستش سے ہٹ گئے اور اوہام پرستی اختیار کرلی جس میں بودھ کی جگہ طرح طرح کی فرضی عورتیں آدھمکیں یہ امر ان غاروں کے نقوش سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے جو پانچویں صدی کے بعد بنے ہیں اور اگرچہ نامکمل ہی سہی ان سے ہم کو مندروں کی تاریخ دریافت کرنے کی کنجی بھی ہاتھ آجاتی ہے۔

غاری مندر

مندر اور خانقاہیں جو ٹھوس چٹانوں کو تراش کر بنائی ہیں۔ تمام ہندوستان میں جا بجا پائی جاتی ہیں اور ملک کے آثار قدیمہ کا بہت ہی اہم جزو ہیں۔ یہ یادگاریں ان فرقوں کے لحاظ سے جو ان کے بانی تھے یا جن کے استعمال کے لئے یہ تیار ہوئی تھیں تین قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ یعنے بودھی، برہمنی اور جینی۔ سب سے پہلے غاروں کا تعلق بودھیوں سے ہے جو تیسری صدی قبل مسیح کے وسط سے ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک یعنے تقریباً ایک ہزار سال کے زمانہ میں تیار ہوتے رہے ہیں۔ یہ مندر دو قسم کے ہیں اول ہنایانا فرقے کے مندر جو پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کا زمانہ ۲۵۰ ق م سے ۱۵۰ء تک ہے۔ دوسرے مہایانا یا بعد کے بنے ہوئے جو ۱۵۰ء سے ۶۷۰ء تک تیار ہوئے ہیں۔ ابتدائی ہنایانا مندر گرانڈیل بھدی وضع کے ہیں اور ان کے ایوانوں اور چٹانی غاروں میں پرستش کی صرف ایک چیز یعنے داگوبا ہے۔ نقوش نہایت سادہ اور کٹہرہ کی وضع کے ہیں۔ مہایانی مندر تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور ان میں پجاریوں کے لئے تہ خانے بھی نہیں ہیں جس زمانہ میں یہ مندر تراشے گئے تھے اس وقت پجاریوں نے تاریک غاروں اور بھیانک تہہ خانوں میں رہنا ترک کر دیا تھا بلکہ کشادہ اور پرتکلف خانقاہوں میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ وہار بہت آرام دہ ہوتے تھے اور ہر قسم کے راحت و آسائش کا سامان انہیں مہیا رہتا تھا۔ داگوبا جو قدیم منادر کا جزو لاینفک ہے۔ کسی وہار میں آپ کو ڈھونڈے نہ ملیگا۔ اس کی جگہ بودھ کی مورتوں نے چھین لی ہے حتیٰ کہ چٹانی غاروں میں بھی جہاں داگوبا موجود ہے سامنے کے حصے میں بودھ کی مورت ایستادہ ہے بودھ اور بودھی پیشواؤں اور اس کے اناشا وتاؤں کی بہتات مہایانی مندروں کا خاص نشان امتیازی ہے۔

قدیم غاروں کی گرانڈیل تراش کی جگہ پیش دالانوں اور اندرونی ایوانوں نے لے لی اور اندر داخل ہوتے ہی آپ کو منقش ستونوں کا جم غفیر نظر آتا ہے۔ بودھ یادگاریں چھ قسم کی ہیں۔

(۱) استوپے۔ یہ وہ پشتے ہیں جو بودھ کے مقدس تبرکات پر بنائے گئے ہیں یا آخر میں جب

ان تبرکات کی پرستش ہونے لگی اور جاتریوں کو ان کی زیارت کرانا ضروری ہوگیا تو ایک خاص عمارت واگوبا مندر کے وسط میں تبرکات رکھنے کیلئے بنائی گئی۔ ابتدا میں واگوبا کی یہ شکل تھی کہ ایک چھوٹے سے بھاری بھرکم گول پائے پر ایک نیم مدور گنبد قائم کیا جاتا تھا جس کی چوٹی مربع ہوتی تھی۔ وقتاً فوقتاً اس میں ترمیمیں بھی ہوئیں مگر اصلی وضع جوں کی توں رہی۔

(۲) آرائشی کٹہرے۔ یہ قدیم بودھ فن تعمیر کا نہایت ضروری لازمہ ہیں جو تبرک درختوں، اسٹوپوں اور ستونوں اور بعض اوقات گول مندروں کے گرد نصب کئے گئے ہیں۔

(۳) ؟ ۔ لاٹیں جو عموماً مندر کے سامنے کھڑی ہوتی ہیں اور جس مذہب کا مندر ہو اس کے ایک یا زیادہ نشانات اس پر رکھے ہوتے ہیں ایسی لاٹیں بودھ برہمنی اور جینی تینوں قسم کے مندروں میں پائی جاتی ہیں مگر راجہ اشوک کی بودھ یہ لاٹیں جو اس کے احکام کی اشاعت کیلئے نصب کی گئی تھیں، مذہبی اغراض سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴) چیتائے۔ یہ لفظ سنسکرت چتا سے ماخوذ ہے اور اس سے یادگار یا قربانگاہ مراد ہے استوپے اور واگوبا کی طرح یہ بھی تبرک گاہ کے اظہار کے لئے مستعمل ہے۔ چیتائی غاروں کے برخلاف جو پجاریوں کے قیام کے لئے بنے تھے۔ پوجا پاٹ کی غرض سے تراشے گئے تھے۔

(۵) وہارے۔ یعنے نادار بدھی عابدوں کے رہنے کی خانقاہیں جہاں یہ لوگ گروہ در گروہ مل جل کر زندگی بسر کرتے تھے شروع میں وہار امتعدد تہ خانوں کا ایک سلسلہ ہوتا تھا جکے سامنے ایک برآمدہ یا ڈیوڑھی ہوتی تھی لیکن بعد میں جلسوں کے انعقاد کی غرض سے اس بڑے ایک کمرے کا اضافہ کر دیا گیا۔

(۶) پندھی۔ یعنے پانی کے حوض جو وہاروں کی جزو لاینفک ہیں۔

بودھ مندر تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور ہندوستان بھر میں اس قسم کے جتنے غار موجود ہیں ان میں سے ۷۵ فیصدی بودھ مناور ہیں۔

اس کے بعد باعتبار تاریخی ترتیب کے وہ مندر ہیں جو ہردو سیوا اور وشنو برہمنوں کے بنا کردہ ہیں۔ ان کا زمانہ چوتھی اور آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان ہے ان کی تعداد ۲۰ فیصدی ہے لیکن ان میں سے اکثر طول و عرض میں بہت بڑے ہیں۔ آخر میں جینی مندر ہیں جو نہ صرف سب کے بعد

بنے ہیں بلکہ تقیہ ہردو قسم کے مندروں سے تعداد میں کم ہیں ان میں جس قدر کہ ابتدائی ہیں وہ پانچویں یا چھٹی صدی کے اور جو آخری ہیں وہ بارہویں صدی کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی کل تعداد چار فیصدی ہے۔

بلحاظ تعداد ان کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

بودھی غار	۷۲۰
برہمنی	۱۶۰
جینی	۳۵

ان میں ہم نام نہاد شرقی غار بھی شامل کریں تو کل چٹانی مندروں کی تعداد اندازاً ایک ہزار کے قریب پہنچتی ہے۔

ایلورا کے منادر غار

ہندوستان میں جس قدر چٹانی منادر ہیں ان سب میں ایلورا کے مندر زیادہ وسیع الشان اور مختلف الوضع ہیں۔ اس مجموعہ میں بودیہ، برہمنی، جینی، ہر سہ اقسام کے منادر کی نفیس ترین مثالیں پائی جاتی ہیں۔

دیرولی، الورا یا ایلورہ ایک موضع ہے جو ممالک محروسہ سرکار نظام میں اورنگ آباد سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر جانب شمال مغرب واقع ہے۔ عرض البلد ۲۰ درجہ ۲ دقیقہ شمالی۔ طول البلد ۷۵ درجہ ۱۵ دقیقہ مشرقی۔ جی۔ ~~آئی۔ پی۔~~ (H. G. S.) لائن ریلوے اسٹیشن ~~نندگاؤں~~ (دولت آباد) سے ایلورا پہنچنا بہت سہل ہے جو وہاں سے ۴۶ میل کی مسافت پر ہے۔ سڑک پختہ ہے پپل گاؤں تک اورنگ آباد کی ڈاک کا ٹانگہ چلتا ہے۔ درمیان میں دو مسافر بنگلے ہیں، ایک تھروڈہ میں ۱۲ میل پر اور دوسرا بوگاؤں میں ۳۲ میل پر۔ پپل گاؤں پہنچ کر سڑک کی ایک شاخ بائیں ہاتھ کو نکلتی ہے وہاں سے پندرہ میل رہ جاتے ہیں۔ ایلورا میں کوئی ڈاک بنگلہ نہیں ہے لیکن قریب ہی روضہ میں سرکار عالی کا ایک نہایت پرتکلف ریسٹ ہاؤس (فرودگاہ) موجود ہے اس میں قیام مدنظر ہو تو قبل از قبل تعلقدار صاحب اورنگ آباد سے اجازت حاصل کر لینی چاہئے۔

غار ایک وسیع سطح مرتفع کے پہلو میں چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں اور ان کا سلسلہ قریب

شمالاً جنوباً ایک میل دو فرلانگ تک چلا گیا ہے آخر میں دونوں طرف ایک ایک چٹان سینگ کے مانند مغرب کو نکلی ہوئی ہے۔ سب سے پرانے یعنے بودیہ غار جنوبی گوشہ میں اس مقام پر واقع ہوئے ہیں جہاں سے چٹانی شاخ مغرب کو مڑنے لگتی ہے دوسرے گوشہ پر اور شمالی شاخ پر جینی مندر ہیں برہمنی سلسلہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ کیلاس کو مرکز قرار دیا جائے تو ۱۶ غار اس کے جنوب میں واقع ہیں۔ از انجملہ ۱۴ بودیہ ہیں اور تقریباً اتنے ہی شمال میں جو یا برہمنی ہیں یا جینی۔ ایلورا کے بودیہ مندر مہایانا فرقہ کی یادگار ہیں اور ان کی تعمیر ۳۵۰ء اور ۵۵۰ء کے دوران میں ہوئی ہے۔

غاروں کا بیان

ہم غاروں کا معائنہ جنوب کی طرف سے شروع کرتے ہیں۔

غار نمبر (۱)۔ اس سلسلہ کے جنوبی گوشے میں جو پہلا غار ہے وہ ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے اور اغلباً ان غاروں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے جو یہاں سب سے پہلے تیار ہوئے تھے۔ ایک دبارہ ہے جس میں راہبوں کے سکونت کے لئے تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ ابتدا میں یہ ملحقہ غار میں شامل تھا۔

غار نمبر (۲)۔ دوسرا غار بہت عریض و طویل ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو ہم کو ایک وسیع دیوان میں پہنچاتی ہیں۔ بظاہر یہ کمرہ عبادت کی غرض سے تیار ہوا ہے۔ اسکی چھت ستونوں پر قائم ہے جن کے پیلپائے اسی وضع کے ہیں جیسا کہ ایلیفنٹا کے ستونوں کے عبادت گاہ میں بودھ کی ایک بڑی مورت تخت پلنگ پر بیٹھی ہے۔ پاؤں نیچے لٹک رہے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی کن انگلی کو دہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے پکڑے ہوئے ہے۔ یہ وہ آسن ہے جو عموماً اپدیش یعنے وعظ و ارشاد کے لئے مخصوص ہے اور اس مجموعہ کے بہت سے غاروں میں جگہ جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

سر کے بال کترے ہوئے گھونگریالے ہیں اور ایک ہالے نے۔ جو اس کا نشان امتیازی ہے سر کو حلقہ میں لے رکھا ہے۔ پہلو میں دو گندھرب یعنے فرشتے کھڑے ہیں چپ و راس چوری بردار ہیں

جن میں سے ایک کے ہاتھ میں کنول کے پھول کی ڈنڈی ہے یوں سمجھئے کہ یہ لوگ بودھ کے مریدان
خاص ہیں۔ لیکن ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں ان مریدوں کو اپنے الگ مریدوں کے ساتھ
دیوتاؤں کے مرتبے پر فائز پاتے ہیں مگر ان کا درجہ ہمیشہ بودھ سے کمتر دکھایا گیا ہے۔ کنول کی ڈنڈی
والی مورت ترقی کرتے کرتے اس دیوتا کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو بودیہ علم الاوہام میں پدماپانی
کے نام سے مشہور ہے جہاں کہیں آپ دیکھیں گے اس کے ہاتھ میں یہی پھول آپ کو نظر
آئیگا۔ چوری یا خدمتگاری کی علامت بھی غائب ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے ہاتھ میں سمرن
آجاتی ہے دوسرا چوری والا بھی رفتہ رفتہ وجرایانی یا موکل برق کی جون میں تبدیل ہو جاتا ہے
مریدوں کے بعد پھر ایک مورت بودھ کی دہنا ہاتھ نیچے لٹکائے اور بائیں ہاتھ سے عبا کا دامن
گروانے کھڑی ہے۔ یہ بودھ کے بھیک مانگنے کا انداز ہے عبادت گاہ کے کونوں میں بودھ کے
پجاریوں کی چھوٹی چھوٹی مورتیں ہیں جو ہاتھ جوڑے اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ دروازے
پر دو گرانڈیل دربان سیدھے کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں سیدھی طرف والے کے بائیں ہاتھ میں
ایک کنول کا پھول ہے اور دہنے میں مالا ہے اس کے دونوں طرف دو عورتیں کھڑی ہیں بائیں
طرف کا دربان زیوروں سے آراستہ ہے اور بالوں میں واگوبا لگا رکھا ہے۔ دونوں کے ملازم
گندھرپ ساتھ ہیں۔ نصف دیوار آگے چل کر چھوٹی چھوٹی مورتیں ہیں جن کے سروں پر
گھونگریالے بال اور ہاتھوں میں ہار ہیں۔ عبادت گاہ کے دونوں بازوؤں میں ایک ایک تہ خانہ ہے
دہنے میں بودھ کی ایک مورت کنول کے تخت پر بیٹھی ہے جس کو ناگ اٹھائے ہوئے ہیں
دروازے پر جو پہرے والا کنول کا پھول لئے ہوئے ہے اس کے سامنے ایک عورت بائیں ہاتھ میں
کنول لئے کھڑی ہے سیدھا ہاتھ جس کی مٹھی کھلی ہوئی ہے اوپر اٹھا رکھا ہے اس کے جلو میں
دو عورتیں ہاتھوں میں کنول کے پھول لئے کھڑی ہیں۔ مسٹر برجس کہتے ہیں یہ بتانا مشکل ہے کہ
بڑی مورت سے کون مراد ہے شاید یہ بودھ کی ماں مایا ہو یا اس کی بیوی یسدھرا ہو یا پدماپانی
ہو۔ ان میں شیو اور بھوانی صاف صاف پہچانے جاتے ہیں نشست پر ایک کتبہ سنہ ۱۲۳۴-۱۲۵۱ کا
درج ہے پہاڑی کے اس حصہ میں چند جینی غار اور ہیں جو کم و بیش سب کے سب مسمار ہو گئے ہیں
ان میں کسی قسم کی نقاشی ایسی نہیں جو دلچسپی کا موجب ہو۔ غار کی نقلی غلام گردشوں میں بودھ کی

بڑی بڑی مورتیں اسی انداز میں کھڑی ہیں جس انداز میں کہ عبادت گاہ والی مورت تاریخ کے بارے میں مسٹر برجس کا بیان ہے کہ اس غار کے لئے کسی زمانہ کا تعین کرنا بہت دشوار ہے۔ ممکن ہے کہ اسکی تعمیر تیسری یا چوتھے صدی میں شروع ہوئی اور نقاشی چھٹی یا ساتویں صدی کے آخر تک تمام ہوئی ہو۔

غار نمبر (۳) دوسرے اور تیسرے غار کے درمیان پانی کا ایک شکستہ حوض ہے جیسا کہ بلا استثنا تمام وہاروں کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ۔ یہ غار جو ایک وہارہ ہے کبھی تکمیل کو نہیں پہونچا۔ سامنے کی دیوار کا بڑا حصہ اور برآمدہ غائب ہوگیا ہے۔ چھت بارہ چو پہلو ستونوں پر قائم ہے۔ عبادت گاہ میں بودھ مع اپنے خشم خدم کے موجود ہے اور ذرا اوپر گندھرو استادہ ہیں جس تخت پر وہ بیٹھا ہے اوسکی پشت پر ساردولا اور مکارا نامی ہاتھیوں کی شکلیں ہیں۔ جانب راست وہ شکلیں ہیں جو بالعموم بودھ کا حلقہ عبادت کہلاتی ہیں۔

غار نمبر (۴)۔ چوتھا غار زیادہ تر مسمار ہو گیا ہے سامنے کا بیرونی ہال تو بالکل ہی گر پڑا۔ اس میں ایک بغلی دروازے سے داخل ہوتے ہیں جس کا رخ جنوب کی طرف ہے جس چھوٹے سے حجرے میں یہ ہم کو پہونچاتا ہے اسے ایک بہت بڑے پتھر نے پاٹ دیا ہے جو اوپر سے گرتے وقت بالائی منزل پر بیٹھے ہوئے بودھ کا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ ساتھ لے کر نیچے آ پڑا ہے۔ عبادتگاہ میں بودھ کی ایک مورت بیٹھی اپدیش کر رہی ہے سر کے گرد ہالہ ہے اور پیچھے مقدس درخت بودھ سایہ فگن ہے۔ مریدوں کو تخت کے پہلو کے بجائے عقب میں کھڑا کیا ہے۔ اس غار کے شمالی گوشے میں پدما پانی کی مورت ہے اسکی بیٹھک کا وہی انداز ہے جو بودھ کا ہے بائیں شانے پر مرگ چھالا لٹک رہا ہے دہنے ہاتھ میں سمرن اور بائیں میں کنول کا پھول ہے سر کے بالوں پر سامنے کی طرف بودھ کی چھوٹی سی مورت ہے۔

غار نمبر (۵)۔ یہ ایک بہت بڑا وہارا ہے وسط میں ایک کشادہ دیوان ہے جس کے دونوں پہلوؤں میں ایک ایک خلوت گاہ ہے چھت کے ستون تراش میں چو پہلو اور تعداد میں ۲۴ ہیں مسٹر فرگوسن فرماتے ہیں کہ ایک معمولی وہارے کے مقابلہ میں یہ زیادہ ترین بازوں کا مسقف چبوترہ معلوم ہوتا ہے اور غالباً اسکی تعمیر میں یہی غرض مضمر تھی اس غار میں متعدد تہ خانے

راہبوں کی سکونت کیلئے بنے ہوئے ہیں ستونوں کے درمیان فرش کے طول میں پتھر کی دو پست اور طویل بنچیں بچھی ہوئی ہیں جو مسٹر فرگوسن کی رائے میں کھانے کے کمرے کی میزیں ہوں گی یا شاید یہ ایک قسم کا خانقاہی مکتب ہوگا اور بنچیں طلبہ کے لئے ڈیسک کا کام دیتی ہوں گی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے دونوں اغراض پورے ہوتے ہوں۔ عبادت گاہ میں بودھ کی مورت مع اپنے رفیقوں کے بیٹھی اپدیش کر رہی ہے عبادت گاہ کے دروازے پر دربان اپنی معمولی حالت میں استادہ نہیں ہیں بلکہ ان کو دروازے کے دونوں طرف محراب دار دریچوں میں جگہ دیگئی ہے اور دونوں کے ساتھ خدمتگار بھی ہیں۔

غار نمبر (۶)۔ یہ غار ایک زینہ کے ذریعہ سے پانچویں غار کے ساتھ ملا ہوا ہے دیوان کے مشرقی پہلو میں چند تہ خانے ہیں غربی پہلو بالکل منہدم ہو گیا ہے۔ مندر کے عقبی حجرے میں چند مورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک عورت کے پاس مور کھڑا ہے اور نیچے ایک پروہت بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا ہے۔ یہ عورت سرسوتی علم کی دیوی ہے۔ عبادت گاہ میں بہت بڑا بودھ مع اپنے اصحاب کے بیٹھا ہے۔

غار نمبر (۷)۔ یہ ایک ناتمام دہارہ ہے جس میں تہ خانے ہیں چھت چار ستونوں پر قائم ہے جس میں کسی قسم کی مورتیں نہیں ہیں۔

غار نمبر (۸)۔ اس میں آنے کے لئے اوپر کے غار میں سے ایک راستہ بنا ہوا ہے مندر منقش ستونوں پر قائم ہے۔ جس میں بودھ حسب عادت اپدیش میں مصروف ہے جو مصاحب کہ ساتھ ہیں۔ ان میں ایک پدما پانی بھی ہے جس کے چار ہاتھ ہیں وہ ایک کنول پر استادہ ہے۔ دو پجاری پاؤں چوم رہے ہیں جن کے پیچھے ایک عورت کھڑی ہے دوسرے مصاحب کیساتھ ایک عورت ہے اور دونوں کے سروں پر گندھرپ سایہ کئے ہوئے ہیں۔

غار نمبر (۹)۔ اس غار میں آنے کے لئے ساتویں غار میں واپس جانا پڑتا ہے وہاں سے ایک راستہ چھوٹے غار میں ہوتا ہوا اس میں نکلتا ہے۔ اس میں ایک طاق اور ایک پیش ستون پر قائم ہے۔ اندر بودھ کی مورت مع اپنے مصاحبین اور گندھربوں کے بنی ہوئی ہے۔

غار نمبر (۱۰)۔ یہ وشواکرما یا غار نجار کے نام سے موسوم ہے ایلورہ میں ایک ہی غار چیتا لیہ ہے۔

مسٹر برجس کے خیال میں اگرچہ کارلی کے بڑے غار کی طرح نہ تو یہ وسعت میں شاندار ہے اور نہ زیبائش میں پر تکلف ہے تاہم یہ ایک عظیم الشان چیز ہے غار کے سامنے کا کھلا صحن ایک احاطہ سے محصور ہے اور ستونوں کے بالائی حصہ پر بیشمار تصویریں کھدی ہوئی ہیں اندرونی حصہ میں ایک درگاہ اور بغلی راستے ہیں جن کو ۲۸ ہشت پہلو ستونوں نے وسطی حصہ سے جدا کر رکھا ہے۔ غار کا اندرونی گوشہ سارے کا سارا ایک واگوبے نے گھیر لیا ہے جس کا قطر ساڑھے پندرہ فٹ اور بلندی ۲۷ فٹ ہے جو بقول مسٹر فرگوسن کے تمام قدیمی شالوں کے برخلاف مدور نہیں ہے بلکہ اسمیں ایک ڈیوڑھی ملحق ہے جو اجنٹا کے انیسویں غار کی ڈیوڑھی سے بڑی ہے اور اسکی وجہ سے وہ مربع ہو گیا ہے۔

اس ڈیوڑھی کی چوٹی پر بودھ کی ایک بھاری بھرکم مورت بیٹھی ہے جو گیارہ فٹ اونچی ہے۔ حسب معمول مصاحبین بھی ساتھ ہیں اور بالائے سر درخت بو منقوش ہے۔ غار کی چھت محرابدار ہے اور اسمیں مصنوعی کڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ مسٹر فرگوسن کی رائے میں اس غار کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا رو کار ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہم یہاں نقل نما طاقچے نہیں دیکھتے جو سابقہ شالوں کا ضروری لازمہ ہیں سامنے کے احاطہ میں دو تہ خانے اور دو ہی عبادت خانے ہیں۔ شمالی احاطہ کے ایک گوشہ میں زینہ واقع ہے جس پر سے اوپر کی گیلیری میں آمد و رفت ہوتی ہے اس غار کی زیارت کیواسطے تیاری یعنی بخار بہ تعداد کثیر آتے ہیں جو بودھ کی بطور وشوا کرما کے پوجا کرتے ہیں بہت سے زائروں کے نام جابجا کھدے ہوئے ہیں جس سے ستون اور دیواریں بہت خراب ہو گئی ہیں۔ بودھ کی مورت پر زرد، سبز اور نیلا رنگ چڑھا ہوا ہے تمام تہواروں میں اس پر بھی رنگ ڈالے جاتے ہیں اس غار کے ایک ستون پر ۱۳۲۲ شا کا کندہ ہے جو سنہ ۱۴۰۰ء سے مطابق ہے۔

غار نمبر (۱۱) - اس غار کا نام دون تھال ہے یعنے دو منزلہ بعض اوقات اسے دکھیا گھر بھی کہتے ہیں مطلب ظاہر ہے یعنے دکھ درد کی جگہ۔ برہمنوں کی زبانی ایک روایت اس مضمون کی مشہور ہے کہ دیوتاؤں کے بڑے میر عمارت وشوا کرما نے اگلا غار تین تھال ختم کرنے کے بعد اس جگہ پر ایک ایسا عظیم الشان مندر کھودنے کا ارادہ کیا جو پہلے کے تمام غاروں سے بڑھ چڑھ کر ہو لیکن اثنائے تعمیر میں اس کی انگلیوں کو صدمہ پہونچا جس کی تکلیف سے اسے اپنے منصوبہ کو خیرباد کہنا پڑا نکما بکار کی تاریخ عمہ تاسنہ ۷۶ء تعین کی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد کے دو غار مسٹر فرگوسن کی

رائے میں علمائے آثار قدیمہ کے نزدیک خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ کیونکہ ان سے یکے بعد دیگرے
ان مدارج کا کھوج لگتا ہے جن کے مطابق بودھ غار برہمنی غاروں میں ضم ہو گئے۔ چند سال گزرے
کہ زیریں منزل کے نیچے ایک تیسری منزل برآمد ہوئی ہے جو مٹی میں مدفون ہو گئی تھی۔ یہ زمین دوز
منزل ایک طویل برآمدے اور دو تہ خانوں اور ایک درگاہ پر مشتمل ہے۔ جس میں بودھ مع اپنے
اصحاب کے رونق افروز ہے دوسری منزل میں اسی ساخت کا ایک برآمدہ ہے جس کے عقبی
حصے میں ۵ دروازے ہیں درمیانی دروازہ ہم کو ایک عبادت گاہ میں لیجاتا ہے جس میں بودھ
کی ایک گرانڈیل مورت اسطرح پالتھی مارے بیٹھی ہے کہ اس کے پاؤں کے تلوے نظر آتے
ہیں۔ تخت کے نیچے ایک چھوٹی سی شکل کسی عورت کی ہے جس کے ایک ہاتھ میں دودھ یا پانی
کا ظرف ہے تخت کے یمین و یسار وجرا پانی اور پدما پانی کی شکلیں ہیں پہلی بائیں ہاتھ میں بجلی کا کوڑا
لئے ہوئے ہے دونوں کے سر کی پوشش پر بہت خوبصورت نقوش کھدے ہوئے ہیں اور
یہی کیفیت اس تخت کی ہے جس پر بودھ مہاراج متمکن ہیں۔ عبادت گاہ میں بودھ کی چند اور
تصویریں ہیں جن کے سر پر بوکے درخت سایہ کناں ہیں۔ برآمدہ کے دوسرے دروازے
چھوٹے چھوٹے مندروں میں کھلتے ہیں۔ جن میں بودھ اور اس کے مریدوں کی مورتیں ہیں۔
بالائی منزل کی دیواروں پر متعدد شکلیں کندہ ہیں مردانہ بھی اور زنانہ بھی ان
میں بعض تو بودھ کی ہیں بعض وجرا پانی کی بعض ان کے مصاحبین کی۔ گر یہ مندر ناتمام ہیں۔

غار نمبر (۱۲) ۔ یہ غار تین تھال کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک کھلا صحن ہے جس کے
غربی پہلو میں ایک بہت بڑا حوض ہے صحن سے ایک زینہ ہم کو نچلی منزل میں لیجاتا ہے اس
کے سامنے والے ستون کی قطاریں دو مربع ستون الیورہ بھر میں نقاشی کا بہترین نمونہ پیش
کرتے ہیں دو اور قطاریں ہیں جن میں ۸ ۔ ۸ ستون ہیں مندر کی بائیں جانب ایک درجہ میں
بودھ کے علاوہ ۸ ۔ متفرق مورتیں ہیں۔ پدما پانی اور وجرا پانی دہنے بائیں استادہ ہیں
ان کے اوپر اور نیچے چھ شکلیں ہیں جو ہاتھوں میں مختلف نشان لئے ہوئے ہیں۔ بودھ کی
شبیہ بیٹھی ہے اور نشست سے لیکر سر کی چندیا تک گیارہ فٹ اونچی ہے نیچے اور اوپر کیطرف
چھوٹے چھوٹے بودھ وہی آسن جمائے بیٹھے ہیں۔ راس وچپ پدما پانی اور وجرا پانی اور

دوسری شکلیں ہیں جن کے ہاتھوں میں پھل اور پھول ہیں۔ نچلے برآمدے کے جنوبی گوشہ سے زینہ دوسری منزل پر پہنچاتا ہے۔ داخل ہوتے ہی ہم ایک خلوت گاہ یا بغلی عبادت خانہ دیکھتے ہیں جس میں بودھ تخت پر بیٹھا ہے اس مندر کی دیوار پر بیشمار چھوٹی چھوٹی زنانی اور مردانی چار ہاتھوں والی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ پہلے درجہ کا دیوان تین کمروں میں منقسم ہے اور اس میں ۱۶ استون ہیں عبادت خانہ میں ایک بودھ کی مورت ہے جس کا آسن اور ڈیل ڈول اتنا ہی ہے جتنا کہ نچلے درجہ کی مورت کا۔ تخت کے پہلوؤں میں پدما پانی اور وجرا پانی کی شکلیں ہیں۔ دیواروں پر دوسری تصویریں ہیں جھنڈیاں اور پھولوں کی کلیاں لئے ہوئے سامنے کی دیوار پر معمولی شکلیں زنانی اور مردانی کھدی ہوئی ہیں جن کی نسبت مسٹر برجس کا مفروضہ ہے کہ اس مندر کے بانی اور اسکی بیوی کی تصویریں ہیں۔ بالائی درجہ میں ۴۶ سادہ ستون ہیں اور کئی تخت نشیں بودھ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود ہیں ایک جگہ بودھ تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے قدموں میں دو عمدہ ترشے ہوئے ہرن کھڑے ہیں جن کو لوگوں نے نوچ کھسوٹ کر خراب کر دیا ہے۔ مسٹر برجس کا خیال ہے کہ یہ مرقع بنارس کے مرگ بن کی یادگار ہے۔ جو بودھ کو نہایت عزیز تھا اور جہاں وہ اکثر آتا جاتا اور تعلیم اور دھرم پرچار میں مشغول رہا کرتا تھا اسی درجہ کے ایک حصہ میں بودھ تخت پلنگ پر بغیر کسی مصاحب کے بیٹھا ہے۔ اس کے پہلو میں بودھ کی ایک چھوٹی سی مورت بیٹھی ہوئی دھیان گیان میں محو ہے اور کو ایک تصویر بودھ کی ہے جو گویا آسمان پر دیوتاؤں کو اپنے اصول کی تلقین کرنے کے لئے صعود کر رہا ہے تیسری تصویر بودھ کی اور ہے جس میں وہ اس دنیا کو چھوڑ کر نروان دائمی بے خلل، مکمل سکون میں داخل ہو رہا ہے۔

غار نمبر (۱۳) تین تھال سے تھوڑی دور آگے برہمنی غاروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پہلا غار ایک بڑے نیم شکستہ کمرے پر مشتمل ہے جو غالباً سادھوں کی قیامگاہ کا کام دیتا تھا۔

غار نمبر (۱۴)۔ اسے راون کی راکھ کہتے ہیں اس میں ایک ہال اور کٹہرہ اور ۱۶ استون ہیں جو کم وبیش سب کے سب منبت ہیں۔ ہال کی جنوب اور شمالی دیوار پر بہت سی تصویریں کھدی ہوئی ہیں۔ مسٹر برجس ان کی تفصیل یوں لکھتے ہیں۔

درگا بھینسے کی شکل کے دیو کو ہلاک کر رہی ہے۔ شیوجی اور پاربتی ایک بلند نشست پر بیٹھے
کھیل رہے ہیں۔ شیو دنیا کی بربادی پر تانڈوا کا ناچ ناچ رہا ہے۔ راون لنکا کا راجہ بھیرو بنا
شیو کی ہلاک کرنے والی شکل۔ اسکے پیچھے گنپتی پاس ہی تین ڈھانچے ہڈیوں کے۔ کالی جس کے
چار ہاتھ ہیں اور چھاتیوں پر بچھو چمٹ رہے ہیں کالی اور گنپت اور سات دیوی ماتائیں شمالی
دیوار پر بھوانی لکشمی وشنو کی بیوی وراہا وشنو کے خوک صورت اوتار کی تصویریں۔ وشنو اور لکشمی
ایک آراستہ محراب کے نیچے مسند پر بیٹھے ہوئے۔

غار نمبر (۱۵)۔ اس کا نام دساوتارا ہے۔ چند چٹانوں کو جن پر چڑھنے کے لیے پایوں
کے نشان کھدے ہوئے ہیں۔ طے کر کے صحن میں داخل ہوتے ہیں جسمیں مقدس مندر اور ایک
حوض ہے۔ غربی دیوار پر سنسکرت زبان کا ایک طویل کتبہ ہے جو بہت کچھ خراب ہوگیا ہے
یہ مندر دو منزلہ ہے۔ نچلے درجے میں شیو، وشنو، پاربتی، بھوانی اور گنپتی کی بہت سی تصویریں
ہیں۔ اوپر کے ہال میں شیو کی بہت سی شکلیں ہیں ان میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ہے
جو دروازے کے پاس ہے یہ مہادیو کی ہیبت ناک شبیہ ہے جس کی کیفیت مسٹر برجیس یوں
بیان کرتے ہیں۔ دیو ہیکل مہادیو آگے جھپٹ رہا ہے ایک ہاتھ جس میں ہاتھی کی کھال ہے
اوپر کو اٹھائے ہوئے ہے۔ گلے میں کھوپریوں کا ہار ہے جو پنڈلیوں کے نیچے تک لٹکتا
ہے کمر میں ایک کالا ناگ لپٹا ہوا ہے منہ کھلا ہے اور اس کے اندر سے بڑے بڑے
تیز دانت دکھائی دیتے ہیں ترسول کی ضرب سے ایک شکار کو تو مار گرایا ہے دوسرے کو
بائیں طرف کے ایک ہاتھ سے دبوچ رکھا ہے، دوسرے میں ڈمرو کو بلند کیا ہے کہ خون پیتے
پیتے اسے خوشی سے بجاتا جائے۔ کالی دبلی پتلی لمبی۔ ترنگی بھیانک صورت بنائے تیوری
چڑھائے بشوق تمام شکار کے خون سے پیاس بجھانے کے لئے جھک رہی ہے۔ اس منزل
کے دوسرے عبادت خانوں میں شیو اور پاربتی کی تصویریں ہیں ایک میں ان دونوں
کی شادی کا نظارہ دکھایا ہے۔ برہما جی رسوم ادا کر رہے ہیں۔ ڈیوڑھی کے برآمدے
میں گنپتی کی ایک بڑی تصویر کے علاوہ لکشمی شیوجی اور برہما کی تصویریں بھی ہیں۔ جنوبی دیوار
پر بہت سی تصویریں وشنو کے اوتاروں کی بنی ہیں۔

غار نمبر (۱۶) - یہ غار کیلاس یا رنگ محل کے نام سے مشہور ہے۔ بقول مسٹر برجس کے اس کا شمار ہندوستان کے ممتاز ترین چٹانی غاروں میں کیا جاتا ہے۔ یہ مندر ایک ہی پتھر کو تراش کر بنایا ہے جو اندر باہر اعلیٰ قسم کی نقاشی سے بھرا ہوا ہے جس احاطہ میں یہ واقع ہے اس کا طول دو سو ستر فٹ ہے اور عرض کوئی ڈیڑھ سو فٹ۔ وسطی مندر کے بعض حصوں پر کسی زمانہ میں نہایت پر تکلف رنگ چڑھا ہوا تھا اب بھی بعض مقامات ایسے ہیں جن کی اصلی خوبصورتی بہت کچھ باقی ہے مسٹر برجس کہتے ہیں کہ مندر کی بلند کرسی بجائے خود ایک نمایاں شئے ہے۔ قوی ہیکل ہاتھیوں اور شیروں اور عقاب سر چیتوں کی قطار جو ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر دکھا رہے ہیں اور پھر اوپر کا بڑا دیوان اس کے اندر ۱۶ عمود اور اس سے بھی زیادہ دیواری ستون۔ ان پر طرح طرح کی مینت کاریاں۔ نقلی طاقچوں کے کٹہرے اور اگلی ڈیوڑھی کے سامنے دوہرے قبہ دار کٹہرے۔ عبادت خانوں کے پیش۔ دو رویہ بڑی بڑی مورتیں چبوترے پر درمیانی درگاہ اور اس کے گرد پانچ ذیلی درگاہیں۔ یہ سب چیزیں اس کوشش کا ثبوت دے رہی ہیں جو اس قسم کے تمام سابقہ مندروں پر سبقت لیجانے کے لئے عمل میں لائی گئی ہے۔ داخلہ کے دروازے سے گزرتے ہیں لکشمی کی بہت بڑی شبیہ نظر آتی ہے جو کنول کے پھول پر بیٹھی ہے اس پر چینی حروف کندہ ہیں جو پندرھویں صدی کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں طرف کے دیواری ستونوں پر آٹھویں صدی کے خط میں کندہ کی ہوئی تحریریں ہیں جو خراب ہو گئیں ہیں۔ منڈپ اور مندر ایک پل کے ذریعے سے ملے ہوئے ہیں جس کے نیچے شو کو اس کے اوتاروں کالا بھیراوا اور مہایوگی کی شکل میں بے شمار مصاحبین کے ساتھ دکھایا ہے۔ جنوب رویہ زینہ کی شمالی اور جنوبی دیواروں پر رامائن اور مہابھارت کے مرقعے دکھائے گئے ہیں۔ اس کے عقب میں مندر کی کرسی گرانڈیل ہاتھیوں اور شیروں کے ساتھ ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جنوبی غلام گردش جو طول میں ۱۱۸ فٹ ہے بارہ درجوں میں منقسم ہے ہر درجہ میں سنگ تراشی کا کمال بڑی خوبی کے ساتھ دکھایا گیا ہے خاص خاص تصویریں حسب ذیل ہیں:-

چو ہتاہ شنو۔ وشنو کا شیر پیکر اوتار شیو اور اس کا بیل نندی وشنو کا چھٹا بوناوتار گروڑ

نیم عقاب، نیم انسان۔ غربی غلام گردش میں جو تقریباً دو سو فٹ طویل ہے ۱۹ حجرے ہیں جن میں شیو کے چھ، سات اوتاروں کی تصویریں ہیں برہما اور اس کا پاک پوتر ہنس۔ پاربتی شیوا۔ پاروتی کی شنگنی۔ شمالی غلام گردش میں جو ایک سو بیس فٹ طویل ہے تصویروں کے بارہ سلسلے ہیں جو زیادہ تر شیو اور پاروتی اور ان کے مصاحبوں سے متعلق ہیں۔ آخری غلام گردش سے ایک زینہ کے ذریعہ مندر میں داخل ہوتے ہیں دروازے پر بڑے بڑے دواریال لاٹھیوں سے مسلح پہرے دے رہے ہیں۔ دیوان کے دو بازو ہیں جن کے تمام گوشوں پر مربع ستون ہیں اور دیواریں شیو لکشمی برہما اور ان کے مصاحبوں کی لاتعداد تصویروں سے مزین ہیں۔ دیوان کے شرقی گوشہ پر درگاہ واقع ہے اس کے پیچھے شہ نشین کے اوپر مندر کا برج بلند ہوتا ہے جو تقریباً (۱۰۰) فٹ اونچا ہے برج پر نیچے سے اوپر تک کثرت سے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ احاطہ کے جنوبی گوشہ پر ایک مختصر سا غار ہے۔ جس میں کالی، گنپتی، وشنو، سرسوتی اور بہت سے دیوتاؤں اور ان کے مصاحبوں کی تصویریں ہیں۔ احاطہ کے شمالی اور غربی پہلو میں تین غار اور ہیں جن میں لنکا یا لنکس وارڑ ۵۰ ۳۲ فٹ طویل اور ۴۰ فٹ عریض ہے اس غار کی چھت تیس منقش ستونوں پر قائم ہے شیو پاربتی اور اوتاروں کی تصویریں بھی ہیں۔ دو زنانہ دربان غالباً گنگا اور جمنا درگاہ کی حفاظت کر رہے ہیں۔ عقبی دیوار پر شیو کی تمو ہی شکل ہے جو اس کے تین صفات خالقیت۔ ربوبیت اور قہاریت کی مظہر ہے۔ کیلاس کے اوپر چند چھوٹے چھوٹے غار تہ خانے اور درگاہیں ہیں۔

غار نمبر (۱۷) ۔ یہ مندر شیوا سے منسوب ہے اس کی چھت بارہ ستونوں پر قائم ہے اندر ایک عبادت گاہ ہے جس کا دروازہ دراویڈی وضع کا ہے مندر کی غلام گردش میں منقش حجرے ہیں جن میں برہما، وشنو اور ان کی زنانہ مصاحبوں کی مورتیں ہیں۔ معبد کی دیواروں پر صرف کیا سوری اور گنپتی کی تصویریں ہیں۔

غار نمبر (۱۸ ۔ ۱۹ ۔ ۲۰) یہ چھوٹے چھوٹے غار ہیں اور کسی میں قابل ذکر نقوش یا درگاہیں نہیں ہیں۔

غار نمبر (۲۱) ۔ اس غار کا نام رامیشوارہ ہے ہال بہت طولانی ہے اور اس کے ہر گوشے

پرورگاہ ہے۔ اور ان کے گرداگرد کالی گنیش شیو پاروتی اور ان کے جلیسوں اور لوگوں کی شکلیں کھدی ہیں۔ شیو اور پاروتی کی شادی کا سماں بھی دکھایا گیا ہے۔

غار نمبر (۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-) پہلے غار کا مقامی نام نیلا کنٹھا ہے۔ اسمیں برہما اور اشتاماترا یعنے آٹھ ماؤں اور گنیش کی تصویریں ہیں۔ اس کے دو غار چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ان میں سنگتراشی کا جو کام ہے وہ بہت ادنی ہے پچیسواں غار بہت کچھ مسمار ہوگیا ہے لیکن ڈیوڑھی کی چھت میں سوریا یعنے سورج کے دیوتا کی تصویر منقوش ہے جو سات گھوڑوں کی رتھ میں سوار ہے اور اس کے دونو طرف ایک عورت کھڑی کمان سے تیر چھوڑ رہی ہے۔ آخری مندر کے ستون جو ۱۲۰ فٹ لمبا ہے الیفنٹا کے مانند ہیں ہر گوشہ پر ایک معبد ہے

غار نمبر (۲۷-۲۸) پہلا غار وشنوی ہے اور اس کا مقامی نام گولن کا مندر ہے اس میں وشنو لکشمی اور برہما کے اشکال ہیں۔ دوسرا غار دو عبادت خانوں اور تہ خانوں پر مشتمل ہے جس میں دروازے کے ہر دو طرف درگاہیں ہیں اور دو دریا لے کھڑے ہیں۔

غار نمبر (۲۹) جس کا ہال ۱۵۰ فٹ مربع ہے۔ سیتا کی نانی یا دومر لینا کے نام سے موسوم ہے۔ اسمیں اچھی خاصی نقاشی مدون ہوئی ہے از آنجملہ ایک میں شیو اور پاروتی کی شادی دکھائی ہے اس غار اور اگلے غار کے درمیان ایک دو غار اور ہیں جو کوڑے کرکٹ سے بالکل پٹ گئے ہیں۔ چھوٹا کیلاس کالکے کے جو اس سلسلے کا دوسرا مندر ہے تھوڑے سے حد کی صفائی ہوگئی ہے۔ اس کی ساخت دراویدی طرز کی بنائی جاتی ہے اور یہ کیلاس کے بڑے ہال کیلیے ستونوں اور مندیوں پر بتایا گیا ہے مسٹر برجس کہتے ہیں کہ یہ مندر جینی منادر کی ترتیب میں اول مگر ساخت میں غالباً سب سے آخری ہے اس کے بعد اندر سبھا کے درمیان ایک نامکمل غار ہے جو مٹی سے پر ہوگیا ہے اس سلسلہ کی آخری سلک میں تین جینی مندر بنام اندر سبھا شامل ہیں دو غار تو دو منزلہ ہیں اور ایک نسبتہً بہت چھوٹا ہے ہر ایک کے معمولی ملحقات بھی ہیں۔ پہلے میں پارس ناتھ اور سات پھنی ناگ کی شکلیں ہیں اور مہاویرا کی تصویر بھی ہے جو جین بہت کے اُن تیرتھن کاروں میں کا آخری شخص ہے جنھوں نے اپنی ریاضتوں کے زور سے قالب کی مزید تبدیلیوں سے

حاصل کی ہے ایک تصویر میں اندرا کو ہاتھی کی پیٹھ پر بٹھایا ہے جو ایک درخت کے نیچے کھڑا ہے اور درخت کی ڈالیوں میں طوطے بیٹھے ہیں۔

غار کے احاطہ میں ایک ہاتھی کو چبوترے پر کھڑا کیا ہے۔ صدر دالان سے ملحقہ چھوٹے چھوٹے کمروں میں اندرا اور اندراپانی کی مورتیں ہیں۔ ایک کمرے میں سانتی ناتھ کے دو بڑے بت ہیں جن میں ایک کے نیچے نویں یا دسویں صدی کے خط میں لکھی ہوئی عبارت ہے اوپر کی منزل میں بھینس اور آم کے درختوں کے نیچے اندرا اور اندراپانی کی تصویریں بنائی ہیں۔ بعض حجروں میں جیناس کی تصویریں ہیں۔ دوسرا مندر جگنناتھ سبھا کہلاتا ہے اس کی بہت سی تصویریں خراب ہو گئی ہیں۔ دیوان اور معبد میں اندرا اور اندراپانی کی تصویریں ہیں۔ صحن کے برآمدے میں چند تحریریں کنٹری زبان میں جو پڑھنے میں نہیں آسکتیں اور حسب رائے مسٹر برجس ان کا تعلق آٹھویں صدی عیسوی سے ہے آخر کار غار تقریباً منہدم ہو گیا ہے اس سلسلہ کے تیسرے مندر کی طرح ان میں اندرا اور اندراپانی کی تصویریں اور نیز اور بہت سی مورتیں نسبتاً اچھی حالت میں ہیں اس غار کے تھوڑی دور اوپر ایک عمارت میں پارسی ناتھ کی گرانڈیل مورت ہے جسے پوجاریوں نے گھیر رکھا ہے +

رباعی

چاہت ہی جو گل کی وہ لطافت سے ہی قیمت ہی جو لعل کی وہ رنگت سے ہی
موتی کی ہے آب سے جہاں میں توقیر انسان کی آبرو صداقت سے ہی

محمد داؤد علیخان واقف

اشمشان

مرہٹی شاعر گڑکری کی ایک نظم کا ترجمہ

ے وہ جگہ جہاں اہل ہنود کی لاشیں جلائی جاتی ہیں ۱۲

آہ ! اشمشان میں انند کہاں ؟ اسکی ٹوٹی پھوٹی دیواریں - اور مہیب درختوں نے کبھی مسرت کا نغمہ اور انند [بیفکری ۱۲] کا گیت ابتک سنا ہی نہیں -

ہمیشہ ماتم اور دردناک رونے کی آوازیں ان کے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں -

جب چتا جلتی ہے ہم سے دیکھا نہیں جاتا لیکن یہ ٹوٹی پھوٹی دیواریں اطمینان سے اس چتا کو دیکھتی ہیں - درخت خاموش کھڑے ہوئے اپنے ہونٹوں کو جنبش دیتے ہیں ندی کے پانی کی لہریں شانت [سکون ۱۲] بہتی ہیں انکو اسکی پروا نہیں کہ کنارے پر کون جلتا ہے اور کیوں جلتا ہے ؟

جو تلاطم ایک انسان کے دل میں اس سین کے دیکھنے کے بعد ہوتا ہے ناممکن ہے کہ ان درختوں یا اشمشان بھومی کے جلتے ہوئے سینہ میں ہوتا ہو -

لکڑی کا بستر، لکڑی کا تختہ [زمین ۱۲] مرنے لے کر جب انسانی نعش آگ او شعلوں کا زریں دوشالہ تان کر سوتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آہ آہ یہ کیا ہی پیاری نیند ہوگی - یہ نعش میٹھی نیند میں محو ہو جاتی ہے - یہ ایسی رات کی نیند ہے جسکی کہ صبح ہی نہیں اور اسوقت جبکہ اسکی راکھ ہوا میں اُڑ رہی ہو تم دیکھو گے کہ ایک چنگاری بھی چتا سے نکل کر دھوئیں کو بھی جلانے کے لئے نکلتی ہے فقط

رفیق ملائی

نوشتہ

مولوی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی

(منشی فاضل)

تاریخ اسلام سے ناواقف نونہالان ملک جب انگریزی تعلیم سے مستفید ہوتے ہیں تو انہیں عموماً یہ خیال گزرتا ہے اور یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ یورپ اور امریکہ نے علوم و فنون میں جو کچھ ترقی کی ہے دنیا کی اور کسی قوم نے نہ کی ہوگی حالانکہ یہ واقعات کے خلاف ہے یورپ نے اسلام کی کہاں تک خوشہ چینی کی ہے اور کس حد تک اسلام سے فیضیاب ہوا ہے وہ خود یوروپین مورخین کی تحریرات سے واضح ہو جاتا ہے گو ایک بڑی حد تک تعصب کی عینک انہیں لگی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے ایک دوسرے مضمون میں جس کا عنوان **"یورپ پر اسلام کے احسانات"** ہے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

آج بیسویں صدی میں تجارت کی جس طرح گرم بازاری ہے چشم بصیرت سے پوشیدہ نہیں یورپ کی ترقی کا بڑا ذریعہ تجارت ہی ہے اور وہ تجارت ہی کے باعث تقریباً تمام دنیا کے گویا مالک ہیں۔

رسالہ تاج قابل مبارکباد ہے کہ اب اسی کے ذریعہ ملک معیشت سے واقف ہو رہا ہے اور اسکے متعلق دلچسپ مضامین شائع ہو رہے ہیں چونکہ تجارت علم معیشت کا ایک اہم شعبہ ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کی گزشتہ تجارت سے نونہالان ملک کو واقف کرایا جائے ایک مختصر مضمون ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے پیش ہے امید ہے کہ دلچسپی سے دیکھا جائیگا۔

ہاشمی

تمہید

فراہمی دولت کے تین ذرایع ہیں زراعت، صنعت اور تجارت۔ مگر جب تک زراعت میں قدرتی امداد شامل نہ ہو اس وقت تک اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ صنعت میں کوئی جدید شئے پیدا نہیں کیجاتی بلکہ قدرت کی موجودہ اشیاء کو ترتیب دیکر دولت حاصل کیجاتی ہے۔ تجارت میں صرف اشیاء کے منتقل کرنے سے صاحب دولت ہو سکتے ہیں۔

اگر ہم زمانہ موجودہ میں ان تینوں کا مقابلہ کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تجارت کا درجہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ اسباب کے کمی کے باعث اور قدرتی امور کے عدم ضرورت کی وجہ سے خرچ کم اور نفع زیادہ ہوتا ہے۔ تجارت کے لئے نہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ آفتاب کے حرارت کی حاجت درکار ہے نہ زمین کی عمدگی کی ضرورت ہے اور نہ اعلی کھاد اور مصالحہ کی۔ اور پھر تجارت کے لئے صنعت کی طرح محنت و مشقت کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی بلکہ تاجر کو صرف نقل مقام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اس کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کس چیز کی کس ملک میں ضرورت اور مانگ ہے اور کونسی شئے کہاں افراط سے پیدا ہوتی ہے اور کہاں نہیں ہوتی۔ پس تاجر صرف نقل مقام سے دولت کماتا اور نفع حاصل کرتا ہے۔

آج کسی ملک و قوم کی تجارت اس قدر وسیع نہیں ہے جس قدر کہ اہل یورپ اور امریکہ کی۔ یورپ اور امریکن تجارت سے جس طرح مالا مال اور دولت مند ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس امر کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم تجارت میں اس قدر ترقی نہ کر سکی جس قدر ان اقوام نے کی ہے۔

آج مسلمانوں کی حالت دوسرے امور کی طرح تجارت میں بھی جس پستی پر پہنچ گئی ہے وہ اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا قدیم زمانہ میں بھی تجارت میں مسلمانوں کی یہی حالت تھی اور وہ تجارت میں پست رہے ہیں یا کیا؟

کیونکہ اگر مسلمانوں کی حالت ابتدا سے تجارت کی جانب نہیں رہی تو پھر اون کی اس میں ترقی کی امید رکھنی فضول ہے کیونکہ جو قوم ابتدا ہی سے ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئی ہے تو پھر کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دوسرے زمانہ میں وہ لوگ ان امور کی جانب متوجہ ہوں گے اور اپنی حالت کو تجارت کے ذریعہ درست کریں گے ۔

کسی قوم کا تجارتی فروغ معلوم کرنا ہو تو ہمیں اوس کی پانچ باتوں پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اولاً یہ کہ اس قوم کی تجارت کن کن ممالک سے ہے اور اس کے تجارتی تعلقات دنیا میں کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تجارت کے لئے کون سے راستے اختیار کئے گئے ہیں آیا بلحاظ حالات وضروریات ان میں کوئی خاص بات ملحوظ رکھی گئی ہے یا نہیں؟ تیسرے ذرائع حمل ونقل کیا کیا ہیں۔ کن کن ذرائع سے وہ اپنی تجارت غیر ممالک میں پھیلاتے ہیں چوتھے اشیاء درآمد وبرآمد کیا کیا ہیں؟ پانچویں تجارتی مرکز کہاں کہاں قائم کئے گئے ہیں آیا بلحاظ حالات وضروریات زمانہ وہ مرکزی مقام قابل ہے یا نہیں؟ آخر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس قوم کے تاجروں کے محاسن اور اخلاق کیسے ہیں آیا خوش خلق ہیں یا بدخلق؟ صاحب مروت ہے یا بے مروت؟ انہیں اپنی تجارت کو فروغ دینا آتا ہے یا نہیں؟ وہ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کرتے ہیں۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر ہمیں مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہئے مگر قبل اسکے کہ ان امور پر نظر ڈالی جائے اولاً ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر کی ضرورت ہے۔

جب ہم کو مسلمانوں کی ابتدائی حالت کے پہلے نظر ڈالنے کی ضرورت ہو تو صرف عربوں کو لینا چاہئے کیونکہ اسلام کی ابتداء پہلے عربوں ہی سے ہوئی اور یہی قوم ایک عرصہ دراز تک اسلام کی علم بردار رہی۔ پس دیکھنا چاہئے اسلام کے پہلے اس قوم کی تجارت کی کیا حالت تھی؟

عربوں کی تجارت

ریگستان عرب میں زراعت کی کمی ہے۔ عرب صنعت وحرفت سے واقف نہ تھے اسلئے ان کی زندگی کی بسر اوقات تجارت ہی پر منحصر تھی ان کے قافلے بصریٰ شام اور مصر کو جایا کرتے تھے۔ اہل یمن ہندوستان سے بھی تجارتی سلسلہ رکھتے تھے عرب کا رمد اور شہد کھجور اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اشیاء برآمد تھے۔

غلہ کپڑے ہتیار تبادلہ میں حاصل کیا کرتے عرب کی دولتمندی کا ذریعہ یہی تجارت تھی عموماً وہاں کے شرفا کا پیشہ تجارت ہی تھا۔ بڑے بڑے روسائے عرب تجارت کی غرض سے سفر کیا کرتے اور قافلہ سالاری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ مدین ہی کے تاجروں کا قافلہ تھا جس نے مصر کو جاتے ہوئے یوسف علیہ السلام کو خریدا کیا تھا۔ غرض کہ عرب کا تمول تجارت ہی پہ منحصر تھا۔

حضرت رسالت مآب اپنی بعثت کے پہلے تجارت ہی کیا کرتے تھے جو آپ کا آبائی پیشہ تھا تجارت کی غرض سے آپ شام و بصریٰ کے متعدد سفر کر چکے تھے بعثت کے بعد چونکہ آپ کو تبلیغ اور ہدایت کے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ہوتی تھی جو اپنے آبائی پیشہ کو جاری رکھتے اسلئے آپنے اس کو ترک کر دیا۔

مگر اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اسلام تجارت کے متعلق کیا احکام دیتا ہے آیا اوس کے احکام عیسویت کی طرح ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں یا کیا؟ جب ہم فرمان الٰہی اور ارشادات نبوی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں ایسے صاف اور صحیح احکام ملتے ہیں جو تجارت کی بہترین طور پر تائید کرتے ہیں اور تاجر کا اعلیٰ مرتبہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ یعنے تم زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کے فضل یعنے معاش کی جستجو میں مصروف ہو جاؤ۔ آنحضرتؐ نے ارشادات فرمائے ہیں۔

دلیر تاجر کو رزق ملتا ہے اور نامرد تاجر محروم رہتا ہے۔ سفر کرو صحت اور رزق حاصل کرو۔ امانت دار راستباز مسلمان تاجر قیامت میں شہید کے ساتھ اٹھیگا (ابن ماجہ) راست باز تاجر قیامت میں عرش کے سایہ میں رہے گا (دیلمی)

غرض کہ اسلام اپنے پیروؤں کو ترغیب دیتا ہے کہ اگر ان کو ایک مقام پر کسب دولت میں دشواری ہو تو وہ ایسے مقام پر ہجرت کر جائیں جہاں وسائل معیشت آسانی کے ساتھ مہیا ہو سکیں اور اس فقر و فاقہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جسکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ فقر قریب ہے کہ کفر کے درجہ کو پہونچ جائے۔

ان احکامات کی تعمیل تھی کہ صحابہ کبار ہمیشہ تجارت کرتے اور اس کے لئے بحری اور بری سفر کرتے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم کے سوا جو وقت بچتا اس میں زیادہ تر اصحاب تجارت ہی کیا کرتے تھے کیونکہ اور کوئی ذریعہ کسب دولت کا تقریباً نہیں تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے پہلے تجارت ہی کیا کرتے تھے جو پارچہ غلہ کھجور وغیرہ کی ہوتی تھی۔ تجارت کے باعث صحابہ کی دولت مندی کی کیا حالت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتقال کے بعد آپ کے خزانہ میں ایک لاکھ دیناروں لاکھ درہم تھے وادی محریٰ اور حنین میں آپ کی جاگیر ایک لاکھ دینار سے کم نہ تھی۔ حضرت زبیرؓ کا ترکہ پچاس ہزار دینار تھا طلحہؓ کی عراق کی آمدنی یومیہ ایک ہزار دینار تھی ناحیہ السراۃ کے غلہ کی آمدنی اس سے زیادہ ہوتی تھی۔ عبد الرحمن بن عوف کے اصطبل میں ہزار گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں موجود تھے نقد ترکہ (۸۴) ہزار دینار تھا۔ زید بن ثابت نے ایک لاکھ دینار کی جاگیر اور بہت کچھ نقد چھوڑا چاندی سونے کی اینٹیں اس کے سوا تھیں یعلی بن امیہ نے پچاس ہزار دینار نقد اور جاگیر چھوڑی جس کی قیمت تین لاکھ درہم تھی۔[1] المختصر اس طرح ان کی دولت مندی کے نظائر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اب اصل مضمون کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔

تجارتی تعلقات

سب سے پہلے مجھے یہ بیان کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کے تجارتی تعلقات کن کن ممالک میں پھیلے ہوئے تھے کہاں کہاں ان کی تجارت ہوتی تھی۔

جس وقت مسلمانوں کی تجارت شروع ہوئی اس وقت دنیا کے تین براعظم معلوم تھے یعنی ایشیا یورپ اور افریقہ۔ ان تینوں میں بھی ایشیا کو دوسرے دونوں اقلیموں پر بلحاظ تمدن و تہذیب تفوق حاصل تھا زرخیزی اور مال و دولت کی فراوانی کے لحاظ سے بھی یہی براعظم بڑا تھا اور ایشیا کے بھی آباد اور زرخیز حصے۔ ہندوستان چین۔ ایران اور شام و فلسطین تھے علاوہ ازیں بحر ہند کے جزائر بھی معلوم شدہ اور آباد تھے۔

ان کل ممالک میں مسلمانوں کی تجارت پھیلی ہوئی تھی وہ نہ صرف تجارت کی غرض سے جاتے تھے بلکہ متوطن ہو کر تبلیغ اسلام کے فرائض بھی باقاعدہ مشنری کی حیثیت سے بجا لاتے تھے۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون بحوالہ المسعودی

اس رجحال کے بعد تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ایران شام و فلسطین ایشیا کے ان ممالک میں جب اسلامی فوج داخل ہوئی اور اسلامی علم لہرانے لگا اور یہ ملک اسلام کے زیر نگیں آگئے تو ساتھ ساتھ مسلمان تاجر اپنی تجارت میں مشغول ہو گئے اور ان کو کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کیونکہ اسلام سے پیشتر ہی سے عربوں کے تجارتی تعلقات ان ممالک کے ساتھ قائم تھے۔

خلفائے راشدین کے بعد جب دمشق اور پھر بغداد دارالخلافت قرار پائے تو ان ممالک کی تجارت علم و ہنر کی ترقی کی طرح نہایت روز بروز بڑھتی گئی چونکہ تجارت کرنا کسی عیب میں داخل نہ تھا بلکہ شرفاء کا پیشہ تھا صرف تجارت ہی قابل وقعت پیشہ تصور ہوتا تھا اس لئے بڑے بڑے علماء وقت تجارت میں مشغول تھے چنانچہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جو امام وقت تھے کپڑوں کی تجارت کیا کرتے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بہت بڑی تجارت ہوتی تھی آپ کے تجارتی مال کے لدے ہوئے جہاز آتے جاتے تھے۔ یہ ایک دو نہیں بلکہ مسلمانوں کے جتنے مشہور صاحب علم دفن گزرے ہیں ان میں سے زیادہ تر تجارت ہی کیا کرتے تھے غرضکہ ان ممالک کی تجارت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھی وہی سب سے بڑے تاجر تھے۔ دنیا کے مشہور ممالک میں اس وقت یہ دونو شہر بلحاظ تجارت کے بھی اپنی آپ نظیر تھے اور کوئی ملک یا شہر ان کے ہم پایہ نہ تھا دنیا کے ہر حصہ کی چیز دمشق اور بغداد کے بازاروں میں ملتی تھی۔

مسلمانوں کی تجارت کے متعلق موسیو لیبان لکھتا ہے "عربوں کی تجارتی کوشش ان کے علوم و فنون و حرفت کی کوشش سے کچھ کم نہ تھی اس زمانہ میں جبکہ یورپ کو شرق کے دور دراز حصوں کی خبر تک نہ تھی جب کہ افریقہ باستثناء چند سواحل کے ایک نامعلوم حالت میں تھا عربوں کے تعلقات تجارتی ہندوستان چین اور وسط افریقہ اور یورپ کے غیر مشہور ممالک مثل روس اور سویڈن اور ڈنمارک کے ساتھ موجود تھے[۱]۔"

ہندوستان یہاں عربوں کی تجارت زمانہ جہالت سے تھی یمن کھا بندرگاہ عدن سے جہاز آیا کرتے تھے حکومت اسلامیہ کے قائم ہوتے ہی انہوں نے ہندوستان کی تجارت کو فروغ دینا شروع کر دیا۔

ہنوز اسلامی فوج کا علم کابل و غزنی تک ہی پہونچا تھا مگر سواحل جنوبی ہند سے تجارتی تعلقات وسیع ہوگئے تھے اور جب کہ سندھ اور پنجاب ہی اسلامی حکومت میں داخل ہوئے تھے مگر ان کی تجارت جنوبی ہند میں دور تک سواحل مشرقی و مغربی کارومنڈل و ملابار اور ان کے ساتھ جزائر بحر ہند تک وسعت ہو چکی تھی اور نہ صرف ہندوستان کے ساحلی مقامات سے ان کی تجارت وابستہ تھی بلکہ اندرون ملک دور دور تک پہونچ چکی تھی مدھرہ ترتا ولی ملیبار تنجاور وغیرہ مقامات پر تجارت پھیلی ہوئی تھی اور کچھ عرصہ بعد جب کہ اسلامی سلطنت شمالی اور جنوبی ہند میں حکومت پر جلوس فرما ہوگئی تو کشمیر۔ دولت آباد۔ دہلی۔ بیدر۔ گلبرگہ۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ وغیرہ تجارت کے صدر مقام تھے۔ اور ہندوستان کے مشہور بنادر میں کولم۔ کالیکوٹ۔ ٹھٹہ۔ گووہ تھے کھمبایت بھی ایک مشہور بندرگاہ تھی جہاں مسلمان سوداگروں کے جہاز چین۔ جاوا۔ سیلان مالدیپ۔ یمن۔ اور فارس سے جمع ہوتے تھے یہاں کا ملک التجار ابن بطوطہ کے زمانہ میں ابراہیم شاہ تھا جو بحرین کا باشندہ تھا۔ اس کے دسترخوان پر ہر ملک کے سوداگروں کا مجمع ہوتا تھا اسی زمانہ میں یہاں شقال نام ایک ناخدا (کپتان جہاز) بھی نہایت مالدار شخص تھا جس کے جہاز چین۔ ہندوستان۔ یمن۔ اور فارس میں تجارت کرتے تھے[۱] ان بندرگاہوں میں کولم اور کالیکوٹ دنیا کی مشہور بندرگاہوں سے تھے[۲] مغربی ساحل کی بندرگاہوں میں دابھول اور جیول دو بڑے اور مشہور بندرگاہ تھے جن کو بہمنیہ خاندان کے زمانہ میں خوب ترقی ہوئی اور سلطنت بہمنیہ کے بحری کارناموں کے مرکز تھے[۳] جنوبی ہند کے تاجروں میں لبے مشہور تھے اور آج تک بھی ان کی تجارت دنیا سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

چین رسالت مآب صلعم کے پہلے عربوں کی تجارت ہندوستان کی وساطت سے چین سے ہوتی تھی مگر براہ راست تجارتی تعلقات حکومت اسلامیہ کے قائم ہونے کے بعد ہوئے۔ ان کی تجارت اندرون ملک دور تک پھیلی ہوئی تھی جینچو۔ کانٹن ہانگ چو انو۔ پکن میں مسلمان تاجروں کی کثیر تعداد تھی جو صاحب مال و دولت تھے ابن بطوطہ کے زمانہ میں اوحد الدین بخاری۔ ظہیر الدین قرلانی۔ عثمان بن عفان مصری وغیرہ

---

۱ سفرنامہ ابن بطوطہ ۲ سفرنامہ ابن بطوطہ ۳ سیرۃ المحمود۔

مشہور تاجر تھے۔[1]

یہی تجارتی تعلقات تھے جن کے ذریعہ اسلام چین میں پھیلا اور آج تک ان کی ایک کثیر آبادی ہر حصہ ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

یورپ | براعظم یورپ کے بیشتر حصہ پر جہالت کی تاریکی مسلط تھی مگر اس تاریکی کے دور اور غیر مشہور ممالک میں بھی اسلامی تجارت پہونچ چکی تھی ایک طرف تو کوہ پرینیز ہو کر تمام فرانس میں پھیل گئے تھے اور دوسری طرف دریائے والگا پر استرخان سے بلغار تک وسعت پا چکی تھی اور بحر بالٹک سے گزر کر فن لینڈ سوئیڈن ڈنمارک پروشیا سائلیشیا پولینڈ اور دارساہین اسلامی تجارتی ہوتی تھی[2]۔ روس کے انتہائی شمال بلغار تک پہونچ جانا ان کی وسعت تجارت پر کافی دلالت کرتا ہے۔ غرض کہ مسلمانوں کو جہاں کہیں بحری راستے ملے وہ ان کے ذریعہ سے سواحل پر پہونچ جاتے تھے اور ہر ممکن ذرائع سے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے تھے۔

افریقہ | افریقہ کی تجارت بھی قدیم زمانہ سے ہے مصر اور حبش میں اسلام کے پہلے ہی سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ اس کے بعد ان کی تجارت کو وسعت ہوئی اور وسط افریقہ کے ان کل حصوں میں اسلامی تجارت پھیلی ہوئی تھی جہاں یورپ آج تک نہیں پہونچا ہے اور جہاں کی ہر ایک سیاحت ایک عظیم الشان مہم تصور کی جاتی ہے۔

مغربی عرب افریقہ کے غربی ممالک سے اور اہل مصر شرقی اور وسطی افریقہ کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ یہ مسلمان تاجر صحادی سے گزر کر گرلیشیا تک جاتے تھے اس طرح وہ ٹمبکٹو کے شہر تک پہونچ چکے تھے۔ زنجبار کافرستان۔ ماسہ۔ فرامیک۔ سفالا لنڈ۔ میگا گاسکو اور جزیرہ میڈگاسکر سقوطرہ، طرابلس۔ خیزران سودان نگرلیشیا وغیرہ مقامات میں پھیلے تھے[3]

اس تمام بیان ہائے گذشتہ سے اُن کی تجارت کی وسعت پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی تجارت کن کن ممالک سے وابستہ تھی۔

تجارتی راستے | اب تجارتی راستوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے ساتھ تجارت

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ [2] تمدن عرب [3] سفرنامہ ابن بطوطہ [4] تمدن عرب

کے تین راستے تھے ایک بری دوسرا بحری۔ بری راستہ دمشق بغداد سمرقند ایران سے گزر کر کشمیر ہوتا ہوا ہندوستان پہونچتا تھا۔ بحری راستوں کے منجملہ ایک راستہ خلیج فارس کے بندر سراف وغیرہ سے اور دوسرا عربستان ہوکر بحر احمر کے بندروں علی الخصوص عدن سے تھا۔ چین کے بری و بحری مختلف راستے تھے بحری راستے سواحل عرب یا خلیج فارس کے بندروں سے شروع ہوتے اور براہ راست چین کے جنوبی حصے تک منتہی ہوتے تھے بری راستے تین تھے ایک کشمیر ہوکر دوسرا ختن ہوکر اور تیسرا منگولیا ہوکر۔

افریقہ میں مغرب اور مشرق دونوں سواحل سے تجارت وابستہ تھی۔ اسپین کی تجارت یہودیوں اور بربریوں کے ذریعہ افریقہ سے ہوتی تھی شامی اور مصری شرقی اور وسطی افریقہ میں جاتے تھے۔ افریقہ کے راستوں کے متعلق موسیو سدیو لکھتا ہے۔

"عرب سواحل افریقہ کے کنارے کنارے پہلے ابلائے باب المندب تک اور اس کے بعد زنجبار اور کافرستان کے ملک تک پہنچے انہوں نے براوا۔ ماسہ قلوا کو فتح کیا جہاں سلطان شیراز کے ایک بھائی نے پناہ لی تھی انہوں نے وامبیک۔ سفالا لنڈ اور سیڈ گاسکو کی بنا ڈالی پھر یہ سواحل کے قریب کے جزائر پر اور جزیرہ میڈ گاسکر کے مختلف مقامات پر قابض ہوئے۔ وسط افریقہ میں جس کا حال اس وقت تک ہمیں بہت کم معلوم ہے اسلام کا تسلط کچھ کم نہ ہوا۔ اُن شہروں کے ذریعہ سے جو عربوں نے ساحل شرقی پر قائم کئے تھے ان کو ملک کے اندر تک پہونچنا نہایت آسان ہوگیا تھا سوڈانیوں کا ملک جو نیک خلیق اور مہمان نواز قوم ہے اور جزیرہ گانتو طرہت بڑے مرکز تجارت تھے یہاں بھی عرب پہنچ گئے تھے اور انہوں نے حبش اور سینار اور کردفان تک جس کا تعلق ہمیشہ مصر سے رہا ہے اور جوفی الواقع دار فور اور واوی کی کنجی ہے اپنی تجارت پھیلائی تھی۔ وہ طرابلس سے فیزان کو جاتے تھے۔ جو قافلے مغرب سے روانہ ہوتے تھے بالکل اس عظیم الشان صحرا کے ریگستان سے جو دریائے نیل سے سمندر تک وسیع اور رقبہ میں دو لاکھ

مربع فرسخ ہے بالکل نہ ڈرتے تھے اس کو طے کر کے سوڈان اور نگریشیا کے ملک میں پہنچے۔ تجار عرب کا گزر غالباً ایسی اقوام میں ہوا تھا جو خاص اور خالص افریقی تھیں اور حال کے سیاح ان اصلاحوں کی شہادت دیتے ہیں جو عربوں کی وجہ سے ان اقوام کے اوضاع اور اخلاق میں واقع ہوئیں[۱]"

مسلمانوں کو کہ تجارت یورپ کے چار راستے تھے ایک تو اسپین سے ہوتے ہوئے کوہ پرنیز سے گزرتا تھا۔ دوسرا بحر متوسط سے اور تیسرا روس ہو کر دریائے والگا پر سے شمالی یورپ کو بلغار تک جاتا تھا۔ اندلس کے مسلمان پہلے دو راستوں سے اور مشرقی مسلمان تیسرے راستے سے تجارت کرتے تھے ایک چوتھا راستہ قسطنطنیہ سے گزر کر جزیرے تا بلغان میں پہونچتا تھا

یہ راستے جو مسلمانوں نے اختیار کئے تھے بلحاظ ضروریات و حالات نہایت مفید تھے کیونکہ ہندوستان کے لئے خلیج فارس اور بحر عرب سے گزرنا ہوتا تھا جو اسلام ہی کے زیر علم تھے۔ ان کے جہازوں کو کسی غیر ملک سے گزرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح جو بری راستہ اختیار کیا گیا تھا وہ بھی اسلامی ملک تھے اور قربت کے لحاظ سے بھی ان میں موزونی تھی مثلاً حجاز و یمن کی پیداوار کے لئے بحر عرب نہایت قریب کا راستہ تھا۔ ایران اور بغداد کے لئے خلیج فارس سے ہو کر ہندوستان آنا نہایت آسان تھا۔ سمرقند و بخارا وغیرہ کے لئے کشمیر ہو کر بری راستہ قریب ترین تھا۔

اسی طرح بحر متوسط ان ہی سے قبضہ میں تھا اس لئے کل یوروپ اور افریقی بندرگاہوں میں اپنی وقت اور زراعت بھیجنے میں آسانی ہوتی تھی۔ جو تجارت روسی ممالک ہوتی تھی وہ بحر خزر سے شروع ہوتی تھی دمشق بغداد سمرقند طہران اور طفلس کے تاجر دریائے والگا پر استرخان سے بلغار تک جایا کرتے تھے جو قریب ترین راستہ تھا اور پھر زیادہ تر علم اسلامی کے تحت تھا بہرحال اس امر کا کامل پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے تاجر انتخاب راستہ سے بخوبی واقف اور ماہر تھے۔

ذرائع حمل ونقل

حمل ونقل کے ذرائع بیشک محدود تھے بحری راستے جہازوں کے ذریعہ طے ہوا کرتے جہاز پردوں کے ہوتے تھے جو ہوا کے زور سے چلا کرتے۔ یہ جہاز اس وقت کے بہترین ذریعہ سفر تھے جو اپنے کیل کانٹوں سے بخوبی آراستہ ہوتے تھے راستے معلوم کرنے کے لئے قطب نما استعمال ہوا کرتا تھا۔ مسلمان جہاز ران اس وقت کے بہترین جہازران تھے جن پر کسی دوسری قوم کو سبقت حاصل نہ تھی عرب جہاز سازی کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے ان کے جہازوں کا کارخانہ جہاز سازی پہلی صدی ہجری ہی میں قسطاط کے مقابل جزیرہ روضہ میں قائم ہوچکا تھا۔

بری راستے کاروانوں کے ذریعہ اونٹ۔ خچر۔ گھوڑوں پر طے ہوا کرتے تھے ایک ایک کاروان میں ہزاروں آدمی ہوا کرتے بعض وقت شاہی فوج بھی ہمراہ ہوتی تھی تاکہ قافلے کی حفاظت کرے۔ اور کبھی میر قافلہ کا انتخاب بھی سرکاری جانب سے ہوا کرتا تھا۔

تاجروں کی آمد ورفت کے لئے پختہ سڑکیں تیار کی گئیں تھیں جن کا طول ہزاروں میل کا بھی ہوا کرتا تھا جگہ جگہ سرائیں موجود تھیں دریاؤں پر پل بنائے جاتے۔ اکثر مقامات پر دو طرفہ سایہ دار درخت لگائے جاتے تھے۔ پانی کے لئے کنویں کھدائے جاتے تھے حفاظت کے لئے پولیس متعین ہوتی تھی ابن خلکان لکھتا ہے کہ "ملک شاہ کی وسیع سلطنت میں جس کا رقبہ کئی لاکھ مربع میل تھا تمام ملک میں سرائیں پل، اور راستے تیار تھے۔ راستوں کی امن کی یہ حالت تھی کہ ترکستان سے لیکر شام کے آخری سرحد تک قافلے بغیر کسی حفاظت اور بدرقہ کے سفر کرتے تھے اور ایک آدمی تنہا ہزاروں کوس جدھر چاہتا جاتا تھا[۵]"

اشیاء درآمد وبرآمد

اب ہمیں اشیاء درآمد و برآمد پر نظر ڈالنی چاہئے جو ملک کی صنعت اور پیداوار کے لحاظ سے مختلف تھے ان کے تبادلہ میں وہاں کی کارآمد اور مفید چیز لائی جاتی تھی۔

یمن پارچہ بافی کے لئے مشہور تھا یہاں سے پارچہ اور متعلقات یمن صنعا وغیرہ سے خرمے گندم، روغن لبان فارس اور ہندوستان جاتے تھے وہاں سے دہان کی ساخت کے

پارچے آتے تھے۔

حوران (عراق عرب) وغیرہ سے غلہ دمشق اور سواحل شام پر روانہ ہوتا تھا جہاں سے یورپ روانہ کیا جاتا۔ اس غلہ کے عوض وہ اپنے مائحتاج کی دوسری چیزیں کپڑا وغیرہ دمشقی تاجر سے لیا کرتے تھے۔ دمشق لہاری کے فن اور خصوصاً تلواروں کی ساخت کے لئے مشہور تھا۔ یہاں کا سامان دور دور تک جاتا تھا بصرہ سے کھجور مشرق اور مغرب کو روانہ ہوتا تھا۔ طہران سے فرنیچر اسباب آرائش۔ سوت۔ کتان۔ ریشم اور اونی کپڑے باہر جاتے تھے۔ اصفہان سے کتان اور اون کے نہایت ملائم اور نرم پارچے روانہ ہوتے۔ مرو ریشم کی تجارت کا مرکز تھا۔ ہرات میں قالین اور تلواریں نایاب بنتے اور ان کی مانگ ہوتی تھی بلخ سے قیمتی پتھر باہر جاتے تھے۔ نیشاپور سے حریر کا پارچہ نخ دکنجا وغیرہ ہندوستان جاتا تھا۔

کشمیر سے شال مصالح۔ عطریات مثل بہالکڑیوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ جنوبی ہند سے لوہا۔ جواہرات۔ ناریل۔ چاول کا تبادلہ ہوتا۔ جاوا سے لوبان کافور۔ عود سیاہ مرچ وغیرہ ممالک غیر کو روانہ ہوتے تھے مالدیب سے مچھلی۔ ناریل۔ سوتی چادریں۔ عمامے۔ تانبے کے برتن ناریل کی رسی حاصل کی جاتی تھی۔ ناریل کی رسی نہایت کارآمد تھی جو ہندوستان چین اور یمن کو جہازوں کے لئے جاتی تھی۔

چین سے حریر۔ اطلس کمخواب چینی برتن۔ چاء۔ ادویہ حاصل کئے جاتے چینی برتن خاص کر کانٹن سے لے جاتے جہاں ان کی کثرت تھی۔ اس کے علاوہ شیر ببر بھی ان میں شریک تھا جس کے عوض بیس ہزار تھان کپڑے دینے ہوتے تھے۔ ان اشیاء کے عوض جواہرات۔ مونگا۔ گھوڑے۔ سوتی کپڑے۔ اور سرخ ونگس کا کپڑا وغیرہ چین میں فروخت کیا جاتا تھا۔

افریقہ کے شہروں میں صبرہ غلہ کی تجارت کا خاص مقام تھا۔ صوتہ سے زربفت بادلے کے تھان جو نہایت صفائی سے بنے جاتے تھے باہر جاتے تھے۔ طرابلس سے نمک۔ فیض سے کپڑے۔ صابون۔ ریشم اور زردوزی اشیاء جن کے وہاں بکثرت کارخانے تھے دریا ورکو جاتے تھے۔ اسکے علاوہ غلہ۔ کھجور۔ انگور۔ زیتون کی افراط تھی۔ وسط افریقہ

سے۔ پر۔ سونے کا برادہ۔ ہاتھی دانت۔ عنبر۔ ہرن کی کھال کی تجارت ہوتی تھی۔ مراکش سے دباغت کیا ہوا چمڑا روانہ ہوتا تھا۔

اسپین سے معدنیات لعل۔ زمرد۔ موتی۔ مرجان۔ اسلحہ۔ ریشمی۔ اور دیگر قسم کے کپڑے۔ دباغت کیا ہوا چمڑا۔ شکر روئی۔ زعفران۔ کاغذ۔ گندک۔ رنگ عنبر۔ وغیرہ اشیاء دیگر ممالک کو خصوصاً قسطنطنیہ کو بکثرت روانہ ہوتے تھے۔ شمالی یورپ سے عنبر۔ سمور۔ رانگ لونڈیاں لی جاتی تھیں۔ اس مال کے عوض اہل ڈنمارک ان سے اقسام کے ملبوسات مشرقی قالین۔ قیمتی گلدان۔ زیورات سینتے تھے۔ بلغار سے سمور سنجاب۔ قاقم حاصل کرتے تھے قاقم کا ایک لبادہ ہندوستان میں تین ہزار دینار کو فروخت ہوتا تھا۔

سسلی میں مصری روئی۔ بنفشہ۔ طباشیر پیدا ہوتی تھی غلہ میں گیہوں کی پیداوار بکثرت تھی انگور اور دوسری قسم کے میوے بھی بافراط ہوتے تھے یہ تمام اشیاء باہر[۱] جاتے تھے المختصر یہ تمام اشیاء تھے جن کی تجارت ہوتی تھی۔

تجارتی منڈی

اب تجارتی منڈیوں کے متعلق غور کرنا چاہیے اور یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اس زمانہ میں تجارتی منڈیاں کون کون شہر تھے اور بلحاظ حالات وضروریات وہ موزوں تھے یا نہیں؟

مکہ معظمہ ایک بہت بڑی تجارت گاہ تھی جہاں دوردراز ملکوں کی پیداوار اور صنعت فروخت کے لئے لائی جاتی ایام حج میں ان کی خوب بکری ہوا کرتی تھی چوں کہ ہر ملک کے آدمیوں کا یہاں مجمع ہوتا تھا اس لئے تبادلہ کا نہایت عمدہ موقع ہوا کرتا تھا اور اب بھی ہے۔

عدن سے نہ صرف ہندوستان کو جہاز روانہ ہوتے تھے بلکہ سوئیس (سویز) اسکندریہ کو بھی روانہ ہوتے تھے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے "عدن بلاد یمن کا بہت بڑا بندر ہے اس بندر میں بڑے بڑے جہاز کھمبایت۔ ٹھٹھہ۔ کولم کالیکوٹ۔ قندرانیہ۔ شالکھاں۔ منجرور فکنور۔ ہنور اور سندابور وغیرہ سے یہاں آکر لنگر انداز ہوتے ہیں اور تجار ہندوستان

---

[۱] در آمد و بر آمد اشیاء سفرنامہ ابن بطوطہ اور تمدن عرب سے ماخوذ ہیں۔

بھی یہاں سکونت رکھتے ہیں۔ مصر کے تجار بھی یہاں مستقیم ہیں[۱]۔

عمان کے سواحل میں ہرمز جدید ایک مشہور بندرگاہ تھی جہاں ہندوستان کے جہاز آتے تھے۔ اس مقام سے ہندوستان کا مال عراق عرب و عراق عجم اور فارس و خراسان کو روانہ ہوتا تھا۔

حجاز کے ملک میں مدینہ منورہ بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی جہاں سے تمام حجاز شام اور عراق کو سامان روانہ ہوتا تھا۔

ملک شام کا مرکز شہر دمشق تھا جہاں حجاز کا پورا مال آتا اور سواحل شام سے یورپ کو روانہ ہوتا تھا۔ شام کے سواحل میں صور اور عکہ مشہور بنادر تھے یہاں مشرق اور مغرب کے تجار جمع ہوتے تھے۔

عراق عرب کا صدر مقام بغداد تھا جہاں خلیج فارس کے ذریعہ جہازیں مال آتا اور جاتا تھا۔ بغداد دارالخلافت ہونے کے باعث دنیا بھر کے شہروں میں ممتاز اور تجارت کے لحاظ سے سب پر تفوق رکھتا تھا۔ بغداد کی دلکشی اور خوبصورتی اور اس کی شان و عظمت کے باعث سیاحین اور شائقین کے گروہ کے گروہ اس کی طرف کھچے آتے تھے۔ کہا جاتا ہے ان لوگوں کی سالانہ تعداد حجاج مکہ کی تعداد کے برابر ہوتی تھی۔

عراق کے شہروں میں بغداد کے علاوہ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ مدین یہ سب قافلوں کے پڑاؤ اور روانگی کے مقامات تھے۔

ایران کے شہروں میں نیشاپور۔ سمرقند۔ رے۔ اصفہان۔ مرو۔ ہرات۔ بلخ ختن۔ بخارا وغیرہ صدر مقامات تھے جہاں تجار کا مجمع ہوتا تھا۔ سمرقند کی منڈی سے (جہاں چین کا مال آتا اور جاتا تھا) براہ راست حلب کو روانہ کیا جاتا جہاں سے کل مشرقی شہروں میں تقسیم ہوا کرتا تھا۔

ہندوستان کے بنادر وں میں کئی ایک مشہور تھے۔ بقول ابن بطوطہ[۲] کولم اور کالیکٹ دنیا کے مشہور بنادر تھے۔ کالی کوٹ کے بندر میں چین جاوا سیلان۔ مالدیپ۔ یمن اور

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ۔ [۲] سفرنامہ ابن بطوطہ۔

فارس کے سوداگر آتے تھے بلکہ تمام دنیا کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے۔ کولم دوسری مشہور بندرگاہ تھی جہاں کے سوداگروں کو صولی کہتے تھے[1] جو بڑے مالدار ہوتے تھے بعض سوداگر پورے جہاز کا مال اکیلے خرید لیا کرتے تھے۔ مسلمان سوداگروں میں سب سے بڑا ابن بطوطہ کے زمانہ میں علاؤ الدین اوجی شہر آوہ کا باشندہ تھا۔ کھمبایت ایک اور مشہور بندرگاہ تھی۔ ان کے علاوہ گولکنڈہ۔ دولت آباد سورت۔ ملتان۔ دہلی۔ آگرہ۔ اجمیر۔ لکھنو۔ احمد آباد وغیرہ شہر تجارتی مرکز تھے۔

اندلس کی بندرگاہ کیندر۔ ملاگا۔ کارتھج بڑے بڑے تجارتی سنٹر تھے۔ یورپ کے شمالی ممالک کی تجارت بحیرۂ خزر سے شروع ہوتی تھی جہاں دمشق۔ بغداد۔ سمرقند طہران اور طفلس کے تاجر جمع ہوتے تھے۔[2]

افریقہ میں قیروان۔ صوصہ۔ مراکو۔ طرابلس بڑے بڑے تجارتی سنٹر تھے اسکندریہ تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا گویا کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ کا ناکہ تھا جہاں ان تینوں اقلیموں سے تجار آتے اور اپنے اپنے ممالک کو مال لیجایا کرتے تھے یورپین ممالک یعنے جینوا۔ فلارینس۔ پیسا سسلی تیا وغیرہ سے تاجر اسکندریہ میں بغرض خریدی اشیاء آیا کرتے تھے۔

اسکندریہ کے بیان میں ابن بطوطہ لکھتا ہے "اسکندریہ کا لنگرگاہ بہت بڑا عظیم الشان ہے تمام دنیا میں سوائے چند جگہ کے کوئی بندرگاہ مثل اسکندریہ کے لنگرگاہ کے عظیم الشان میں نے نہیں دیکھا۔ وہ لنگرگاہ ہندوستان کے ایک کولم کا لنگرگاہ دوسرا کالیکوٹ کا اور ایک لنگرگاہ کفار جو کہ بلاد الاتراک میں بمقام سوداق واقع ہے اور لنگرگاہ زیتون کا جو کہ بلاد چین میں ہے"[3]

محاسن تجار تجارت کے فروغ کے لئے تاجر کا وسیع الاخلاق ہونا ضروری ہے اگر تاجر بااخلاق اور ہنسکھ نہ ہو تو اوس کی تجارت کبھی فروغ نہیں پا سکتی۔ یورپین تاجروں کی کامیابی کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ نہایت بااخلاق ہوتے ہیں۔

اسلامی تاجروں کی کامیابی کی بھی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلمان تاجر قرآن مجید کے احکام کی پابندی میں نہایت صاحب اخلاق ہوتے تھے۔ اور نہ صرف وہ بااخلاق ہوتے تھے بلکہ انکی تجارت صداقت پر مبنی تھی ان کی صداقت کا اظہار ہر ایک موقع پر ہوتا تھا جس کے متعلق مسیولیبان

---

[1] و [2] سفرنامہ ابن بطوطہ [3] تمدن عرب

واقعات تاریخ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ بخوف طوالت صرف ایک واقعہ لکھا جاتا ہے۔

محمد بن المنکدر بغداد میں کپڑوں کی تجارت کرتے تھے ان کے غیاب میں ایک بدوی دس دینار میں ایک پارچہ خرید لے گیا۔ مگر اس کی حقیقی قیمت پانچ دینار تھی جب ان کو معلوم ہوا تو اس کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ اور تمام مسافرخانوں کی تلاش کرتے ہوئے آخر اس کو جالیا۔ جب اوس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے تین صورتیں پیش کیں یا تو کپڑا واپس کر کے دینار واپس لے لے یا دوسرا اچھا پارچہ خرید کرے یا پانچ دینار واپس لے لے۔ بدوی نے باصرار کہا کہ میں نے کپڑا پسند کر کے اور قیمت پر بخوشی راضی ہو کر خرید کیا ہے۔ انہوں نے کہا جو بات میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ کسی مسلمان کے لئے بھی پسند نہیں کرتا آخر جبراً اس کو پانچ دینار واپس کئے[1]

سوداگروں کی تواضع اور دینداری کے متعلق ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں عدن کے حال میں لکھتا ہے "میں عدن میں ایک تاجر کے پاس اترا جس کا نام ناصرالدین فاری تھا ہر روز اس کا کھانا بقدر بیس سوداگروں کے حاضر کیا جاتا تھا نوکر چاکر اس کے تیس سے زیادہ تھے اور باوجود دولت مندی کے وہ لوگ سب کے سب دیندار اور متواضع اور صاحب مکارم اخلاق تھے پردیسی لوگوں کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آتے تھے[2]"

آج کل کے سوداگروں کی طرح اس زمانہ میں بھی اپنی عظمت و وقعت قائم کرنے کا بڑا خیال رہا کرتا تھا چنانچہ اس کے متعلق ایک واقعہ قابل اظہار ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ "ایک سوداگر نے اپنے غلام کو مینڈھا خریدنے روانہ کیا اور ایک دوسرے سوداگر نے بھی اپنے غلام کو اسی غرض سے روانہ کیا اتفاقاً اس دن وہاں (عدن) ایک ہی مینڈھا موجود تھا دونوں غلاموں نے اس کی قیمت بڑھانی شروع کی یہاں تک کہ چار سو دینار تک قیمت پہونچ گئی اور ایک غلام نے اس کو خرید لیا اور کہا کہ میرا کل مال چار سو دینار کا ہے۔ اگر میرا مالک اس کی قیمت ادا کردے تو بہتر ورنہ میں کل مال تجھے قیمت کے عوض دیدونگا کیونکہ میں فتحیاب تو ہوا اپنے ساتھی پر غالب رہا۔ جب غلام اپنے مالک کے پاس گیا اور قصہ کی حقیقت معلوم ہوئی تو اوس نے نہ صرف چار سو دینار ادا کئے بلکہ غلام کو بھی فوراً

---

[1] احسن القصص [2] سفرنامہ ابن بطوطہ

آزاد کر کے ایک ہزار دینار انعام دیئے [1]

آج کل یورپ میں تمام کاروبار جنس لطیف کے ہاتھ سونپ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف اخراجات تنخواہ میں کفایت ہوتی ہے بلکہ خریدار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس گر سے بھی زمانہ قدیم میں فوائد حاصل کئے گئے ہیں مگر دوسرے طریقے سے۔ چنانچہ ابن بطوطہ شہر تبریز کے حال میں ذکر کرتا ہے۔ "ہم یہاں ایک بہت بڑے بازار میں پہونچے جس کا نام قازان تھا دنیا کے عمدہ ترین بازاروں میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے ایک یہ بھی ہے۔ ہر چیز کا کارخانہ علیٰحدہ علیٰحدہ تھا جوہری بازار میں جو میرا گذر ہوا تو وہاں انواع و اقسام کے جواہر دیکھ کے میں حیران ہو گیا حسین و خوبصورت چھوکرے عمدہ و فاخرہ لباس پہنے ہوئے کمروں میں ریشمی پٹکے باندہے ہوئے سوداگروں کے سامنے سے جواہرات اوٹھا اوٹھا کر ترکوں کی عورتوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور وہ اون جواہرات کو کثرت خرید کرتی تھیں اور ان کی خریداری کیطرف بہت رغبت کرتی تھیں اس طرز خریداری میں مجھے فتنہ کا یقین ہوا جس سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے۔ مشک و عنبر کے بازاروں میں جو ہم پہونچے تو وہاں ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھکر پایا [2]"

بنک کا طریقہ موجودہ زمانہ میں تجارت کے لئے بنک کی شدید ضرورت ہے بغیر بنک کے تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا ہزاروں لاکھوں کا مال قرضہ لیا جاتا ہے اور مدت مقررہ پر بنک کو رقم ادا کر دی جاتی ہے غرض کہ بنک کے ذریعہ لاکھوں کی تجارت ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں بھی اس قسم کی تجارت یعنے قرض کے ذریعہ تجارت ہوتی تھی چنانچہ ابن جبیر اپنے سفرنامہ میں بغداد کے حال میں لکھتا ہے۔ "زر کی خرید و فروخت قرض ہوتی ہے یہاں کوئی دینار ایسا نہیں ہے کہ قرض نہ لیا گیا ہو [3]"

ایک تنقیدی نظر صفحات ماسبق سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تجارت کہاں تک دور دور پہونچی ہوئی تھی یورپ کے غیر مشہور ممالک اور افریقہ کے وسطی غیر معروف شہروں تک انکی تجارت وسعت رکھتی تھی۔ دنیا کے دور حصوں میں جہاں اسلامی سلطنتیں قائم بھی نہیں ہوئی تھی اون کی تجارت پہونچ چکی تھی۔ ان کی تجارت کے راستے

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ [2] سفرنامہ ابن بطوطہ [3] سفرنامہ محمد ابن جبیر۔

آباد اور پختہ سڑکوں سے معمور اور پلوں سے آراستہ تھے ہزاروں میل راستہ بے خوف و خطر طے کیا جاتا تھا راستوں میں جا بجا سرائیں خانقاہیں مہمان خانے بنے ہوئے تھے تاجر کے آرام و آسائش کا کافی انتظام تھا۔ بندرگاہوں سے وسطی تجارتی شہر بذریعہ سڑکوں کے وابستہ تھے انہوں نے تجارت کی قربت کے لئے پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ بنا لیا تھا۔

ذرائع حمل و نقل کو انہوں نے کافی ترقی دی تھی جہاز رانی میں وہ بہترین ماہر فن ثابت ہوئے تھے۔ جہازوں پر مقدار معین سے زیادہ مال و اسباب بار کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی کہ کہیں لالچ اور طمع سے تجار زیادہ مال بار کر کے مسافروں کے لئے جان کا خطرہ نہ ہو جائیں۔ بحری سفر جسقدر دور دراز فاصلوں کا وہ طے کرتے تھے آج کچھ کم باعث حیرت نہیں ہے۔

مسلمان صنعت و حرفت زراعت و فلاحت سے بخوبی واقف اور اس میں سرآمد روزگار تھے وہ اپنی پیداوار اور صنعت کو دوسرے ممالک میں روانہ کرنے اور وہاں کی چیزوں کو اس کے عوض لے کر تجارت کو فروغ دینے سے اچھی طرح واقف تھے۔ جو چیز جہاں افراط سے ہوتی تھی اس کو وہاں سے اس کی ضرورت کی جگہ منتقل کرنے سے وہ بخوبی واقف تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی سے ذرا تجاوز نہیں کرتے تھے اشیاء مایحتاج کی قیمت کی شرح ان کے ہاں اکثر غربا اور کم استطاعت لوگوں کی حیثیت کے موافق مقرر کی جاتی تھی تاکہ وہ تباہ حال اور برباد نہ ہو جائیں۔ آج کل کی طرح وہاں مال کے برآمد سے قحط کی نوبت نہ آتی تھی وہ اسقدر مال وہاں سے حاصل کرتے تھے جو ضرورت سے بہت زیادہ رہتا تھا۔

ان کے تجارتی قوانین اعلیٰ اصول معشیت پر مبنی تھے ان کی تجارت سے ان کی اعلیٰ تہذیب اور شرافت کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی تجارت میں ہمیں جعل فریب دھوکا۔ اور وعدہ خلافی کے نمونے نظر نہیں آتے۔ بلکہ صداقت۔ امانت اور ایمانداری کے اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں۔

وہ اپنی تجارت سے خوب متمتع ہوئے اور نفع کمایا اور تجارت ہی کے باعث
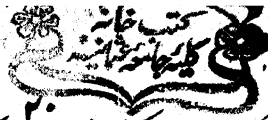
متمول ہوئے۔ مگر اپنی دولت کو کار خیر میں صرف کرنے محتاجوں اور قابل امداد اشخاص کی امداد کرنے میں کبھی دریغ نہ کرتے تھے۔ مدرسوں۔ خانقاہوں۔ سراؤں پلوں کی تعمیر میں کبھی اپنے زر سے بخل نہیں کرتے تھے۔ غرضکہ وہ اپنی دولت کو خرچ کرنے کے ذریعوں سے بخوبی واقف تھے۔

ان کے یہاں آقا اور غلام خادم اور مخدوم مزدور اور سرمایہ دار..... برابر حیثیت رکھتے تھے ان کے پاس کبھی ان لوگوں میں جھگڑے یا فساد کی نوبت نہیں آئی۔ تاریخ اسلام میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس قسم کے واقعات پر مبنی ہو۔ جس طرح سرمایہ دار صاحب مال و دولت ہوتے تھے اسی طرح مزدور فکر معاش سے بے فکر ہوتے تھے انہیں ان کی محنت کا کافی اور دل کھول کر صلہ دیا جاتا ہے۔

المختصر مسلمانوں کے تاجروں کی یہ حالت اور کیفیت تھی آج کل کی حالت دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ کیا ان کے سلف تجارت ہی کے باعث ایسے نام آور اور تجارت ہی کی وجہ سے ایسے دولتمند ہوئے تھے؟

ہر ذرہ پہ فضل کبریا ہوتا ہے
اک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے

اصنام بھی زباں سے یہ کہتے ہیں
وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا ہے

امجد

Mahatma Tulsi Dass.

مہاتما تلسی داس

نوشتۂ

پنڈت رامچندر راؤ صاحب

حیدرآبادی

۷۸۶

[illegible]

بھاشا زبان کے ملک الشعرا سوامی تلسی داس کے نام نامی اور ان کی نامی گرامی ناصحانہ شاعری کا ڈنکا نہ صرف ہندوستان ہی میں اب تک بج رہا ہے۔ بلکہ تہذیب یافتہ ممالک میں بھی اس کی صدا گونج رہی ہے جس کی تصدیق کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسٹر جارج اے گریرسن کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے جیسے اور اور علما و فضلا مغرب بھی ان کی شاعری کے مداح و شیدا ہیں۔ ہندوستان کے خصوصاً شمالی حصہ میں مہاتما جی کی شاعری کا رواج بنظر اعتقاد و محبت گھر گھر ہے اور دوسرے حصوں میں بھی اکثر سخندان بنظر اشتیاق و توسیع معلومات و خیالات اسکی نہایت قدر کرتے ہیں۔

سوامی جی کی مشہور بلند پایہ تصنیف "رامائن" نے ہر شخص کو جس نے ایک ہی دفعہ کیوں نہ دیکھا ہو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ جو اصل میں سنسکرت رامائن کی تبدیلی صورت ہے۔

اصلی سنسکرت رامائن کے پورے واقعات اور اعلے خیالات بھاشا کے جامے میں ملبوس ہونے سے اس کی اصلی خوبی میں کسی طرح کی کمی واقع نہیں ہونے پائی۔ بلکہ اس سلیس و عام فہم و مقبول عام تبدیلی نے ہندوستانیوں پر ایک قابل یادگار احسان کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف مذہبی خیالات کو وسعت ہوتی ہے بلکہ اس میں جتنے اخلاقی تاریخی تمدنی عشقیہ اعلی رموز ہیں وہ اسقدر موثر پیرایے میں ظاہر کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اس کے چٹخارہ دار، پرزور، برمحل اور دل لبھانے والے دوہے اور چوپائیاں ضرب الامثال ہیں۔ نظارہ ہائے قدرتی اور نظائر اخلاقی کی مماثلت جو ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتی ہے، وہ دوسروں کی شاعری میں بہت کم ملتی ہے اس مضمون میں اسی عجیب و غریب مماثلت کو ہم سوامی جی کے مختصر حالات کے بعد ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ دوہے اور چوپائیوں کے مصرعہ اولیٰ میں قدرتی نظاروں اور مصرعہ ثانی میں اخلاقی نظیروں کو کس قدر عمدہ پیرائے میں کس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کے ساتھ ساتھ زمانہ حال کی شاعری کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ امید کہ جدت پسند ناظرین کو یہ مشاہدات لطف دیئے بغیر نہ رہے گی۔

تلسی داس کی پیدایش تلسی داس کی پیدائش سمت ۱۵۸۳ م ۱۵۲۷ء میں بمقام راجہ پور ضلع باندہ میں ہوئی۔ ان کے باپ آتما رام دوبے نے مول[1] نچھتر میں پیدا ہونے کی وجہ سے از روئے شاستر ان کو گھر کے باہر پھینک دیا۔ ان کی ماں کا نام ہولاسی تھا۔

پرورش مہاتما نرسنگھ داس سادھو نے جب اس بچہ کو یوں عالم بیکسی میں پڑا ہوا دیکھا۔ تو خوشی خوشی اس کو اپنے گھر اٹھا لائے۔ اور اپنی خاص نگرانی میں ان کی پرورش کی۔ اور جب یہ ذرا ہشیار ہوئے تو ان کو اپنا شاگرد بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی ان کا نام تلسی داس رکھا اور نہ وہ ان کو رام بولا کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ نرسنگھ داس نے ہونہار دیکھ کر ان کو ایسی تعلیم دی کہ جس کی وجہ سے یہ اچھے خاصے فقیر بن گئے۔

سفر سادھوں کی صحبت میں حاضر باشی ان کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ ایک وقت سفر کرتے کرتے آپ بھرگو آشرم گئے اور وہاں سے مختلف مقامات کی سیر کرنے کے بعد ایک گاؤں میں پہونچے۔ منگرو اہیر خبر پاکر آپ کی ملاقات کو آیا جس نے ایک مٹھ بنایا تھا جس میں خاص سادھوں اور مہاتماؤں کا مقام رہا کرتا تھا اس نے آپ کی دعوت کی اور دودھ نذر کیا آپ نے اس دودھ کا کھویا بنایا اور اس کو بہت مزے سے کھایا اور خوش ہو کر اس سے کہا کہ جو مانگنا ہو مانگ" اوس نے کہا کہ مہاتما مجھے پرمیشور کی محبت کے قابل بنا دیجئے تاکہ میرا دل اس کی طرف رجوع ہو جائے اور میرے خاندان میں علاوہ ترقی ہونیکے وہ ہمیشہ سکھی رہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم اور تمہارے خاندان نے کسی کو تکلیف نہ دی اور چوری نہ کی تو ایسا ہی ہوگا۔ منگرو کا خاندان برائیوں سے تائب ہو گیا اور تلسی داس کی دعا مستجاب ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اب تک بھی اس کا خاندان سادھوں کی سیوا میں مشہور ہے۔

---

[1] یہ نچھتر از روئے شاستر نہایت منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ شاستر کا حکم ہے کہ اگر کوئی بچہ اس نچھتر میں پیدا ہو تو باپ نے بچہ کی صورت ۱۴ سال تک نہ دیکھے

شادی

آپ کی شادی مہاتما دین بندھو کی لڑکی رتنا ؤلی سے ہوئی جس کو باپ نے اپنی اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے خدا پرست بنا دیا تھا۔ اُدھر دین بندھو لائق داماد کے ملنے پر خوش تھے۔ اِدھر تلسی داس ایسی لائق خدا پرست بیوی کے ملنے پر خدائے تعالیٰ کے بیحد شکرگزار

اولاد

چند سال کے بعد رتنا ؤلی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام تارک رکھا گیا کہتے ہیں کہ وہ بچپن ہی میں تقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔

دنیا ترک کرنیکی وجہ

آپ کو اپنی بیوی سے حد درجہ کا دلی انس تھا۔ آپ کو بیوی کی مفارقت ایک لمحہ کے لئے بھی منظور نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ رتنا ؤلی کے باپ نے آپ کو آدمی کے ذریعے کئی بار کہلا بھیجا کہ چند دنوں کے لئے رتناؤلی کو بھیجدو۔ مگر آپ کو اس کی جدائی شاق تھی۔ حیلہ و عذر کر کے ٹالتے رہے۔ مگر ایک دفعہ رتنا ؤلی کے بھائی اس کو لے جانے کے لئے آیا گر آپ نے اس وقت بھی اس کی درخواست مسترد کر دی اور کسی کام کے لئے باہر چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں رتنا ؤلی کا بھائی اس کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا۔ تلسی داس تھوڑی دیر بعد گھر آئے اور اپنی بیوی کو نہ پاکر سخت بیچین ہو گئے۔ اِدھر پتہ لگایا اُدھر ڈھونڈا اپنی تجسس میں ناکامیاب ہوکر نہایت متاسف ہوئے۔ آخر ایک پڑوسی سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بھائی کے ہمراہ اپنے میکے کو چلی گئی ہیں۔ اتنا سننا ہی تھا کہ تاب مفارقت نہ لاکر جوش محبت میں سسرال کی طرف چل نکلے۔ رتناؤلی ابھی رشتہ داروں کی ملاقات سے فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ وہاں جا پہنچے۔ شوہر کو دیکھکر رتنا ؤلی کو بہت ندامت ہوئی۔ اسی شرمندگی میں اس نے کہدیا کہ "پران ناتھ! کاش یہ محبت جتنی مجھ سے آپ کو ہے اگر پرمیشور سے ہوتی تو دین و دنیا دونوں آپ کو ملجاتے"۔ تلسی داس پہلے ہی سے فقیر منش پنڈت تھے جب انہوں نے اس بات کی سچائی پر غور و فکر کی تو بجھنے والی آگ اور مشتعل ہو گئی۔ فوراً دنیوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے۔ صرف اسی ایک معمولی فقرہ نے ان کی کایا پلٹ دی۔

سیاحت

اسی وقت فقیرانہ لباس اختیار کیا اور کاشی جی (بنارس) چلے گئے۔ جہاں ہمیشہ یاد الٰہی میں محو رہنے لگے اجودھیا متھرا بندرابن، چترکوٹ پوری جگناتھ وغیرہ کے کئی سفر کئے۔ مگر زیادہ تر ان کا مقام بنارس ہی میں رہا۔ آخر دم تک وہ یہیں مقیم رہے۔

بیوی سے دوسری بار ملاقات

چترکوٹ سے ایک مدت دراز کے بعد جب کہ آپ ضعیف ہوگئے تھے واپس آ کر اتفاقاً اپنے سسرال میں ٹھہر گئے چونکہ آپ کی بیوی رتناؤلی بھی ضعیف ہو چکی تھیں انہوں نے آپ کو نہ پہچانا اور بغرض حصول ثواب وہ آپ کی طرح خاطر ومدارات کرتی رہیں کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے آپ کو پہچانا اور انجان بن کر آپ کے پیر دھونے کے لئے آگے بڑھیں مگر آپ نے منع کر دیا۔ رتناؤلی رات بھر غور وخوض کرتی رہیں اور علی الصباح اپنے واقعات ظاہر کرکے آپ سے التجا کی کہ "اگر لونڈی کی عمر کا بقیہ حصہ بھی آپ کی خدمت میں آپ کے ساتھ گذر جائے تو خوش نصیبی کے علاوہ میری خوشی وخرمی کا باعث ہوگا۔"

مگر آپ نے اسے منظور نہ کیا۔ کتاب رہنمایان ہند میں لکھا ہے کہ آپ شروع شروع میں راجہ صاحب بنارس کے دیوان بھی رہے ہیں اس کے بعد آپ نے زہد وتقویٰ اختیار کیا اور بندرابن چلے گئے۔

اخلاق وعادات

کہتے ہیں کہ آپ ہر ایک سے نہایت خندہ پیشانی اور اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپ کے پاس کئی راجہ مہاراجہ امیر وغریب فیض حاصل کرنے کیلئے آتے تھے۔ سب کے ساتھ آپ کا وہی سلوک رہتا تھا ایک شخص نے آپ سے کہا کہ گوسائیں جی پہلے تو آپ گمنامی میں بسر کرتے تھے اب راجہ مہاراجہ سب آپ پاس آتے ہیں۔ اس کا سبب بتائیے۔ آپ نے اس دوہے میں اس کا جواب دیا۔

گھر گھر مانگے ٹوک پن بھوت پوجے پائے   تے تلسی تب رام بن تے اب رام سہائے

آپ کی دوستی عبدالرحیم خان خاناں وزیر بادشاہ اکبر کے ساتھ تھی ایک دفعہ ایک برہمن نے آپ سے مفلسی کا گلہ کیا۔ اور کہا کہ میری لڑکی اس وقت شادی کے لائق ہوگئی ہے۔ مگر اس کا بیاہ کرنے کے لئے مفلسی سے مجبور ہوں آپ نے اس کو یہ آدھا دوہا لکھکر خانخاناں کے پاس بھیجدیا۔

سرتیہ نرتیہ ناگیتہ سب چاہت اس ہوئے

خانخاناں نے اس کو دیکھکر اس برہمن کی مراد پوری کردی اور بقیہ نصف دوہا یہ لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

گود لیئے تلسی پھرے تلسی سوں سُت ہوئے

رامائن اور اسکی خوبی

کہا جاتا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی خاص دو رامائن ہیں ایک تو ان کے

وطن راجہ پور میں ہے اور دوسری سیتارام جی کے مندر واقع بنارس میں۔ بقول مسٹر گریرسن "تلسی
اس نے کبیرداس کی مانند کوئی جدید مذہب کی بنا نہیں ڈالی مگر اپنا اثر یہاں تک دکھادیا کہ خواہ
کسی مذہب کا شخص ہو اس کی پیروی ضرور کرے" مسٹر گریفتھ کہتے ہیں کہ "رامائن دنیا میں ہر
وقت اور ہر ملک کے علم ادب کو کامیابی کے ساتھ برابر چیلنج دیتی رہے گی اور انسانی کمال کی
یہ مکمل تصاویر جو رام اور سیتا میں دکھائی دیتی ہیں اور کہیں نہیں ملینگی۔

تلسی داس کی تصانیف

گیتاولی۔ دوہاولی۔ کرشناولی۔ چندراولی۔ برو ے رامائن۔ کبت رامائن۔ رام چرتر مانس (رامائن چھپے ہوئے) رامائن۔ کڑکھا رامائن۔ رولا رامائن۔ جھولنا رامائن۔ کنڈلیا رامائن۔ رام ستسی۔ سنکٹ موچن۔ رام سلاکا۔ ہنومان باہک رامائن۔ گیان بنیے پتر کا۔ جانکی منگل۔ پاربتی منگل۔ رام شگوناولی۔ بیراگ سندیپنی۔ رام لا نچھو۔

وفات

۹۱ برس میں آپ کا انتقال ہوا جو اس دوہے سے بخوبی ظاہر ہے ؎

سمبت سولہ سو اسی۔ اسی گنگا کے تیر
شروان شکلا سپ تھی۔ تلسی تجیو۔ شریر

رامائن کا ایک سین اور تلسی داس کی شاعری

پربھو رام چندر نے والی کے بعد جب سگریو کو تخت نشیں کیا تو اس سے وعدہ فرمایا کہ میں تیرے ہی پاس پروشن پہاڑ کی چوٹی پر جھونپڑی بنا کر رہوں گا۔ کیونکہ اب موسم گرما کا اختتام اور برکھارت کا آغاز ہے ان دنوں سیتا کی تلاش ممکن نہیں ہے۔

چونکہ قیام کوہ پروشن کے زمانہ میں موسم باراں شروع تھا' بادلوں کی دل کے دل نیلے آسمان پر چاروں طرف پھیل رہے تھے اور مور چنگھاڑتے اور دوڑتے پھر رہے تھے ترشح کا سلسلہ جاری تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں پھولوں سے اور میدان سبزے سے فرش زمردیں بنا ہوا تھا۔ اس خوشگوار اور دل لبھانے والی موقتی تبدیلی کو دیکھکر پربھو جی نے لکشمن جی کو برکھارت کے حیلے سے اداب سیاست و انتظام ریاست رموز دینی و اخلاقی اور اصول تعلیم روحانی کی بہت ساری تہائیں دکھانیاں سنائیں چنانچہ پربھو جی فرماتے ہیں۔

لکشمن دیکھو مور گن نا چت بارد پیکھی گرہی ویرتی رتی ہرش جسے وشنو بھگت کہادیکھی

اے لکشمن ۔ اس مور کے جھنڈ کو تو دیکھو بادلوں کو دیکھ کر خوشی سے اپنے اچھل رہے ہیں جیسے مکانذار (تارک الدنیا) کو خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتا ہے ۔ مولانا حالی

کرتے ہیں پپیہے پیہو۔ پیہو (مولانا حالی) اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو

گھن گھمنڈ نبھ گرجت گھورا

پریا ہب ڈرپت من مورا

دامنی دمک رہت گھن ماہیں

کھل کی پریتی یتھا تھر ناہیں

آسمان پر بادلوں کے دل امنڈ امنڈ کر گرج رہے ہیں۔ رام چندر جی کہتے ہیں کہ لکشمن! بادلوں کی یہ ڈراونی گرج پریا کے نہ ہونے سے (یعنے سیتا جی کے نہ ہونے سے) میرے دل میں گھبراہٹ پیدا کر رہی ہے ۔ یا یوں سمجھو آسمان پر بادل اپنی معشوقہ (بجلی) کے فراق میں ہمک ہمک کر چلا رہا ہے۔ گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا دل پریا کی جدائی سے گھبرا رہا ہے ۔

مولانا حالی نے بادلوں کو شاہ برکھا رت کی فوج رسالے سے تشبیہ دی ہے اور یہ فوج رسالے دشمن گرمی کا بیڑا اڑا ہونے کے لئے جا رہے ہیں ۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ۔

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا   اک شور ہے آسمان پر برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے   اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہے رنگ برنگ کے رسالے   گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

بجلی گھٹاؤں میں ایک لمحہ چمک کر غائب ہو جاتی ہے اور اس کی یہ عجلت و بیقراری ویسی ہی ہے جیسی کہ کسی بے وفا کی محبت ۔ مولانا حالی

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی   آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

ورنہیں جلد ہوئی نیرائے   تتھا لوہیں بدھ ودیا پائے

بندا گھات سہیں گری کیسے   کھل کے بچن سنت سہہ جیسے

بادل زمین کی طرف ایسے جھک جھک کر برس رہے ہیں جیسے دانشمند علم حاصل ہو جانے کے بعد نکلتے ہر ایک سے بہ عجز و ادب پیش آتا ہے۔ پہاڑ مینہ کی بوچھار کو اس طرح برداشت کر رہے ہیں ۔

جیسے بدکاروں کی بدگوئیاں دانا برداشت کرتے ہیں ۔ مولانا حالی

مینہ کا ہے زمین پر تریڑا گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

شد رندی بھری چلی اترائی جمی تھورے دہن کہل بورائی

بھومی پرت بہا ڈابر پانی جمی جیو ہی مایا لپٹانی

چھوٹی چھوٹی ندیاں تھوڑے ہی پانی سے ابلتی اور اتراتی ہیں ۔ جیسے کوئی کمینہ تھوڑی سی دولت پر اتراتا ہے (غرور کرتا ہے) ۔

مینہ کا پانی پاک صاف زمین پر گرنے سے ایسا گرد آلود ہوجاتا ہے جیسے مقدس پاک روح (مبدا فیاض سے نکل جسم ناسوتی میں آنے سے) خودی و انانیت کی گندگی میں مبتلا ہو کر اپنی اصلی پاکی سے محروم ہوجاتی ہے ۔

سمٹی سمٹی جل بھرہیں تلاوا جمی سدگن سجن پہاں آوا

سرتیا جل جلندہی میں جائی ہوئے اچل جمی جیا ہری پائی

قطرہ قطرہ پانی باہم ملکر تالاب میں اس طرح بھر جاتا ہے جیسے نیک کردار میں نیکیاں ۔ ندیاں (جابجا) مڑمڑ کر دریا میں اس طرح سما جاتی ہیں جیسے روح (دنیا کی سختیاں جھیل کر اور تکلیں سہکر) ذات باری سے واصل ہوتے ہی سرور دائمی کا لطف اٹھاتی ہے

ہرت بھومی تنکلت سمجھ پری نہیں پنتھ جمی پاکھنڈ دواد تے لپت بھئے سدگرنتھ

زمین پر سبزے نے اسقدر گھنی نمود پائی ہے کہ احول کو راستہ تک نہیں دکھائی دیتا ہے جس طرح کج بحثی کے سامنے اعلی اصول چھپ جاتے ہیں

سبزے سے ہے کوہ و دشت معمور ہے چار طرف برس رہا نور

بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

دادر دھنی چہوں اور سہائی وید پڑے جنو بٹو سمدائی

نو پلو بہے وٹپ انے کا ساد ہوکے من جس ملے ویکا

چاروں طرف مینڈک ایسے ٹرا رہے ہیں جیسے وید پاٹی ویدوں کو رٹ رہے ہیں ۔ مولانا حالی

مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

بہت سارے درختوں سے نئی نئی کونپلیں اس طرح نکل رہی ہیں جیسے سالک کے دل میں علم حقیقت کے نئے نئے تصور پیدا ہوتے ہیں۔

ارک جورس بات بنو بہسیو جمی سراج کھل ادیم گیئو
کھوجت بنتھ ملے نہیں ہوری کرے کرود ہ جمی دھرم ہی دوری

ارک وجورس کے پتے اس طرح جھڑ گئے ہیں جیسے امن وانصاف پسند ریاست میں ظالموں کی بیخ کنی ہوتی ہے۔

تلاش کرنے پر بھی گرد کا کہیں نام و نشان اس طرح نہیں پایا جاتا جیسے غصہ کے پیدا ہونے سے انصاف دور ہو جاتا ہے۔

شش سمپن سوہ مہی کیسی اُپکاری کی سمپتی جیسی
نشی تم گھن کھدیوت وراجا جمی دمبھن کا جُر اسماجا

لہلہاتی ہوئی کھیتوں کی کثرت سے زمین ایسی سہانی نظر آ رہی ہے جیسی سخی کی دولت گھٹا چھائی ہوئی اندھیری راتوں میں جگنو ریاکاروں کی طرح اپنی چمک دمک دکھا رہے ہیں جس طرح جگنو کو صرف سیاہی میں اپنی چمک دمک پر فخر اور ناز ہوتا ہے اسیطرح ریاکاروں کی سیاہ کاری بھی اس وقت تک چل جاتی ہے جب تک اس کا عقدہ کسی روشن طبع سے کھل نہ جائے۔

مہا درشٹی چلی پھوٹی کیاری جمی سوتنھ ہوئی بگرہیں ناری
کرشی نرادہیں چتر کسانا جمی بدھ تجہیں موہ ملا مانا

بارش کی زیادتی سے چھوٹی چھوٹی کیاریاں ایسی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہی ہیں جیسے آزادی کی ہوا کھانے سے عورتیں بہک جاتی ہیں۔

ہوشیار کسان کھیتوں کو (ہریادل وغیرہ جو پیدا وار میں مزاحم و حاج ہوتی ہیں نکالکر) اسیطرح صاف و پاک کر دیتا ہے جیسے عاقل جہالت تکبر غرور کو ترک کر کے قلب کو مصفا کرتا ہے

دیکھیہ چکر واک کھگ ناہیں کلیھی پائی جمی دھرم پراہیں
او سرو رسے ترن نہیں جاما سنت ہردیا جس اپج نہ کاما

ان دنوں چکوا چکوی اس طرح دکھائی نہیں دیتے ہیں جس طرح کلجگ میں دھرم پوشیدہ ہو جاتا ہے

سخت زمین پر گھاس اسیطرح نشو و نما نہیں پاسکتی جیسے کہ قادر النفس کے دل میں خواہشات نفسانی کی امنگ پیدا نہیں ہوتی۔

ود ود جنتو سکل مہی بھراجا — بڈہیں پرجا جمی پالی سرجہا

جہاں تہاں پہنک رہے تہنکی نانا — جمی اندریہ گن او بجے گیانا

انواع واقسام کے کیڑوں کی کثرت زمین کو ایسی زینت دیتی ہے جیسے کسی نیک اور عادل بادشاہ کو دیکھکر اس کے ملک میں رعایا بڑہتی جاتی ہے۔

مسافروں کے جوق کے جوق جابجا ٹہٹک کر ایسے کہڑے ہوے ہیں جیسے علم حقیقت کے معلوم ہونے سے حواس رک جاتے ہیں۔

کبہوں پربل چل رت جہاں تہاں سکیہ بلاہیں

جمی کپوت کے اپجے کل کر دہرم نشا ہیں

کبھی تیز ہوا سے گھٹائیں اس طرح بکہر جاتی ہیں جیسے ناخلف اولاد کی پیدایش سے خاندانی دولت و دہرم اعزاز تباہ ہوجاتا ہے۔

کبہوں دوسہماں نیڈتم کبہونک پرگٹ تینگ

بپجے ونشے گیان جمی پائی سنگ کسنگ

دن میں کبھی بادلوں کے امنڈ آنے سے تاریکی چھا جاتی ہے اور کبھی آفتاب روشن ہوتا ہے گویا صحبت نیک سے نیکی اور بد سے بدی پیدا ہوتی ہے۔

بیان موسم سرما

چوپائی

ورشا وگت شرد رت آئی — دیکھو لکشمن پرم سہائی

پہولے کاس سکل مہی چھائی — جنو ورشا کرتی پرگٹ بڑہائی

اے لکشمن برکھا رت کے چلے جانے سے جاڑے کا موسم شروع ہوا ہے پھولے ہوے کاس[1] سے

---

[1] ایک قسم کی گھاس جو ختم بارش پر سفید پہولوں میں پہولتی ہے ۱۲

زمین ایسی پٹ گئی ہے کہ گویا برکھارت نے اپنے بڑھاپے کا اظہار کیا ہے۔ چوپائی

ادت اگستیہ پنتھ جل سوشا — جمی لوبھئی سوشئے سنتوشا
سرتا سر جل نرمل سوہا — سنت ہردیا جس گت مدموہا

ستارہ اگستی (جو بالخصوص موسم سرما میں نکلتا ہے) کے طلوع ہونے سے راستہ کا پانی اس طرح سوکھتا جارہا ہے جیسے قناعت حرص کو زائل کر دیتی ہے۔

ندیوں اور تالابوں کا پانی ایسا پاک و صاف ہے جیسے کسی نفس کش کا قلب جو آلائش جہالت و تکبر سے منزا و مبرا ہوتا ہے۔ چوپائی

رس رس سوکھ سرت سر پانی — ممتا تیاگ کریں جمی گیانی
جانی شرد رت کھنجن آئے — پائی سمیہ جی سکرتی سہائے

تالابوں اور ندیوں کا پانی رفتہ رفتہ اسطرح سوکھتا جاتا ہے جیسے عارف رفتہ رفتہ خودی انانیت سے باز آتے ہیں۔

جاڑے کا موسم دیکھکر کھنجن (ایک قسم کے پرند) اس طرح جمع ہوئے ہیں جیسے نیکوں کے نیک اعمال موقع پاکر آڑے آتے ہیں (یعنے اس کی حفاظت کرتے ہیں) چوپائی

پنک نہ رینو سوہ اس دھرنی — نیتی نپن نرپ کی جس کرنی
جل سنکوچ وکل بھئے مینا — ابدھ کٹمبی جمی دھن ہینا

ان دنوں بغیر گرد و کیچڑ کے زمین ایسی خوشگوار نظر آتی ہے جیسے نیک اور عادل بادشاہ کا دور حکومت
پانی کی قلت سے مچھلیاں ایسی تڑپ رہی ہیں جیسے کم فہم و کثیر العیال کم مایگی سے تکلیف اٹھاتے ہیں

چوپائی
بنو گھن نرمل سوہ اکاشا — جمی ہری جن پری ہری سب آشا
کہوں کہوں ورشٹی شاردی تھوری — کوو اک پاؤ بھگتی جمی موری

گھٹاؤں کے نہ ہونے سے مطلع ایسا صاف نظر آرہا ہے جیسے خواہش نفسانی کو دور کئے ہوئے عارف کا قلب۔

ان دنوں کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی بارش ایسی ہوتی ہے جیسے عاشق عشق حقیقی کو پاتا ہے۔

دوھا

چلے ہرش تجی نگر نرپ تاپس ونک بھکاری جمی ہری بھگتی پائے شرم تجہی آشرمی چاری

راجہ (نفس کش) تجارو گدا گر خوشی خوشی وطن چھوڑ کر (اپنے اپنے کام پر) اسطرح جارہے ہیں جیسے چاروں آشیرم والے بھگوان کی بھگتی پاکر (اپنا اپنا) آشرم ترک کرتے ہیں۔ چوپائی

(تبدیل قطعہ یا) سکھی میں جہاں نیرا گا دہا جمی ہری شرن نہ ایکو بادہا

پھولے کمل سوہ سر کیسے نرگن برمہہ سگن بھیے جیسے

گہرے پانی میں مچھلیاں ایسی خوش ہیں جیسے بھگوان کا شرن ہونیسے تکلیفیں مٹ جاتی ہیں (اور سرور دائمی حاصل ہو جاتا ہے) پھولے ہوئے کنول سے تالاب ایسے مزین نظر آتے ہیں جیسے نرگن برہم (ذات غیر مشہود) سگن (مشہود) ہونیسے۔ چوپائی

گنجت مدھو کر نکر انوپا سندر کھگروناناروپا

چکرواک من دکھ نشی پیکھی جمی درجن پرسمپتی دیکھی

شیریں رس چوسنے والے بھونروں کے جھنڈ گونج رہے ہیں اور انواع واقسام کی مرغابیاں خوش الحانی کر رہی ہیں۔ چکوا چکوی کے دل رات کو دیکھکر ایسے غمگین ہیں جیسے حاسد پرائے مال کو دیکھکر رنجیدہ ہوتے ہیں۔

چاتک رٹت ترشا اتی دہی جمی سکھ لہے نہ شنکر دروہی

شردا پت نشی ششی اپہرئی سنت درش جمی پاتک ٹرئی

پپیہا پیاس کی شدت سے ایسا پکار رہا ہے جیسے شنکر جی سے دشمنی کو نیوالا کبھی چین نہیں پاتا دھوپ کی تپش کو رات کی چاندنی کی ٹھنڈک ایسی بجھا دیتی ہے جیسے نیکوں کی آجانیسے بداعمال بھاگ جاتے ہیں

دیکھیں ودھو چکور سمدائی چتوہیں ہری جن ہری جمی پائی

مشک دونش دیتے ہمتراسا جمی دوج دوہ کیے کل ناسا

چکوروں کے جھنڈ چاند کو ویسے ہی دیکھ رہے ہیں جیسے بھگت (عاشق) بھگوان (معشوق) کو دیکھتے ہیں۔

سردی کی شدت نے مچھر اور ڈیو کا اسطرح قلع قمع کر دیا ہے جیسے کسی برہمن کیساتھ دشمنی کرنیسے خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔

بھومی جیو سنکل رہے گئے شرد ریائی سدگورو ملے تے جاہی جمی سنشے بھرم سمدائی

زمین پر جو طرح طرح کے کیڑے مکوڑے (برسات نے لا کر چھوڑے تھے) وہ جاڑے کو دیکھکر ایسے بھاگ گئے جیسے نیک مرشد کے ملجانیسے وہم و گمان کے خیالات دور ہو جاتے ہیں اور قلب مصفا ہو جاتا ہے۔

روح ادب

انتخاب مشاعرہ منعقدہ مکان حضرت باغ مسد کرسٹہ

حضرت اختر

تری تجلی وہ معجزہ ہے کہ جب اٹھا دی نقاب تو نے
تو خاک کے "شب پرست ذرّے" بنا دیے آفتاب تو نے

مجھے اگر ناز ہے بجا ہے کہ اس فرومائگی کے ہوتے
لیا ترے غم نے قلب میرا کیا مجھے انتخاب تو نے

"سکون" ناکام آرزو کی ہے ایک ہمت شکن حقیقت
حصول راحت کہاں، نہ سمجھی جو فطرت اضطراب تو نے

گل و بر و بار بن گئے ہیں بجائے خود ایک نظم دلکش
یہ اے مغنی بزم فطرت کہاں سے چھیڑا رباب تو نے

وہی نظر آ نہ ما حقیقت جو عقل کا مایۂ جستجو تھی
اسی کو اے حسن اک تجلی میں کر دیا بے نقاب تو نے

سپاس اہل نظر ادا کر کہ بن گئیں پردہ دار نظریں
حجاب ٹوٹا تو اور پایا لطیف تر اک حجاب تو نے

حضرت اشرف

سمیع و حاجت روائے عالم بھلا مری بار بے کسیوں کی
جہاں میں ہے کون جس کی پیہم دعا نہ کی مستجاب تو نے

جہاز قومی ہے ڈگمگاتا بپا ہے طوفاں ناخدا اٹھ!
اگر نہ چونکا تو دیکھ لینا ڈبو دیا مست خواب تو نے

وہ عہد طفلی ہے بات کل کی تو شور عشاق آج کیوں ہے
سنوارے کیا خط و خال زیبا ابھی سے رنگ شباب تو نے

کلام پر قہر لب میں خندہ نگاہ پر مہر چین جبیں پر
مجھے تو بسمل بنا کے چھوڑا ادائے طرز عتاب تو نے

حضرت اصغر (بار ایٹ لا)

گلاب میں جو کھنچی ہوئی تھی وہی پلائی شراب تو نے
مجھے چھلکتے ہوئے سبو میں دکھا دیا آفتاب تو نے

دیا جگر کو جو درد الفت تو قلب کو اضطراب تو نے
غرض کہ جو کچھ عطا کیا ہے عطا کیا بے حساب تو نے

یہ کیا چھپنا یہ کیا پردا کہ جس سے چھن چھن کے نور پھیلا
دکھایا عالم کو اپنا جلوہ اگر نہ الٹی نقاب تو نے

پلا کے خنجر کا مجھکو پانی مٹا دی سب میری تشنہ کامی
عذاب جاں سے مجھے چھڑایا کیا یہ کار ثواب تو نے

بجائے جام شراب زاہد جو اس کے ظرف وضو بنایا
ستم ہے کر دی ہماری مٹی کی اور مٹی خراب تو نے

اگر تجھے آپ دیکھنا تھا خود اپنی صورت کا تو تماشا
ہماری آنکھوں کی پتلیوں کا کیا ہے کیوں انتخاب تو نے

تماکرشمہ دل حزیں تھا اتر گیا چہرہ مہ جبیں کا
جواب منہ چوم کر نہیں کا دیا وہ لاجواب تو نے

یہ بخت خفتہ سے ہی شکایت ہمیشہ اصغر غریب دل کی — کہ نیند کا چشم خونچکاں کو کبھی دکھایا نہ خواب تو نے

حضرت الم

ہوائیں جادہ کا تیرے قائل جو رخ سے الٹی نقاب تو نے — تو لا کے آدم زمیں سے اوپر دکھا دیا آفتاب تو نے

یہ کس کا منہ ہے کہ گفتگو وہ کرے جمال و کمال میں تجھ — کہاں زمانہ میں اسکا ثانی کیا جسے انتخاب تو نے

نہ وہ مکاں ہیں نہ وہ مکیں ہیں نہ میں وہ عاشق نہ وہ حسیں ہیں — تجھے بس اے چرخ آفریں ہے دکھائے کیا انقلاب تو نے

سوال ہتیرے کرکے دیکھا کسیطرح بندہ سے نہ پایا — بنادیا اپنے نامہ بر کو غضب کا حاضر جواب تو نے

نہ اسے فلک اس کو شرم دنیا نہ اے فلک اسکو خوف عقبیٰ — ازل سے ابتک نہ دیکھا ہوگا الم سا خانہ خراب تو نے

حضرت باغ (صاحب مشاعرہ)

نگاہ کے ساغروں سے پیہم دیا ہے کیف شراب تو نے — پلا دیا بادۂ محبت مجھے بھی مست شباب تو نے

کبھی نہیں کی کبھی نہیں کی تلافی اضطراب تو نے — نہیں دیا عرض مدعا کا نہیں دیا ہے جواب تو نے

مجھی کو تنگ جہاں کہا ہے مجھے کو خانہ خراب تو نے — کئے ہیں کیا کیا عتاب تو نے دیے ہیں کیا کیا خطاب تو نے

جہاں میں جس نے سر اٹھایا فلک نے اسکو مٹا کے چھوڑا — مآل اپنی زندگی کا ابھر کے دیکھا حباب تو نے

فراق کی بیقراریوں پر وصال کی لذتیں تصدق — بڑھا ہے اک اضطراب دلکش کیا ہے جب اجتناب تو نے

سحر کی وہ دلکشا سفیدی افق کی وہ دل فریب سرخی — سمو کے دونوں کو دست قدرت کیسا ڈھالا شباب تو نے

کلی میں گر شان دلبری ہے تو پھول میں رنگ دلکشی ہے — بہار بن کے گلشن میں پھونک دی ہے عجیب روح شباب تو نے

شمار جب کچھ سمجھ میں آئے ادا ہو تب شکر نعمتوں کا — نہیں ہے جس کا حساب ممکن دیا ہے وہ بے حساب تو نے

جہاں پڑا عکس تیرے رخ کا فضا وہ ساری ہوئی منور — صدا یہ ذرے سے آ رہی ہے بنا دیا آفتاب تو نے

کسی پہ مرتے کے باغ اب یہ فغان و فریاد بے محل ہے — سزا یہی جرم عشق کی تھی کیا ہے کیوں ارتکاب تو نے

حضرت جوش (ملیح آبادی)

جلا کے میری نظر کا پردہ مٹا دی رخ سے نقاب تو نے — چراغ اٹھا کر مرے شبستاں میں رکھدیا آفتاب تو نے

نسیم اوراق الٹ رہی ہے ستارے شمعیں دکھا رہے ہیں — افق کی سرخی میں مشق کی ہے سحر کی زریں کتاب تو نے

تری ہر اک جنبش نظر سے ترانے مطرب الاپتا ہے — ہر ایک باد سحر کی رو کو بنا دیا ہے رباب تو نے

تجھے تماشا ہے حجاب اب تو آنکھیں لئے میں نے بیٹھا ہوں — فلک کے پردوں کو پھونک دوں گا اگر کیا اب حجاب تو نے

زمیں کی جانب نظر جما کر ایک شاعر یہ کہہ رہا تھا
ہر ایک ذرہ کو مسکرا کر بنا دیا آفتاب تو نے

رعایت ذوق ہو تو ایسی جہنم و خلد نام رکھکر
جدا جدا دو شرار گل کے بچھا دیئے فرش خواب تو نے

رباب فطرت پہ چھیڑ رہے فسردہ جنوں کا بیدار کن ترانہ
یہ کیا پھونکا ہے گوش انساں میں عقل! افسون خواب تو نے

یہ راز عرفاں ہے جسکے حق میں زباں کا ادنی سا حرف ہے مہلک
یہ موج باطن ہے جسکو بخشے ہیں ایسے نازک حباب تو نے

جو باخبر تھے وہ مسکرائے جو بے خبر تھے وہ کچھ نہ سمجھے
اٹھا کے بیگانہ وار آنکھیں کیا جو مجھ سے خطاب تو نے

نہ ہوگا تجھ سا بھی لاابالی خدا کی رحمت ہو جوش تجھ پر
سحر کو کیا کیا ضرورتیں ہیں کبھی نہ دیکھا یہ خواب تو نے

حضرت رعنا

اڑا دیئے ہیں خرد کے پرزے الٹ کے رخ سے نقاب تو نے
نگہ سے مستی ٹپک رہی ہے پلا دی گویا شراب تو نے

تڑپ رہے ہیں لرزش میں دونوں عالم بپا ہے جنبش کا اک تلاطم
خبر بھی ہے کچھ تجھے کہ ظالم الٹ دی رخ سے نقاب تو نے

ہماری صورت گہ حیات آئینہ ہے نیرنگیوں کی دنیا
ہماری تصویر زندگی پر کیے ہیں نقش انقلاب تو نے

تپش یہ کب تک رہیگی باقی تڑپ یہ کب تک رہیگی جاری
اٹھا دیا ہے فغان بلبل! گلوں کا سارا حجاب تو نے

تری ضیائے جمال رخ نے نثار کر ڈالیں سب کی خیرہ
نقاب جب تک تھا رخ پہ تب بھی الٹ دیا جب نقاب تو نے

گلوں پہ اک وجد سا ہے طاری چمن ہے اک نغمہ زار عرفاں
بنا دیا اے نسیم صبحی ہر اک شجر کو رباب تو نے

ترے کرم سے ہے یاس میں بھی امید کی اک جھلک سی باقی
خزاں کے پہلو میں کر دیا ہے بہار کو محو خواب تو نے

حضرت عالی

میں تیری شان کرم کے صدقے میں تیرے رحم و عطا کے قرباں
میں ایک ذرہ تھا فی الحقیقت بنا دیا آفتاب تو نے

ترے یہ زیر نقاب جلوے ابھی سے بیچین کر رہے ہیں
بتا کہ کیا حال دل کا ہوگا اگر ہٹا دی نقاب تو نے

ملا نہ آرام زندگی میں نہ بعد مردن ہی تجھکو عالی
یہاں بھی دیکھا عذاب تو نے وہاں بھی دیکھا عذاب تو نے

حضرت عزیز

کیا ہے رگ رگ میں جذب گردش وہ جوہر التہاب تو نے
کہ قطرہ قطرہ مرے لہو کا بنا دیا آفتاب تو نے

بجائے مایوسی مسلسل ہوئی ہے تجدید شوق پیہم
کہاں سے سیکھا ہے وہ ستمگر بتا یہ طرز جواب تو نے

جمال آتش فزا سے اپنے ہر ایک ذرہ میں جگمگا کر
مری نگاہوں میں جذب کر دی تجلی آفتاب تو نے

تو چشم اہل نظر کے آگے ہر اک جلوہ دکھا کے چھپا
گرا کے پردہ نظر سے جالی اپنی نقاب تو نے

غم جہاں سے ہے رستگاری کہ عشق کی بیخودی ہے طاری
پلا دی ہے مست بھری نگاہوں کی جب سے صہبائے ناب تو نے

ترا خیال حسین چمکتا ہے دل کے ظلمت کدے میں جب سے
بنا دیا اس لہو کے قطرے کو پیکر آفتاب تو نے

عزیز خوش فکر پر ضروری ہے سجدۂ شکر کی ادائی
کہ اس کو اس امتحان بی۔ اے میں کر دیا کامیاب تو نے

حضرت لبیب

نہ جانے کیا خواب تھا جو دیکھا بدیدۂ نیم خواب تو نے
کہ چونکتے ہی کھلی جو آنکھیں تو ڈال لی جھٹ نقاب تو نے

وہ کون ہے بہار ہستی جو تیرا دمساز آرزو ہو
حسین پیدا کیا تو ہوتا کوئی تو اپنا جواب تو نے

نہ گدگدا اور ولولوں کو نہ چھیڑ سوتی ہوئی امنگوں کو
کہ اپنے آپے میں ڈال رکھا ہے لرزۂ پیچ و تاب تو نے

نہ حسرت ہمنشیں کی حس کر کہیں نہ رہ جائے قلب بیکل
اچھوتا رکھا ہے دسترس سے خود اپنا عہد شباب تو نے

تو ایک ہے نیّر درخشاں مگر ہے سر امتیاز کس کو
کہ ذرے ذرے سے دو جہاں کے کھلا دیئے آفتاب تو نے

وہ پردہ والے ہیں نقش حسن کے خود شناسی ہے نا شناسی
ہماری از خود فراموشی کو بنایا اپنی نقاب تو نے

ترا تصور بھی اے ستمگر شرف ہے یہی پر بلا جان ہے
ہمیں کو ناز آفریں کیا اور ہمیں کو خانہ خراب تو نے

تو اپنی غیرت سے جب چھپے گا تو پھر کسے عاشقی کا زہرہ
ملا دیا خاک میں اسی کو جسے کیا انتخاب تو نے

حبیب محبوب اپنا تو ہے عبید و معبود اپنا تو ہے
کہ ملک ہستی پہ خاص رکھا ہے اپنا ہی رعب و داب تو نے

تجلیات تصور یہ بہت ہو جا تو آپ اپنے سے مست ہو جا
کہ اس سراپا میں بھر رکھا ہے ازل سے کیف شراب تو نے

یہ گفتگو اور نازنیں سے لبیب کس کو یقین آئے
مگر سچ اتنا کہ خوب کھینچا ہے نقشۂ اضطراب تو نے

حضرت مرزا (جناب مرزا [illegible] صاحب رکن دار الترجمہ)

قریب بام اسکے جا کے چمکا یہ کیا کیا ماہتاب تو نے
دکھائی کیوں ایسے نکتہ چیں کو عارضی آب و تاب تو نے

یہ رعب چھایا ہوا تھا تیرا لرزتے تھے عرض مدعا سے
مگر بڑھا دی ہماری جرأت دکھا کے حسن عتاب تو نے

کئے بہت عیش زندگی میں گناہ سمجھا نہ بے گناہی
بھلا میں اس کا حساب کیا دوں دیا تھا جو بے حساب تو نے

اگر میں لیلیٰ کہوں ہنسی سے معاف کرنا خفا نہ ہونا
یہ چھیڑ اچھی نہیں کہ مجھکو دیا ہے مجنوں خطاب تو نے

ذرا سا پتلا جو خاک کا ہے بنایا اس سے بھی کوئی بہتر
بنائے اس آفتاب سے گو بڑے بڑے آفتاب تو نے

یہ آنکھ جب بند ہو گی غافل تو تجھ پہ کھل جائیگی حقیقت
اب آگے تعبیر دیکھ لینا ابھی تو دیکھا ہے خواب تو نے

نہ خورد بیں میں یہ خورد بینی نہ دوربیں میں یہ دوربینی
بنایا آئینہ جہاں بیں دلکو دی آب و تاب تو نے

سمجھ لے اے آسماں ہم کو کہ ایسے بندے بھی ہیں خدا کے — طبیعت اپنی کبھی نہ بدلی دکھائے لاکھ انقلاب تو نے

حضرت واصفی

رخ منور پہ اور ڈالی نقاب پر اک نقاب تو نے — نگاہ مشتاق سے ہماری کیا ہے دوہرا حجاب تو نے

نہیں رقیبوں سے کوئی پردہ نہیں ہے شرم و حیا رہا کی — جب اٹھ گئے درمیاں سے ہم اٹھا دئے سب حجاب تو نے

جہان گردش میں کیوں نہ آتا زمانہ کسواسطے نہ پھرتا — نگاہ اپنی بدل بدلکر دکھا دیا انقلاب تو نے

نہ کوششوں سے نتیجہ نکلا نہ کوئی تدبیر کام آئی — وہی ہوا کامیاب یارب کیا جسے کامیاب تو نے

تمام عالم میں قدر ہوتی نہ کس لئے میرے جذب دل کی — وہی تو اک بینظیر شئے ہے جسے کیا انتخاب تو نے

ابھی بہت سے ہیں پینے والے ہیں چلے دور مئے کا ساقی — ابھی سے محفل میں رکھ دیا کیوں اٹھا کے جام شراب تو نے

خیال ہی تھا یا واصفی تھا مجھے نہ آئی تھی نیند پوری — جو آنکھ جھپکی ذرا تو دیکھا عجیب صورت کا خواب تو نے

دکن ہیر آئیل

یہ تیل دکن ہیر آئیل کمپنی نے ہمارے پاس بغرض ریویو بھیجا ہے۔ ایک علمی رسالے کو ان چیزوں پر ریویو لکھنے کی جانب متوجہ کرنا کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ یہ ملکی جد و جہد کا نتیجہ ہے اسلئے بغیر اظہار خیال اسکو مسترد کر دینا بجائے حوصلہ افزائی حوصلہ شکنی کا موجب ہو سکتا ہے اسلئے ہمارا یہ لکھنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ تیل بہ نسبت اور تیلوں کے نہایت سلیقہ کے ساتھ بنایا گیا ہے اسکی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو ضرور محظوظ کر سکتی ہے اسکی ساخت اور اسکے لیبل اور اسکے کیپسول وغیرہ کو دیکھنے سے دہوکہ ہوتا ہے کہ یہ ولایتی تو نہیں بہ نسبت دوسرے تیلوں کے اسکی شیشی بھی بڑی ہے اسکے استعمال سے ہمنے دو تین فوائد تو ضرور محسوس کئے ہیں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ جو تمام تاجران حیدرآباد دکن سے ملسکتا ہے۔

سیف القلم

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔